

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188201

UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ کتابت کتب اسلامیہ

برطانوی ہند نظام سیاسی

تصنیف

ای۔ ا۔ ہارن آئی۔ ای۔ ایس

ترجمہ

مولوی سید نجیب شرف صاحب مدنی

۱۳۵۰ھ ۱۳۴۰ھ ۱۹۳۱ء

طبع و اشاعت دارالکتاب اسلامیہ لاہور

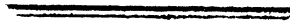
یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی اجازت سے
جس کو حق اشاعت حاصل ہے اردو میں ترجمہ کر کے
طبع و شائع کی گئی ہے

فہرستِ مضامین

برطانوی ہند کا نظام سیاسی

۱ تا ۲	صفحہ	ایک عام خاکہ،	دیاچہ
۳ تا ۸	»	برطانوی حکومت کی ابتدا،	باب (۱)
۹ تا ۱۶	»	ہندوستان کا سیاسی نقشہ،	(۲)
۱۷ تا ۲۵	»	معاشرتی و اقتصادی سواد،	(۳)
۲۶ تا ۳۷	»	ہندوستان اور عالمگیر جنگ،	(۴)
۳۸ تا ۴۹	»	ہندوستان کا نشور حکومت خود اختیاری،	(۵)
۵۰ تا ۶۶	»	سیاسی و آئینی ترقی ۱۹۱۲-۱۹۳۳ء،	باب
۶۷ تا ۹۱	»	اصلاحات کا خلاصہ ۱۹۱۲-۱۹۳۳ء،	باب
۹۲ تا ۹۳	»	اصلاح شدہ دستور،	باب
۹۴ تا ۹۷	»	قانون حکومت ہند ۱۹۱۹ء،	(۱)
۹۸ تا ۱۰۵	»	صوبوی خود مختاری کی بنیاد،	(۲)
۱۰۶ تا ۱۱۵	»	صوبوں کی دو علی،	(۳)

۱۱۶ تا ۲۳۳ صفحہ	حلقہ رانے دہندگاں کی تنظیم،	(۴)
» ۱۳۲ تا ۱۳۲	اصلاح شدہ مجالس منقنہ کے اختیارات،	(۵)
» ۱۳۲ تا ۱۳۲	مرکزی حکومت،	(۶)
» ۱۳۶ تا ۱۳۲	وزیر ہند اور اس کی حیثیت،	(۷)
» ۱۳۷ تا ۱۵۰	عہد جدید کے بعض سیاسی مسائل،	باب
» ۱۴۸ تا ۱۵۱	اصلاح شدہ دستور حالت نفاذ میں،	باب
» ۱۴۹ تا ۲۰۲	انقلابی تحریک کے خطرات،	باب
	تقسیم سیاسی،	نقشہ



دیباچہ

برطانوی ہند کے سیاسی نظام کا یہ ہمیدہ کا یہ ہمیدہ کا یہ ہمیدہ کا یہ ہمیدہ کی دستوری تبدیلیوں پر خاص طور سے اظہار خیال کیا گیا ہے، ان تقریروں پر مبنی ہے جو مصنف نے بہار سنسکرت میں جاسٹس اور ریڈ میں کی تھیں۔

علاوہ کتابت طلبہ کے لئے ترتیب دی گئی ہے، کہ ایک طرف تو یہ اس موضوع پر ہمیدہ کی موازینہ پختی ہے، اور دوسری طرف البرٹ کی حکومت ہند اور اس کے بعد کی ہندوستان کی سیاسی تبدیلیوں کے نتیجہ کا کام دیتی ہے، اس لئے مؤرخانہ خیال کے ماتحت اس کتاب میں ہندوستان کے جدید آئین کو بالکل میں بیان کیا گیا ہے۔

تاہم اس وقت یہ موضوع محض علمی دلچسپی سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کا مشورہ دراصل اس عالمگیر جنگ کا لازمی نتیجہ ہے جو آزادی قومیت کے لئے تھی اور حال ہی میں ختم ہوئی ہے، اور جو لوگ بعد از جنگ کے ہندوستان سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ نشور قابل مطالعہ ہے، ایسے ناظرین کی توجہ پہنچانے کی طرف جبر میں ایک عام خاکہ پیش کیا گیا ہے، خاص طور سے مبدلہ برائی جاتی ہے!

ان تقریروں اور اس کتاب کی اشاعت میں ایک سال کا وقفہ ہو گیا ہے، اور اس وجہ سے یہ بات ممکن ہو گئی ہے، کہ اس میں ایک ایسے باب (باب) کا اضافہ کیا جائے، جس میں اصلاح شدہ دستور کی عملی صورت پر اظہار خیال کیا گیا ہو، اور اس کے ساتھ ہندوستان کی انقلابی تحریک کے حال کے مظاہروں پر

بحث کرنا بھی ممکن ہو گیا ہے۔ جن لوگوں نے گزشتہ بارہ ہینوں میں اہم ترین واقعات کا مطالعہ کیا ہے، ان کے لئے یہ مظاہرے منظم آئینی ترقی کے لئے بڑا خطرہ ہیں، باب ۷ اسی موضوع پر مشتمل ہے،

سینٹ انڈریوز

۱۵۔ اپریل ۱۹۲۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

برطانوی ہند کا نظام سیاسی

باب (۱)

ایک سرسری نظر

(۱)

آج سے تقریباً تین صدی قبل پہلی انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جسے ملکہ الیزبتھ نے سولہویں صدی کے آخری دن منشور عطا فرمایا تھا، ہندوستان میں اپنی کوٹھیاں، یا تجسارنی مرکز قائم کئے جیسا کہ اکثر کہا گیا ہے الیزبتھ نے لندن کے تاجروں کے گورنر اور کمپنی کو مشرقی جزائر ہند میں تجارت کرنی تھی جو فرمان عطا کیا تھا، وہ اپنے نظام حکومت خود اختیار کرنے میں، چارلس اول کے اس فرمان سے بہت مشاہدہ تھا جو اس نے "انگلستان جدید" میں خلیج میساچوسٹس کی کمپنی اور اس کے گورنر کو عطا کیا تھا، اس فرمان کے ذریعے سے ایک گورنر ایک منتخب مجلس عاملہ، ڈاکٹر آف ڈاکٹرٹریس

سہ ایسٹ گورنرٹ آف انڈیا (حکومت ہند) صفحہ ۱۰۱ بہ کیفی ملحوظ خاطر ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا منشور اس عہد کے استعماری فرماؤں سے اس حیثیت سے علا بہت مختلف تھا مثلاً مسوخرالذکر فرماؤں میں جہاں کمپنی کو نہ صرف اپنے ملازمین کے متعلق بلکہ مقبوضہ علاقہ کے متعلق بھی قانون سازی کے حقوق حاصل تھے، اول الذکر میں اس قسم کا کوئی حق علاقہ پر حکومت کرنے کا نہیں تھا۔

یا کورٹ آف کمپنیز جیسا کہ وہ پہلے کہلاتی تھی) اور ایک جماعت متعینہ (جنرل کورٹ کے قیام کے حقوق حاصل ہوئے تھے) جو ان تمام اشخاص پر جو کمپنی کی ملازمت سے آزاد تھے مشتمل ہوتی تھی اور یہ ایسا دستور تھا جو تجارتی و سیاسی دونوں اغراض کی تکمیل کے لئے قائم کیا گیا تھا اور بدلتو رہی۔ کے بحری کاروبار اور سمندر پار کی نوآبادیوں کے مناسب حال و فعات کے تحت اندرونی نظام حکومت پر مشتمل تھا۔

کمپنی کے اہل مستقل کارخانہ سلاطین ہندوستان کے مشرقی ساحل پر پھیلی بندریں اور سلاطین مغربی ساحل پر صورت میں قائم ہوئے یہ محض تجارتی گودام تھے جن میں مزید حفاظت کے لئے کمپنی کے ملازم یا فوجی نظام کی طرح اپنے دفتروں اور گوداموں سے قریب ہی رہتے تھے، چونکہ برطانوی حکومت کے نمونے پر کمپنی کے معاملات کا انتظام بھی ایک صدر اور ایک مجلس عاملہ پر مشتمل ہوتا تھا جو ہر بریسڈن سائیکل کمپنی کے پرائیڈن مارجن سے مرکب ہوتی، اس لئے مخصوص مرکز جن کے تحت متعدد چھوٹے موٹے کاروبار ہوتے تھے بریسڈن کہلاتے تھے، اس زمانے میں ہندوستان پر مثل بادشاہ حکمران تھے جن کے آباد اجداد افغانستان و مشرقی ترکستان سے آئے تھے۔ اس مخصوص مثل خاندان کے فتح ہند کی ابتدا سلسلہ میں باہر نے کی اور اس کا انتظام ابراہیم نے (۱۱۰۵-۱۱۵۶ء) کیا چنانچہ بہت دنوں تک کمپنی مثل علاقوں میں مغلوں کی برصغیر پر تجارتی کاروباری پر قابض رہی۔

پہر کیفیت مشتمل میں شہر اور اس کے قیام سے کمپنی کی تاریخ کے ایک جدید باب کا آغاز ہوتا ہے، اس باب کو اس کے قبل ہند سے بلکہ کمپنی سے پہلے ایک چپہ بھر زمین بھی نہ تھی اور اس کے بعد زمانے سے ممتاز کرنے کے لئے جبکہ یہ تھی سو نوآبادی بڑھتے بڑھتے ہندوستان کی وسیع حکومت بن گئی، اس وقت کہا جاسکتا ہے وہ حصہ زمین جس پر قلعہ سندھ خارج بنا گیا تھا کمپنی کی اولین ملکیت ارضی تھی اس کے گرد و مدار اس کا شہر آباد ہو گیا، اور وہ سلاطین میں ایک مستقل بریسڈن بنادیا گیا، اگرچہ اس سے شہر میں بیشتر ہندوستانی تھے، پھر بھی اس کی ایک نوآبادی کی حیثیت تھی۔ کمپنی کو جس میں مغلی نے مخصوص طور سے

دوسرے مقام کے بلکہ "ملکی حکومتوں" کے اثر سے بھی عملاً آزاد تھا آئین میں سے ہر ایک مقام اپنے حلقہ عمل کے اندر اور صدر اور مجلس عاملہ کی مقامی ہدایت کے مطابق ہندوستان میں کمپنی کی تجارتی کوٹھیوں کا مرکز بن گیا یہ آبادیاں بظاہر نوآبادیوں کے نمونوں پر تھیں، اور "عہدہ" "بحالی شاہی" (۱۶۶۱ء) میں شاہی مشوروں کی رو سے جو حقوق انھیں ملے، وہ (جیسا کہ البرٹ کا خیال ہے) دراصل کمپنی کی ایک تجارتی مجلس سے وسیع عدالتی و فوجی مقتدر اعلیٰ کے درجے تک ہمدردی کے مظہر ہیں دوسری طرف تینوں پریسڈنسیوں میں کمپنی کے اختیارات کچھ ایک ہی طرح کے تھے، لیکن اس وقت تک اس نے بمبئی کے علاوہ کہیں دوسری جگہ حق حکومت کا دعویٰ نہیں کیا تھا یہ ضرور ہے کہ ۱۶۶۱ء میں لندن کی بزدل مجلس عاملہ نے سر جان چائلڈ کی (جو ۱۶۶۱ء سے ۱۶۸۶ء تک چار مرتبہ گورنر موجد کا تھا) پر زور تحریر پر اس بات کا اعلان کیا تھا کہ اب کمپنی کی حکمت عملی یہ ہوگی کہ وہ ایسا دیوانی و فوجداری نظام قائم کرے، اور اس قدر وسیع آمدنی پیدا اور حاصل کرے جو مستقبل میں ہندوستان کے اندر ایک "وسیع مضبوط دائمی انگریزی حکومت کی بنیاد ثابت ہو،" البتہ چائلڈ نے اس حوصلہ زحمت عملی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۱۶۶۵ء میں شہنشاہ اورنگ زیب سے بیکارا ایک چھوٹی سی لڑائی مولنے کی اگر ان کی بحری قوت مضبوط نہ ہوتی تو انگریزی اس وقت یقیناً ہندوستان سے باہر نکال دیے گئے ہوتے یہ خطرہ مشکل سے گزرا ہی تھا کہ ۱۶۸۹ء کے انگریزی انقلاب کی وجہ سے جو سیاسی گتھیاں پڑ گئی تھیں، ان سے یہ خون پیدا ہو گیا تھا کہ بہت جلد دوحریف ایسٹ انڈیا کمپنیوں کے نفاق کی وجہ سے ہندوستان سے انگریزی تجارت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو جائے، چنانچہ مشنریوں نے دونوں کمپنیاں باہم مخلوط کر دی گئیں۔

۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا اور اس کے بعد نعل حکومت کا شیرازہ نہایت تیزی سے منتشر ہونے لگا۔ ۱۶۸۷ء میں فرانسسوں نے جنگ تخت نشینی آشریا کو ہندوستان تک وسعت دے کر مدراس پر قبضہ کر لیا لیکن یہ بالآخر ۱۶۹۰ء میں

صلح نامہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مطابق لوئس برگ کے عوض واپس لیا گیا، ۱۷۶۳ء میں بنگال کے نوجوان نواب سراج الدولہ نے انگریزوں سے اعلان جنگ کر کے ان کو کلکتے سے نکال دیا یہ ان کے لئے نازک ترین وقت تھا، ٹھیک اسی وقت انگریزوں نے رابرٹ کلائیو کی مدد سے رینہائی میں حقیقی حکومت کے لئے علی قدم رکھا، ہفت سالہ جنگ کے پہلے ہی وہ جنوبی ہند میں فرانس کو نیا دکھا چکے تھے، انھوں نے فرانس نے نامزد کردہ نواب کو ہٹا کر ۱۷۶۴ء میں کرناٹک میں اپنے نام زد کردہ نواب کو تخت حکومت پر بٹھایا اور اس کے دو سال بعد فرانسسی گورنر جنرل نہایت ذلت کے ساتھ ہندوستان سے روانہ ہوا، کلائیو نے جنوری ۱۷۶۵ء میں کلکتے پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور جون میں پلاسی کی فیصلہ کن جنگ میں فتح یابی حاصل کر کے ہندوستان کے سب سے زیادہ عزیز صوبے کا عملاً مالک بن گیا۔

بنگال میں اب گویا نراج (پلاٹوائف الملوک) شروع ہوئی، ایک طرف تو کمپنی اپنے کندھوں پر حکومت کا بار لینے پر راضی نہ تھی اور دوسری طرف اس نے خود ساختہ نوابوں کے واسطے بھی حکومت کرنا ناممکن کر دیا تھا، حتیٰ کہ اس وقت بھی صورت حال کچھ بہتر نہیں ہوئی جب کہ ۱۷۶۴ء میں کمپنی نے بہت زیادہ تذبذب کے بعد نعل بادشاہ سے بنگال، بہار اور آڑیسہ کی دیوانی حاصل کی، ابتدائی نعل بادشاہوں کے عہد میں ہر صوبے کا نظام دو شخصوں پر منقسم تھا جن میں ایک انگریز دیوان کہلاتا تھا اور مالگزار اور دیوانی عدالت کا ذمہ دار ہوتا تھا، اور دوسرا نواب ناظم، نو جداری عدالتوں اور پولیس کا ذمہ دار تھا لیکن زمانہء بعد کے بنگال کے نوابوں نے دونوں حقوق غصب کر لیے تھے کمپنی کو دیوانی عطا ہونے کی وجہ سے جو دو علی حکومت قائم ہو گئی تھی اس میں اگرچہ اصولاً کوئی چیز مختلف نہیں تھی، لیکن عملاً وہ بہت بری ثابت ہوئی اس جدید نظام کے بعد جو نواب کو برائے نام ہی امن و انصاف کا ذمہ دار مقرر کیا جاتا تھا وہ کمپنی کے ہاتھ میں ایک بے ضرر کھلونا ہوتا تھا، اس کے ساتھ ہی ساتھ کمپنی جو اصلاً حاصر دیوانی معاملات کی ذمہ دار تھی، ملکی ذرائع سے اس نے فراغی انجام دیتی رہی، ۱۷۶۵ء میں یہ پورا زمانہ گویا ایک ارتقائی عہد تھا جس کے دوران میں کمپنی ملکی حکومت کے حصول کے لئے تدریجاً اپنا راستہ صاف کر رہی تھی۔

تک اہم کمپنی نے خود دیوان کی حیثیت سے اپنے اختیار کو وسیع کرنے کا ارادہ کر لیا اور وارن ہسٹنگز کی ہدایات کے ساتھ بنگال کا گورنر مقرر کیا گیا کہ موجودہ ویسی نظام کی جگہ ایک نیا نظام قائم کر دے۔ چنانچہ کمپنی کی 'سول سروس' کو تسلیم کیا گیا اور حکام کے عدالتی و مالی فرائض کی انجام دہی کی ہدایت کے لئے مناسب حال قوانین وضع کئے گئے اور ہسٹنگز کو کلکتہ کی نظر میں اپنے اصلی مقاصد کے اظہار کے لئے کسی ریاستی عذر کی ضرورت نہ تھی، چنانچہ جیسے ہی اس نے نئے نظام حکومت کی بنا ڈالی تو ویسے ہی اس نے ایک طرف تو برائے نام نفل شہنشاہ کا خراج بند کروایا، اور دوسری طرف نواب کو پشن دے کر الٹ کر دیا، اب تمام دنیا کو یہ معلوم ہو گیا کہ انگریز عملاً صوبہ بنگال کے حاکم ہو گئے جو پہلے تو ہلاکر رقبہ میں تمام جزائر برطانیہ کے برابر اور آبادی میں ہسٹنگز کے تباہ کن قحط سے پہلے ان جزائر کی اس وقت کی آبادی سے دو ٹی آبادی پر مشتمل تھا۔ تیسری پارلیمنٹ نے انقلاب بنگال کو ایک 'امر مسلمہ' تسلیم کر کے اور اپنے دامن کو اس نظری بحث میں الجھائے بغیر کہ برطانوی تاج کی مرکزی حکومت کہاں تک کمپنی کی ملکی حکومت کے اختیارات کو محدود کر سکتی ہے یا منغل بادشاہ کی وجہ سے نام و نشان کے سیکے کمپنی ۱۸۵۷ء تک ڈسپلٹی رہی، خیالی حکومت کا لفظ کیا جا سکتا ہے، ایک قانون کے ذریعے سے کمپنی کے ان جدید اختیارات کی تصدیق کر دی، اسی سال لارڈ ڈالتھم کی وزارت نے جو قانون تنظیم دریگولینڈنگ ایکٹ) منظور کیا اس کے ذریعے سے ان جدید اختیارات کی حکومت کے لئے ایک گورنر جنرل اور چار رکنان کی (جن کے نام اسی قانون میں مذکور تھے) ایک مجلس عامہ کا تقرر کر دیا گیا۔ اس طرح یہ معلوم ہو گیا کہ ۱۸۵۷ء سے بعد کے قوانین اور ان کے تحت عطا شدہ مشوروں کے ذریعے سے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کی برطانوی گورنمنٹوں کے انتظام کے لئے ملکی و فوجی حقوق عطا ہوئے تھے، لیکن تیسری کے قانون نے برطانوی ہند کے وسیع مقبوضات کی حکومت کا سامان (کمپنی ہی کے وساطت سے) ہسٹنگز کی اس قانون پر کے سال قبل شروع ہو گیا اور حکومت عامہ (یعنی ڈیڑھ سو سال کے اندر ہی اندر سے) برطانوی ہند کی دشوری تاریخ کا آغاز کرنا چاہئے۔

(۲)

میرا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں ان مدارج کو بیان کروں جو ہنگال میں منغل حکومت کے خاتمے سے شروع ہو کر ہندوستان کے وسیع براعظم کے دو تکت حصوں کو بلاوا۔ برطانوی حکومت اور بقیہ ایک ٹکٹ کہ برطانوی شہنشاہی کے تحت لے آئے ہیں تاہم یہ بہتر ہو گا کہ ہم اس ہندوستان کے سیاسی حالات کے متعلق ایک عام خاکہ اپنے ذہن کے سامنے پیش کر دیں جو اس دو عملی طریقے سے عالم وجود میں آئے جس کے ذریعے ایک طرف تو برطانوی صوبوں کی تعمیر ہوئی اور دوسری طرف اس عجیب و غریب سیاسی پیوند کاری کی جو اب ویسی ریاستوں پر متعمد ہے، مستقل صورت پیدا ہوئی ایک نقشہ و کتاب کے آخر میں منسلک کیا گیا ہے جو ہندوستان حکومت کی سیاسی تقسیم کو بتاتا ہے۔ ہم زمین میں رہ دو اوقات مندرج کر سکتے ہیں جنکی مدد سے مجلس خاکہ پڑھنے والے کے سامنے آجائے:

طریقہ ترتیب

آبادی (۱۹۱۱ء)

صوبہ

- | | | | |
|----|--|----------|---|
| ۱۔ | ہراس | ۲۲۳۰۰۰۰۰ | اٹھارہویں صدی سے وسطی فرانسیسی جنگوں کے نتیجے میں، اٹھارہویں صدی کے اختتام میں، مالہا ہو گئی۔ |
| ۲۔ | بنگلہ | ۲۰۰۰۰۰ | تھارہویں صدی کے اختتام میں، مسوری کی جنگوں کی وجہ سے، اٹھارہویں صدی کے اختتام میں، برطانوی حکومت نے اسے چھوڑ دیا۔ |
| ۳۔ | بہار اور آڑھ | ۲۲۰۰۰۰ | ۱۷۶۴ء میں، بنگال، بہار اور آڑھ کی دیوانی کی نظر سے چھوڑ دیا گیا۔ |
| ۴۔ | صوبہ متحدہ آگرہ داودہ | ۲۵۹۰۰۰۰۰ | ۱۷۶۴ء کے فیصلے میں، آگرہ، بہار اور آڑھ کا اس میں اضافہ ہو گیا اور اسے "صوبہ متحدہ آگرہ داودہ" کے نام سے منسوخ کر دیا گیا۔ |
| ۵۔ | گورنر جنرل حکومت کرناٹکا | ۱۷۶۴ء | ۱۷۶۴ء میں، گورنر جنرل حکومت کرناٹکا میں صوبہ شمال و مغربی کی مستقل حکومت کے تحت کر دیا گیا۔ |
| ۶۔ | شمال و مغربی صوبہ شمالی و مغربی کے | ۱۷۶۴ء | ۱۷۶۴ء میں، شمال و مغربی صوبہ شمالی و مغربی کے |
| ۷۔ | لنڈن گورنر اور داودہ کے چھ گھنٹہ کاہنہ | ۱۷۶۴ء | ۱۷۶۴ء میں، لنڈن گورنر اور داودہ کے چھ گھنٹہ کاہنہ |

اسی سال اولیہ خاص کے متعدد اضلاع بھی مرہٹوں سے چھین کر دوبارہ بنگال میں شامل کر دیئے گئے، اودھ کو سخت ترین و سبیل یہاں انتظامی کی وجہ سے ۱۸۵۱ء میں ملٹی کر لیا گیا۔

یہ زیادہ تر چٹوا کے ان علاقوں پر جو ۱۸۱۷ء کی تیسری مرہٹہ جنگ کے خاتمے پر ملٹی کئے گئے ہیں شامل ہے۔ سندھ کا تھانی صوبہ (آبادی ۳۳۰۰۰۰) ۱۸۴۳ء میں فتح ہوا، اور بھٹی پر برٹشوں میں ملا دیا۔

اس کا ۱۸۲۱ء کی پہلی جنگ برما میں الٹی کیا گیا۔

۱۸۰۹ء میں اور سلج کا درمیانی علاقہ (ریاست ہائے ایندو کے سلج) انجمنت لکھ

کر دیا گیا اور ۱۹۰۱ء میں وہ صوبجات متحدہ اگرہ و اودھ کا لٹنٹ گورنر بنایا گیا اور صبح ہو کر ۱۹۱۰ء کے مقرر کردہ صوبہ سرحدی ایشیائی جنوبی کے ساتھ مشابہت سے سکنے کے لئے دوبارہ یہ نام دیا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں لٹنٹ بنگال (۱۹۰۹ء پر نظر ثانی کرتے وقت صوبہ بہار اولیہ ایک نئی مستقل حکومت کے تحت کر دیا گیا)۔

۵۔ بمبئی ۱۹۳۰۰۰۰۰
[عہد کی نوآبادی کی تاریخ ۱۸۱۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ اور وہ زمانہ حال تک حکومت بمبئی کے تحت تھا ۱۸۱۷ء میں یہ برطانوی دفتر خارجہ کے تحت منتقل کر دیا گیا، اور اب تجویز ہے کہ اسے دفتر نوآبادیات کے محکمہ مشرق وسطیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔]

۶۔ آسام ۶۶۰۰۰۰۰
[۱۸۲۶ء سے ۱۸۵۶ء تک گورنر جنرل ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۷ء تک بنگال کے لٹنٹ گورنر ۱۸۶۷ء سے ۱۹۰۵ء تک ایک مستقل صوبہ کی حیثیت سے ایک چیف کمشنر ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۲ء تک مشرقی بنگال و آسام کے لٹنٹ گورنر اور ۱۹۱۲ء سے ایک مرتبہ پھر ایک مستقل صوبے کی حیثیت سے ایک چیف کمشنر (اب گورنر) کے زیر حکومت رہا ہے۔]

۷۔ پنجاب ۲۰۰۰۰۰۰
[۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۶ء تک تین کمشنر ونگی

کی مجلس ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۹ء تک ایک چیف کمشنر اور ۱۸۵۹ء سے ایک لفٹننٹ گورنر (اب ایک گورنر) کے تحت ہے۔

نے مختل کر دیا ۱۸۵۹ء میں پہلی جنگ سکھان کے خاتمے دو آجے جاندھر (تیل و بیاس) کا درمیانی علاقہ ملحق کیا گیا اور ۱۸۶۲ء کی دوسری جنگ سکھان کے خاتمے تک پورا صوبہ ملحق کر لیا گیا ۱۸۵۹ء میں دریائے سندھ کے اس پار والے بعض اضلاع ایک چیف کمشنر کے تحت رکھے گئے اور اس کا ایک تعلق صوبہ پٹیوہر حصہ شمالی و جنوبی بنا دیا گیا۔

۸۔ صوبہ پٹیوہر (اور برائی) ۱۳۹۰۰۰۰۰

۱۹۔ ۱۸۶۱ء کی تیسری جنگ مرہٹہ کے خاتمے پر شمالی اضلاع ملحق ہو کر علاقہ ساگر و زبدا کی حیثیت گورنر جنرل کے ایک قائم مقام کے تحت کر دیے گئے اس کے بعد ان کو جمالیک شمال و مغربی کے ساتھ ملادیا گیا مگر ۱۸۶۱ء میں وہ بہت متوسط بنانے کے لئے علاقہ ناگپور کے ساتھ ملادیا گیا جو ۱۸۵۸ء میں اصول بازگشت کے ذریعے سے ملحق کر دیا گیا تھا جب ۱۸۶۰ء میں براؤن (آبادی ۳۱۰۰۰۰) کا جس کی آبادی اکتیس لاکھ ہے اعلیٰ حضرت حضور نظام نے مستقلاً برطانوی حکومت کو پیٹ پر دے دیا تو وہ بھی صوبہ پٹیوہر کے چیف کمشنر (اب گورنر) کے تحت ہو گیا۔

۹۔ برہما (ابتداء میں برہما گورنر جنرل کے قائم مقام کے زیر حکومت تھا۔ ۱۸۶۸ء میں ایک چیف کمشنر مقرر کیا گیا اور ۱۸۶۹ء میں برہما ایک لفٹننٹ گورنر کے تحت کر دیا گیا اب یہاں گورنر حکمران ہے۔

وہ علاقے جو برطانوی پازیریں برہما، اہلاتے تھے (جو شمالی علاقہ اور میگھ پور مختل ہے) ۱۸۵۸ء میں ۱۸۵۹ء کی پہلی اور دوسری جنگ ہانے جو برہما میں حاصل ہوئے تھے۔ برہما کی خود مختار سلطنت کا (جسے بالائی برہما بھی کہتے ہیں) ۱۸۵۹ء کی تیسری جنگ کے بعد لٹا کر لیا گیا۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل چند اور صوبے بھی ہیں ان میں سے ہر ایک پر حکومت

مضر ہے اور دیسی ریاستوں میں خارجی آزادی کی کوئی بھی صفت موجود نہیں، ان کے سرحدی معاملات کو جن سے ان کے باہمی تعلقات بھی شامل ہیں حکومت ہند اپنے ہدایات کے تحت انجام دیتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تین الاقوامی معاملات کے لئے وہ عملاً برطانیہ کے زیر دست ہیں اور اسی لئے دوسرے برطانوی مقبوضات کی طرح فوجی و سیاسی تحفظ کے مستحق ہیں دوسری طرف اپنے علاقوں پر قابض ہونے اور حکومت اعلیٰ کے اس قبضے کو تسلیم کرنے کی وجہ سے ان کو اندرون علاقہ کے انتظامات کے لئے کچھ حقوق حاصل ہیں یہ ملحوظ رکھنے کے بعد کہ برطانوی رعایا اور ریاستوں کے ان چھ اجزاء کی شہرہ پر جہاں برطانوی فوج مقیم ہو، وایان ریاست کا کوئی اختیار نہیں، اور نیز یہ ذہن نشین ہو جانے کے بعد کہ بہر ریاست کی توجہ کی تعداد محدود ہے، ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ (۱) حکومت برطانیہ اور وائی ریاست اُس علاقے کے اقتدار اعلیٰ کو تناسب کے اعتبار سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ یہ تناسب مختلف ریاستوں کی تعریف و اہمیت، صلح ناموں اور باہمی مفاہمیتوں یا کچھ سندوں یا رسموں کے مطابق ہوتا ہے۔ ان وایان ریاست میں سب سے زیادہ حقوق جن کو حاصل ہیں وہ اعلیٰ حضرت حضور نظام حیدرآباد ہیں، جن کا اپنا سکہ رائج ہے، اپنی رعایا پر ٹیکس لگاتے ہیں، اور پھانسی کی سزا دیتے ہیں جس کا مرافعہ کسی برطانوی عدالت میں نہیں ہو سکتا، اہل ترین اختیارات کا نمونہ کاٹھیاواڑ کے چند ایکڑ والی ریاستوں کے حکمہ ان میں جو برطانوی محاصل سے آزاد ہونے کے ساتھ ہی برائے نام عدالتی حقوق بھی رکھتے ہیں۔

دیسی ریاستوں کی تعداد تقریباً ۷۰ ہے ان میں سے زیادہ ازراہ ۶۰ یا ۷۰ ریاستیں ایسی ہیں جنہیں تھوڑی بہت اہمیت حاصل ہے باقی ان میں سے کوئی بھی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور بہت سی (خصوصاً صوبہ بمبئی کی ریاستیں تمام تعداد کی تقریباً نصف ہونگی) صرف معمولی رئیسوں اور جاگیرداروں کی ہیں، انہما رھویں صدی کے آخر میں برطانوی حکومت نے میسور اور جزائر کوکوری کی قدیم ریاستوں کو بچایا اور انیسویں صدی کی ابتدا میں راجپوتانہ

کی ریاستیں جن میں سے اکثر قدیم ترین خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں برطانوی حمایت میں آگئیں، دوسری طرف حیدرآباد، کشمیر، گوالیار، بڑودھ، اور اندور کی سی بڑی اہم ریاستیں حال کی قائم شدہ ہیں، اور ہروالی ریاست کے آباؤ اجداد باہر سے اس علاقے میں آئے تھے، حیدرآباد کے فرماں روا جہاں کی آبادی ہندو ہے مسلمان ہیں اور کشمیر کے حکمران جہاں آبادی اسلام کی پیروی ہے ہندو۔ ایسے اہم ترین قابل ذکر علاقے جو ابتداً دیسی ریاستوں کی حیثیت سے تسلیم کر لئے گئے، لیکن بعد کو برطانوی علاقے کے ساتھ ان کا الحاق کر لیا گیا، تاہم ان کو بڑودھ، گوالیار اور بڑودھ یعنی حکمران کے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ۱۸۵۳ء میں ضبط کر لیا گیا اور اودھ کو انتہائی بد انتظامی کی بنا پر ۱۸۵۷ء میں ملحق کر دیا گیا۔ ذیل میں ہندوستان کی اہم دیسی ریاستوں میں سے بعض کے کچھ حالات درج کئے جاتے ہیں، یہ دس ریاستیں، تمام دیسی ریاستوں کے مربع کے چھ حصہ اور آبادی میں نصف سے زیادہ تعداد پر مشتمل ہیں،

- | | | |
|--|------------------|--------------------------------------|
| ریاست | آبادی
(۱۹۰۱ء) | حکمران
(خطاب توہم و تہذیب) |
| ۱- جمعدآباد | ۱۲۲۵۴۰۰۰ | بہاگزیالشیہا پٹیس نظام ترکمان مسلمان |
| (اورنگ زیب کے محنت دکن کے صوبہ دار آصفیہ اول نے خود مختاری کا اعلان کر کے ۱۷۳۲ء میں موجودہ حکومت قائم کی تاہم سلطان شاہ میسور کے لڑائیوں میں حضور نظام برطانیہ کے حلیف تھے اور برطانیہ نے ان کو مرہٹہ حکومت سے بچایا تھا) | | |
| ۲- میسور | ۵۹۶۶۰۰۰ | ہماراجہ ہندو |
| (میسور کے موجودہ حکمران خاندان حکومت و دیواران کی تاریخ چھ سو میں پانچ سو میں صدی سے شروع ہوتی ہے، ۱۷۹۹ء میں میسور کی شکست کے بعد یہ خاندان اس علاقے پر جو ریاست میسور کہلاتا ہے دوبارہ حکمران بنایا گیا، ۱۸۱۷ء میں بد انتظامی کی وجہ سے میسور برطانوی قبضے میں لے لیا گیا، ۱۸۵۷ء میں پھر قدیم حکمران خاندان کو واپس کر دیا گیا) | | |
| ۳- ٹرادکور | ۴۰۰۶۰۰۰ | ہماراجہ ہندو |
| (پہاں کے ہماراجہ ترین قدیم جنوبی تامل ریاستوں میں سے ایک ریاست پھرا کے حکمرانوں کے خاندان سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، تیسری جنگ میسور (۱۷۶۹ء) | | |

در اصل اس ریاست کی وجہ سے ہوئی تھی اس لئے کہ اس کے اور انگریزوں کے درمیان مخالفت ہو گیا تھا جس کی رو سے انگریزوں پر اس کی حفاظت فرض تھی،

۲- کشمیر و جموں ۲۳۲۲۰۰۰ ہزار روپے
 (۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ نے کشمیر کو فتح کر کے پنجاب میں شامل کر لیا ۱۸۳۷ء میں پہلی جنگ سکھوں کے بعد بائگریزوں کو لا اور انھوں نے اسے گلاب سنگھ کو دے دیا جسے ۱۸۳۷ء میں رنجیت سنگھ ہی نے جموں کا راجہ بنا دیا تھا اور جس نے دوران جنگ میں دوستانہ غیر جانبداری قائم رکھی تھی اور سکھوں پر جو تادان جنگ لگایا گیا تھا اس کے خیر حصے کے ادا کرنے کا ذمہ لیا تھا)

- ۵- بڑودہ ۲۱۲۲۰۰۰ گائیگواڑ مرہٹہ ہندو
- ۶- گوالیار ۲۱۶۶۰۰۰ ہماچل (منڈویا) مرہٹہ ہندو
- ۷- اندور ۱۱۴۸۰۰۰ ہماراجہ (ہوکر) مرہٹہ ہندو

(مندرجہ بالا ریاستیں وہ ہیں جو اٹھارھویں صدی کے آغاز میں مرہٹہ روسار نے قائم کرنی تھیں گائیگواڑ سے ۱۷۶۷ء میں صلح نامہ ہوا جس کی بھی بھی غلاف وردی نہیں ہوئی، سندھیا اور ہوکر سے آخری معاہدہ تیسری جنگ مرہٹہ (۱۸۱۷ء) کے بعد ہوئی)

- ۸- اورپور ۱۳۹۳۰۰۰ ہماراجہ راجپوت ہندو
- ۹- جے پور ۲۳۲۹۰۰۰ " " " " " "

(مندرجہ بالا دور ریاستیں راجپوتانہ کی قدیم ترین ریاستیں ہیں جن کی تاریخ ساتویں اور باہویں صدی عیسوی سے علی الترتیب شروع ہوتی ہے، ۱۸۱۷ء میں راجپوت ریاستوں کو دوستانہ صلح ناموں کے ذریعے سے برطانوی حمایت میں لے لیا گیا،)

- ۱۰- بھوپال ۶۹۱۰۰۰ افغان بنگم
- (ریاست بھوپال جو اسلامی ریاستوں میں حیدرآباد کے بعد اہمیت رکھتی ہے ۱۷۶۳ء میں اورنگزیب کے ایک افغان افسر نواب دوست محمد خان نے قائم کی ۱۸۱۷ء میں انگریزوں سے مستقل دوستانہ صلح نامہ ہوا، ۱۸۱۷ء سے اس تخت پر نوابین ہی حکم الیں اور موجودہ حکم متا ہندوستان کی واحد حکمراں طاقتوں میں،)

ہندوستان کے اس لفظی سیاسی نقشے کو مکمل کرنے کے لئے، ان علاقوں کا جواب مناسبتاً برٹش گائیوں اور فرانسیزیوں کے قبضوں میں ہیں مذکورہ لازمی ہے

اور سنگالی صوبہ گوا کی تاریخ (جس کی آبادی تقریباً ۱ لاکھ ہے) سب سے پہلے میں ایوٹرق
 کی تیسری گوا سے شروع ہوتی ہے۔ پونڈیچری کی اہم ترین فرانسیسی نوآبادی
 (جس کی آبادی ۱۲ لاکھ سے زیادہ ہے) ابتداءً ۱۷۶۲ء میں قائم کی گئی تھی۔

(۳)

الغرض ہندوستان میں برطانوی صوبے اور دیسی ریاستیں دونوں دوش بدوش ہیں، اور امور متذکرہ بالا یہ دکھانے کے لئے کافی ہیں کہ اگر طرح یہ سیاسی تقسیم تاریخ کے بنائے ہوئے رہتے، یعنی جیسے پہلے تنظیمی ضروریات کی بنا پر مختلف مواقع پر ترتیم ہوتی رہی، اسب ہم کو ان بعض اصولی تقسیموں کی طرف جو سیاسیات ہند میں پورے طور سے داخل ہو گئی ہیں، متوجہ ہونا چاہئے اور یہ: ہ تقسیمیں ہیں جو قومیت، زبان، مذہب و ملت پر مبنی ہیں؟

ہم زبان سے شروع کرتے ہیں کہ قومیت کے لئے یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، شمالی وسط ہند اور چند مستثنیات کے سوا مغربی دکن میں وہ زبانیں بولی جاتی ہیں جو ان دیسی زبانوں سے نکلی ہیں جو سنسکرت سے جو قدیم ہندو آریائی زبان ہے، بہت مشابہ ہیں۔ یہ سنسکرتی زبانیں، تین مجموعوں میں تقسیم نظر آتی ہیں یعنی بیرونی اندرونی اور درمیانی مجموعہ کی زبان اردو ہندی ہے، جو وسط ہند میں بولی جاتی ہے اور تقریباً تمام آبادی کا ایک ثلث اس کی مختلف بولیوں میں گفتگو کرتا ہے، شمال میں اردو ہندی سے قریب تر پنجابی ہے، یہ ہندوستان کی پانچ فی صدی آبادی کی دیان ہے اور مغرب میں راجھستانی، گجراتی اور شہزبہائی میں بولی جاتی ہے، یہ دونوں کم و بیش ایک دوسرے سے مدغم ہو جاتی ہیں اور ہندوستان کی ۱۵ فی صدی آبادی انہی میں بات چیت کرتی ہے، یہ تینوں زبانوں سے درمیانی مجموعہ بن جاتا ہے، بیرونی مجموعے میں جو زبانیں شامل ہیں وہ یہ ہیں، امرتھی جس کی ایک ممتاز خصوصیت ہے۔ مغربی دکن پر غالب، اور ۶ فی صدی آبادی کی زبان ہے، مشرق میں بنگالی (جسے ۱۵ فی صدی لوگ بولتے ہیں)، اور اڑیسہ کی زبان اڑیا (جسے تین فی صدی لوگ بولتے ہیں) اور شمالی مغرب کی دو مشہرک و مشابہ زبانیں سندھی اور ہندرا (مغربی پنجابی) جس میں سے موخر الذکر پنجابی میں مدغم ہو جاتی ہے اور جو دونوں تقریباً ۳ فی صدی لوگوں کی زبانیں ہیں؟

سے جو تناسب دیا گیا ہے وہ ۱۹۱۱ء کی پورٹلہ دم شماری سے ماخوذ ہے، ۱۹۱۱ء کے مفصل اعداد بھی ایک دستیاب نہیں ہو سکے (امتزم)

خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں یہ زبانیں آریہ تارکان وطن کی دو مختلف یکے بعد دیگرے آمدوں کے ساتھ آئیں جن کا زمانہ متعدد صدیوں پر حاوی ہے، اور جن میں بعد کے آنے والوں نے وسطی ہند اور گجرات پر قبضہ کرتے ہوئے ابتدائی ہماچروں کو ادھر ادھر منتشر کر دیا، خواہ یہ تاریخی توہین صحیح ہو یا نہ ہو، یہ جغرافی حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ اردو ہندی اپنی مختلف صورتوں اور اپنے سے بہت زیادہ مشابہ زبانوں یعنی پنجابی راجستھانی اور گجراتی کے ساتھ ساتھ ایک پیردنی زبان کے حلقے میں جو سندھی، امہٹی اور پنجابی زبانوں پر مشتمل ہے اور جس سے اڑیا اور آسامی دونوں زبانیں متعلق ہیں بہت واضح طور سے گھری ہوئی ہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

اب صرف ہندو یورپی زبانوں کی تقسیم رہ گئی جنہیں تقریباً تمام آبادی کا حصہ بولتا ہے ان میں ایک یاد سنسکرتی زبانیں ہیں جو ہمالیہ کے نشیبی علاقے کی زبانیں ہیں بولی جاتی ہیں ان میں ایک تو کشمیری ہے جو ہندو آریہ زبان ہونے کے باوجود سنسکرت سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اسی نوع کی دو آریہ زبانیں یعنی (بلوچی و پشتو) شمالی اور مغربی سرحد میں بولی جاتی ہیں۔

اگر معمولی طور سے ہم تمثیلاً بتانا چاہیں تو شاید ہم ہندوستان کی سنسکرت زبانوں کا یورپ کی ہونو لاطینی یا ڈومانی زبانوں سے موازنہ کر سکتے ہیں جو اگرچہ ایک ہی مشترک منبع سے نکلی ہیں، تاہم ہسپانوی اور رومانوی زبانوں کی طرح بعض ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بعض نمایاں طور سے ہسپانوی اور پرنگالی کی طرح ایک دوسرے سے قریب تر ہیں، یہ حقیقت ملحوظ خاطر تھنی چاہئے، کہ ہندی یا اس کی مغز نوع اردو ہندوستان سے ہندوستان کی عام زبان رہی ہے جس میں جنوبی ہند کا بھی ایک بڑا حصہ شامل تھا، البتہ یہ فطری ہے کہ جتنا جتنا ہم ہندو آریائی تمدن کے مرکز وسط ہند سے بڑھتے جائیں گے، ہم کو نظر آئے گا کہ اس زبان کے بولنے اور سمجھنے والے کم ہوتے جاتے ہیں، حروف، آہمی دگریر کا بھی یہی حال ہے، ہندوستان کے بیشتر حصے کے ہندو ناگری (سنسکرت) حروف استعمال کرتے ہیں، لیکن اردو فارسی حروف میں لکھی جاتی ہے، جنہیں عموماً مسلمان استعمال کرتے ہیں ناگری کا خط شکستہ کہتے ہیں بہار سے گجرات تک تمام وسط ہند میں اور ہماچنی جسے راجپوتانہ والے اور مارواڑی

ہماچل شمالی ہندوستان میں لکھتے ہیں، راجی ہے دوسرے مختلف خط جو بیشتر ناگری حروف سے ماخوذ ہیں گرمھی، پنجابی، بنگالی، اور آڑیا میں اس طرح زبان کے اختلافات کے ساتھ ہی ساتھ تحریر و خط تعلقات کے بھی اختلافات موجود ہیں۔

جب ہم جنوبی ہند کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں دوسری ہی قسموں کی زبانوں کا مجموعہ ہے جو ہمارے سامنے ایک بالکل ہی مختلف تمدن پیش کرتا ہے شاید عیار زبان اور پ کی مغربی زبانوں سے اتنی مختلف نہیں ہے، جتنی کہ جنوب کی دراوڑی زبانیں ہندوستان کی سنسکرتی زبانوں سے۔ یہ اتنی جنوب کی زبانوں کی یاد دہاؤں کا قدیم ترین نام دروڑ ہے تامل ہے اور اس سے قریب تر ساحلی زبانوں اور اڑکن کی زبانوں کے نام سے ان دونوں زبانوں کے بولنے والے ہندوستان کی آبادی کے، فی صدی اٹھارہ میں تامل علاقے سے شمال میں جنوب کی جانب اسے چھٹے میں جو ریاست پور کے بیشتر علاقے پر مشتمل ہوتا ہوا، صوبہ کے اندر تک داخل ہو گیا ہے، کٹری بولنے والے رہتے ہیں جن میں سے اکثر نرتا تک، پوریا، پوریا، پوریا کی طرف اس علاقے میں جو مداس کے وسطی و شمالی اضلاع میں وسیع ہوتا ہوا اعلیٰ و سرکار آصفیہ کے اندر چلا جاتا ہے تمل بولنے والے آباد ہیں جو بعض اوقات ایک قدیم ہندو ملک کی وجہ سے اندھڑ بھی کہلاتے ہیں تمل کی جو تامل سے الفاظ و حروف تحریر دونوں اعتبار سے بالکل مختلف ہے ۱۷ فی صدی آبادی کی زبان ہے اور کٹری اپنے الفاظ میں تو تامل ہے لیکن تحریر میں تمل کی سے مربوط ہے ۲۴ آبادی کی زبان ہے اس قسم کی کم اہم زبانوں مثلاً گونڈ اور کولو کو ملا کر دراوڑی زبانیں بولنے والے ہندوستان مجموعی آبادی کا

۴ فی صدی بن جاتے ہیں،

اب صرف تمل اور اس کو ۱۷ فی صدی آبادی جو بیشتر چھوٹا ناگپور کے اہلی باشندوں پر مشتمل ہے بولتی ہے اور تمل یعنی زبانیں رہ گئیں جن کو ۴ فی صدی آبادی جو عموماً برہمنی ہے استعمال کرتی ہے۔

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ سیاسی نقطہ خیال سے برہمن ہندوستانی حکومت کا ایک جزو ہے لیکن جزائی اور ہر دوسرے نقطہ نظر سے اس کی

حیثیت جداگانہ ہے۔ یہاں کے باشندے ایک علیحدہ قومیت یعنی ہندو یعنی ایک علیحدہ مذہب یعنی بودھ مت اور بالکل ہی مختلف تمدن کے مالک اس طرح خاص ہندوستان میں عملاً ایک بھی بدھ مذہب کا پابند موجود نہیں ہے، اور اس طرف برہما میں ذات، جو ہندو مذہب کی ممتاز خصوصیت ہے بالکل مفقود ہے!

اوپر کرنا جا چکا ہے کہ ہندوستان میں لسانی تقسیم اور قومی تقسیم کم و بیش دویش بدوش چلتے ہیں، لیکن گواس سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا کہ وہ تمام لوگ جو ایک ہی زبان بولتے ہیں، ایک ہی قوم سے بھی نسلت رکھتے ہوں تاہم ہندوستانی آبادی کی لسانی تقسیم اس کی قومی و مذہبی تقسیم سے بہت زیادہ مماثل و مشابہ ہے!

اس سطح اور مرتفع علاقے میں جو جزیرہ نمائے ہند کہلاتا ہے اور جو پہاڑوں کی غیر مسلسل چوڑی درواریوں اور جنگلوں سے گھرا ہوا ہے جو وسط ہند میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں کوہ قاف کی ایک قدیم سیاہ قام شاخ جسے دراوڑی کہتے ہیں ایک نہایت ہی بعید زمانے سے علیحدہ رہتی رہتی اہلی آتی ہے، سلسلہ ہندو حیا چل کے شمال میں ایک ہندو آریائی قوم نے وہاں کی آبادی پر اپنے خصالیں اپنی زبانوں اور اپنے تمدن کا سکہ بٹھایا ہے، ہمارے یہ تسلیم کرنے کے بعد بھی کہ (۱) آبادی کا ایک بڑا حصہ جو جسمانی ساخت میں بہت کچھ دراوڑی خصالیں رکھتا ہے، ہندو آریائی زبانیں بولتا ہے (۲) دوسرے یہ کہ ابتدا سے ہندو تاریخ ہی میں دراوڑی تمدن نے ہندو آریائی تمدن سے متاثر ہو کر بالکل ہندو جلاہت میں لیا تھا اور ہندو مذہب میں بہت سی ایسی باتیں شامل ہو گئی ہیں جو حقیقتہً دراوڑی ہیں، یہ دو نمایاں حقیقتیں اپنی جگہ پر باقی رہتی ہیں!

یہ ایک سچا پیغام ہے ہم کو چھوٹا ناگپور کے منڈا بولنے والے اصلی باشندوں کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے جو اگر چہ لسانی اور ذریعوں سے بہت مختلف ہیں لیکن جسمانی ساخت کے لحاظ سے ان سے بہت مشابہتیں اور تہ اس متاثر کو فراموش کرنا چاہئے، جو شمالی ہند کے تاریخی ہند کی شمال مغرب کی طرف سے آنے والی اعداد و جماعتوں کی جسمانی ساخت میں نمایاں طور پر سے ظاہر ہے جنہیں وہ قومیں بھی شریک ہیں جن کے ذریعے سے مذہب اسلام ہندوستان میں پھیلا

اُو ان دونوں حقیقتوں کو پیش نظر رکھ کر ہم ہندوستان کے نقشے پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں شمال بعید میں ہم کو کشمیری نظر آتے ہیں یہ مضبوط آریائی قوم کے لوگ ہیں، جن کی زبان ادبیات اور تمدن سے بالکل الگ ہے اس کے بعد ہم پنجاب (جہاں کی نمایاں نسل ہندو آریائی ہے) اور راجپوتانہ (جہاں کی اصلی راجپوت اقلیت ملک پر حکمراں ہے) پہنچتے ہیں؛ شمال مغرب میں سندھ واقع ہے جو خود اپنی مستقل تاریخ و زبان کا مالک ہے اور جس میں کشمیر کی طرح مسلمانوں کی اکثریت ہے پنجاب کے جنوب میں وہ وسیع وسطی علاقہ ہے جو اس آبادی کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے جس میں آریہ، دراوڑی اور دوسرے اصلی یا شدووں سے بہت کچھ مخلوط ہو گئے ہیں اور جہاں اردو ہندی اور اس کی مختلف بولیاں رائج ہیں بہار (قدیم مگدھ) اور اودھ (قدیم جودھیا) اپنے اپنے قومی اور تاریخی خصائص کے مالک ہیں۔ اب بنگال پہنچ کر ہم ایک ایسی آبادی سے دوچار ہوتے ہیں جسے تم جو چاہو کہو، لیکن وہ کسی دوسری آبادی سے کبھی مشابہ نہیں ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک دراوڑی قوم ہے جس کی ایک خارجی یعنی (ہندو یعنی) عنصر کے ذریعے سے گویا ترمیم کی گئی ہے۔ لیکن ہمارے موجودہ مقصد کے لئے یہ کہہ لینا کافی ہے کہ بنگالی ہندوستان کی مسلمہ بہترین قوموں میں سے ہے بالکل اسی طرح اپنی نسلی خصائص میں ممتاز اور قومی ردایات میں مختلف مغربی ہند کی ہمہ بہتہ قوم ہے اس قوم کے متعلق بھی یہ خیال ہے کہ یہ بھی دراوڑی ہیں جس میں خارجی عناصر مل گئے ہیں یہ عنصر ایک نظریے کے لحاظ سے ایسیٹی یعنی مغربی اور دوسرے نظریے کے لحاظ سے الیٹن ہے ایک اور مغربی قوم جو اپنی ادبیات اور تاریخ کے لئے حجاز و شہور ہے بحرانی ہے خاتمہ پر جنوب، اور جنوب مشرق میں خاص دراوڑیوں میں ایک طرف تو کھنڑی اور تامل ہیں جن کی اپنی مستقل خصائص ادبیات اور تاریخ ہے اور دوسری اندھرا (یعنی تلنگی) بونے والے) اور اڑیسہ ہیں جو کچھ زمانے سے حکومت ہند پر یہ دباؤ ڈال رہے ہیں کہ ان کو مستقل قومی جماعتیں تسلیم کر لیا جائے اور اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ موجودہ سیاسی حدود کی اس طرح نظر ثانی کی جائے کہ ان میں سے ہر ایک کو تختانی صوبے کی قسم کا ایک علیحدہ نظام مل جائے جو قومی خصائص پر مبنی ہو گا۔

اس ایک نقطہ نگاہ سے تو ہندوستان ایک ایسا ملک ایک چھوٹا سا براعظم ہے، جو زبانوں، روایتوں، اور نسلوں کے اعتبار سے متعدد نمایاں قوموں پر مشتمل ہے۔ دوسرے نقطہ خیال سے کوئی چیز بھی اتنی آسانی سے نہیں دکھائی جاسکتی جتنا کہ ہندوستان کی لازمی وحدت کا مسئلہ ہے، اس سے ایک مشترک قومیت مراد نہیں ہے بلکہ وہ مشترک تعلق ہے جو مشترک روحانی خاندان کا گویا جانشین ہے۔ کزنہما ہو، ہندو مذہب نے ہندوستان کو متحد اور ناقابل انتشار طریقے پر متحد کر دیا اور یہ وہ وحدت ہے جو قومی اور نسلی حدود کو نظر انداز کر دیتی ہے، ذات کا اصول برہمنوں کی عزت جو بلند ترین اور مذہبی ذات ہے، گائے کی حرمت ہندو مذہب میں ہندوستان کے سات دریاؤں کا تقدس، ہندوستان کے سات مقدس شہروں کی جائز یا تمام چیزیں گویا اس ملک کا عام و مشترک ورثہ ہیں۔

اس جگہ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے لوگ زبان اور نسل کی طرح مذہب کے لحاظ سے منقسم ہیں باوی النظر میں چاہئے، اکثر مسلمانوں نے ہندو معاشرت اختیار کر لی ہو، اور بعض اوقات دونوں فرقوں کے رہنماوں میں کتنا بھی ملاپ کیوں نہ ہو جائے خیالات و جذبات کا ایک اصولی اختلاف ہو جو درجہ برابر ہے، جس کا آئرشان میں السٹر کے پروفیسرٹ اور ان کے ہومونڈنگلوگروہ کے باہمی اختلاف سے موازنہ کیا جاسکتا ہے، متحدہ اور کشمیر میں مسلم اکثریت ہے، اور یہی حال بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کا ہے، پنجاب اور جکال میں مسلمانوں کی تعداد نصف ہے، صوبہ ملوں میں اگرچہ تعداد کے لحاظ سے وہ کم ہیں، تاہم تمام شمالی ہند میں تاریخی اسباب کی بنا پر بڑے بڑے شہروں میں ان کی خاص اہمیت ہے ان مسلمانوں کی مجموعی تعداد ملک کی آبادی کا چوتھ حصہ ہے۔

ملک کے اور مذاہب میں جو ہند کی سیاسی زندگی پر بڑا اثر رکھتے ہیں ایک مذہب سکھوں کا ہے جن کی تعداد پنجاب کی آبادی میں بارہویں صدی ہے سکھ ایک ایسے مذہبی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو نیم فوجی ہے۔ مذہب میں وہ ایک خدا کے قائل ہیں اور ذاتوں کی تفریق کو نہیں مانتے ہیں۔ قریب کے گزشتہ سالوں میں انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بھی خاص کوشش کی۔

کے لوگوں میں کوشش کی۔ پارسی جو دراصل ایران سے آئے ہیں آٹھویں صدی عیسوی سے مغربی ہند (گجرات) میں آباد چلے آئے ہیں۔ ان کی تعداد کم ہے لیکن وہ بہت ترقی یافتہ اور صاحب قوت جماعت ہیں۔ یہ زردشتی مذہب کے پیرو ہیں اور ان کی تعداد ایک لاکھ نفوس ہے۔ ہند میں حالیہ صنعت و تجارت کے جنمو بڑے کام ہو رہے ہیں ان میں یہ بہت ممتاز ہیں۔ رہے عیسائی تو ان کی تعداد تقریباً چالیس لاکھ یا آبادی کے سوائی صدی کے برابر ہے ان میں تقریباً ۲۰۰۰۰۰ عیسائی تھے۔ انگریزوں کا فوج بھی شامل ہے یورپ میں ہیں ایک لاکھ خلوٹا نسل میں آبادی بھی سائی میں (اینگلینڈ میں) (یورپ میں) نرسے علانیہ اپنے سیاسی عقائد میں یورپین ہیں، لیکن ہندوستانی عیسائی عموماً اپنے خیالات و نقطہ نگاہ میں قوم پرست ہیں۔

جب ہم معاشری تقسیم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہم کو نظر آتا ہے کہ ہندو معاشرت کا بنیادی اصول ذات پات ہے، اور یہ اصول تمام ہندوستان پر حاوی ہے ذاتوں اور ان کی شاخوں کی تعداد غیر محدود ہے، ان میں سے بعض تو شخص مقامی ہیں اور بعض قومی اہمیت رکھتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ صرف برہمنوں میں دو ہزار سے زیادہ ذاتیں ہیں ذات کو ایک طرف تو فریمینسری اور دوسری جانب اتحاد مزدوراں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، لیکن اس کی ممتاز صدیوں سے آج تک خصوصیت چلی آتی ہے کہ کوئی شخص بھی ایک ایسی ذات میں داخل نہیں ہو سکتا جس میں وہ پیدا نہیں ہوا ہے، اور نہ اپنی ذات یا بیچی ذات کے باہر شادی ہی کر سکتا ہے اگر ہم اس مشترک کیفیت کو جو باہمی شادی کی وجہ سے مختلف قومی و معاشری خصائص سے ملکر ایک آبادی میں پیدا ہو جاتی ہے "سنار کی کٹوری" سے تشبیہ دیں تو اسی طرح شاید ہم ذات پات کے نظام کو متعدد عناصر کے بلور سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کا ہر جز و ترکیبی قلم او کے بعد ایک مختلف شکل اختیار کر لیتا ہے، مدت دراز سے اس قسم کے قلم او کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ جہاں ایک طرف اس نے مستحکم ترین و دیرپا قسم کا معاشری اتصال

پیدا کر دیا ہے جو ہندو معاشرے کی بہترین شے ہے اور جو ہر ذات کے مختلف اجزا کو ایک ہی رشتے میں مضبوطی سے منسلک کر دیتا ہے، وہاں دوسری طرف اس نے قومی و نسلی اتصال کو بالکل ہی ناممکن بنا دیا ہے، اس عجیب معاشری بیسولے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ جمہوری اورات کی راہ ہیں کس حد تک رکاوٹ ڈالیکھا یا ان میں ترمیم کر کے گا بہت مشکل ہے، صرف بھری بھری سے یہ معلوم ہو سکتا ہے۔ ملک کے صرف ان حصوں میں جہاں خاص فرقوں کو اہمیت حاصل ہوتی ہے، ذات کا مسئلہ فوری سیاسی مشکلات پیدا کرتا ہے، مثلاً صوبہ مدراس میں برہمنوں کی اقلیت کو بہت کچھ معاشری وقار حاصل ہے اور اس فرقے کے ضرورت سے زیادہ سیاسی غلبے سے نہ صرف اچھوتوں کو بلکہ اوسط درجہ کے ہندو طبقتوں کو جو غیر برہمن ہیں بچانا ضروری سمجھا گیا ہے یہی صورت حال ایک دوسری جگہ یعنی امر پٹوں کے ملک میں بھی موجود ہے لیکن تمام غلوں پر ذاتیات سے ایک طبقے اور دوسرے طبقے کے مابین استعدا شدت کے ساتھ تضاد نہیں پایا جاتا۔ بلاشبہ معاشری حقیقت سے البتہ ذاتیات یا انفرادی جدت طرازی کو روکتی اور مزہ زوروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے باز رکھتی ہے تاہم اس وقت تک کہ سیاسی دستور کے ارتقاء کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں نسلی انقلاب بھی نہ ہو جائے اور اس میں کافی دست و پائی نہ ہو لے اس بارے میں حکم لگانا سخت غلطی ہوگی۔

یہاں اس بات کو پورے زور کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ آج بھی ہندوستان وہی ہندوستان ہے جو صدیوں سے چلا آتا ہے، یعنی وہ کسانوں کا ملک ہے۔ جس میں ہر شخص کے حصے میں تقریباً تین ایکڑ زمین پڑتی ہے، تمام آبادی کا ایک حصہ ایسے دیہاتوں میں رہتا ہے جن کی آبادی ۱۰۰ نفوس سے کم ہوتی ہے اور پچاس ایسے قصبوں میں رہتا ہے جن کی آبادی پانچ ہزار سے کم ہے اور گون کو مستثنیٰ کر کے اور جوڑا کو نکالتے ہی کا ایک جز تسلیم کر لینے کے بعد تمام ہندوستان میں صرف پندرہ ایسے شہر ہیں جن کی آبادی ڈیڑھ لاکھ یا اس سے زیادہ ہے

اور ان میں سے بھی صرف پانچ یعنی کلکتہ، بمبئی، مدراس، احمد آباد اور کانپور موجودہ اصطلاح میں بڑے صنعتی مرکز ہیں جیسا ہم دیکھ چکے ہیں، ہر ہزار نفوس میں نو سو دیہاتی، ان میں زرعی طبقوں کے علاوہ جن میں زمیندار، کاشتکار، اور مزدوروں کی بڑی تعداد شامل ہے، تھوڑی آمدنی والے مالگزار دیہاتی بیٹے، آہاجن اور مخصوص دیہاتی پیشہ ور، مو ملازم مثلاً چوکیدار، پولیس والا، لوہار، بڑھئی، اور حجام بھی شامل ہیں۔ تمام آبادی کے ہر ہزار نفوس میں سو تو شہروں کے باشندے ہوتے ہیں اور ان میں سے صرف ۱۵۰ تعلیم یافتہ انجینئرس دینے والے متوسط طبقے کے لوگ ہوتے ہیں جو تجارت اور پیشوں میں مشغول ہیں ۱۵۰ موجودہ صنعتی کلوں میں جن میں ریل اور کوئلے کی کانیں بھی شامل ہیں ملازم ہیں اور باقی ۸۰ دیسی صنعتوں اور مختلف کاموں میں مشغول ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندوستان کے سے ملک میں جس نے صنعتی حیثیت سے کوئی بھی ترقی نہ کی ہو جہاں وہ طبقہ جو تعلیم کے ساتھ کچھ فرصت بھی رکھتا ہو اس قدر کم ہو ان نظام جمہوری کے تحت جو حال میں رائج کیا گیا ہے، رہنمائی کا کام صرف دو جماعتوں کے گاندھوں پر رہیائیکا، یعنی قانون پیشہ اصحاب جو متوسط درجے کی شہری آبادی کے گویا ستون ہیں اور بڑے بڑے روسا اور زمیندار یہ زیاد رکھنا مفید ہو گا کہ ابھی بہت عرصے تک ہندوستان کے عام نمائندے اور قانون ساز انھیں دو جماعتوں سے لئے جایا کریں گے؟

۱۔ منقول از متفقہ (مائیکلوگ چمنورڈ) رپورٹ پارہ ۳۳ میر سے دئے ہوئے اعداد اور پارہ مذکورہ کے اعداد میں ظہور جو اختلاف ہے اور اس کی توضیح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جب متفقہ رپورٹ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہر ہزار میں ہندو پیشہ وروں اور ہندو سرکاری ملکی یا نجی ملازمین کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان اعداد میں شہری اور دیہاتی دو ٹولہ یک ہیں اور نیز میں نے جو اعداد دیئے ہیں وہ بھی صرف انجینئرس دینے والی آبادی پر منطبق ہوتے ہیں؟

۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو وزیر ہند مسٹر ای، ایس مائینگو نے دارالعوام میں مندرجہ ذیل اعلان کیا:۔

”حضور ملک معظم کی حکومت کی حکمت عملی جس کے ساتھ حکومت ہند کو بھی کمال اتفاق ہے یہ ہے کہ ملکی انتظامات کے ہر محکمہ میں ہندوستانوں کی بڑھائی جانے اور سماجی ادارات میں تدریجی ارتقاء کی کیفیت پیدا کی جائے تاکہ ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے ایک لازمی جز کی حیثیت سے ذمہ دارانہ حکومت تبدیل کر لیا جائے.....“

”میں اس میں صرف اس قدر اضافہ کروں گا کہ اس حکمت عملی میں مختلف مزاج ہی کے ذریعہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے برطانوی حکومت اور حکومت ہندی پر جن پر ہندوستانوں کی بہبودی و ترقی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ہر تدریجی ترقی کے وقت کیفیت کا انحصار ہوگا اور اس کا معیار وہ ان اشخاص کا ہونا چاہیے جو ان کی حق ذمہ داری ہوگی جن پر اس جدید ترقی کا دار و مدار ہوگا۔“

برطانوی سیاسیات کی یہ خصوصیت ہے کہ جس طرح آج تک یہ بتانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کی بنیاد کیا ہے اس طرح اس کے متعلق بھی کوئی ذمہ دارانہ بیان نہیں دیا گیا ہے، کہ ہندوستان میں برطانوی حکمت عملی کی غایت کیا ہے یہ بھی ایک قابل توجہ حقیقت ہے کہ مسٹر مائینگو کا اعلان جو اہتمامی احتیاط اور زمینوں کے بحث و تھیس کا نتیجہ تھا، ظاہر دارالعوام کے ایک عام رکن کے سرسری سوال کے جواب میں سرسری طور پر بیان کر دیا گیا تھا۔

حکمت عملی کا یہ اعلان برطانوی ہند کی تاریخ میں ایک عہد جدید کا آغاز کرتا ہے، جب لارڈ ہارڈی نے جو ایک بڑے لبرل ممبر اور دفتر ہند کے سب سے ذی اثر شخص تھے ۱۹۰۹ء میں اپنی مشہور اصلاحات کو پیش کیا تو حتی الامکان نہایت ہی پر زور طریقہ سے اس بات کی تردید کی کہ ان کا ذرا بھی اس بات کا ارادہ نہیں ہے کہ وہ ہندوستان میں پارلیمنٹی طریقہ کی حکومت کا ابتدائی

نظام بھی جاری کریں۔ جب لارڈ ہارڈنگ نے اپنے واسرائے ہند ہونے کے تصور کے ہی دنوں بعد سال ۱۹۱۶ء میں وزیر ہند کو لکھا کہ ان کی رائے میں ہندوستان میں برطانوی حکمت عملی کی واحد غایت یہ ہو سکتی ہے کہ :-

”تدریجاً تمام صوبوں کو حکومت خود اختیاری کے تمام حقوق دیدئے جائیں تا آنکہ ہندوستان خود مختار صوبوں کا مجموعہ بن جائے جو سب کے سب حکومت ہند کے ماتحت ہوں“

اور جب یہ بتایا گیا کہ صوبہ واری حکومت خود اختیاری کی پیشین گوئی کرنے میں وہ اس کے سوا راج کی پیشین گوئی کرتے ہیں، تو حکاموں کے مسلسل اٹھارہ کا ایک راگ چھڑ گیا۔ لیکن پھر بھی سال ۱۹۱۶ء میں پارلیمنٹ اس بات کو جس کے متعلق چند برس پیشتر برطانوی کہتے تھے کہ اگرچہ صحیح تدبیر کے منافی نہ ہو لیکن عملی سیاسیات کی سرحد سے ضرور خارج ہے سال ۱۹۱۶ء میں اپنی مسئلہ حکمت عملی قرار دیتی ہے :-

یہ نہ فرض کر لینا چاہئے کہ ابتداءء عہد ہی سے عقیل اور دور اندیش اشخاص نے برطانوی حکومت کے ماتحت ہندوستان کی سیاسی قسمت کے مسئلہ پر توجہ نہیں کی ہے۔ اس مسئلہ کی طرف نہایت جرات سے توجہ کرنے والوں میں مدراس کا گورنر (۱۸۲۰ء) اور اینگلو انڈین تاریخ کی اہم شخصیت سر تھامس مینزوتھا جس نے اپنا خیال حسب ذیل ظاہر کیا ہے :-

”ہم کو اپنے تمام انتظامات میں اس ایک بڑے سوال کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ یہاں کے لوگوں کے اخلاق پر اس کا آخری نتیجہ کیا ہوگا ان کا معیار اخلاق بلند کیا جائیگا یا پست ہو گیا، ہم صرف اس بات پر قانع ہو کے بیٹھ جائیں گے کہ حکومت ہمارے ہاتھ آجائے اور لوگوں کی ہم حفاظت کریں خواہ وہ اخلاقاً موجودہ حالت سے بھی بدتر ہو جائیں یا اس بات کی کوشش کریں

سے منرو نے ایک سرکاری مراسلت میں لکھا تھا کہ ہم ایک زمانے میں ہندوستانیوں کو اس قابل بنا دیں گے کہ وہ اپنے اور خود حکومت اور اپنی آپ حفاظت کر سکیں گے۔ منقولہ سرو ملن ٹائٹن چیرول ان انڈیا اور لڈائینڈ نیو صفحہ ۷۷

کہ ان کے معیار کو بلند کر کے ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ اپنے ملک کے انتظام میں اعلیٰ عہدوں پر کام اور ملک کی بہبودی کے لئے ترقی کی رہیں تلاش کر سکیں ۹

لیمنٹ
اگر سچ پوچھا جائے تو ۱۸۱۳ء کے قانون مشورہ کے وقت ہی سے پار نے اس بات کا سامان ہمتا کر دیا کہ یہاں کے باشندوں کا معیار اخلاق بلند کر کے ان کو ملک کے اعلیٰ عہدوں کے لائق بنایا جائے اور ہندوستان کی مالگذاری میں سے ایک لاکھ روپیہ کی منظوری اس لئے دی کہ۔
"اس رقم کو علیحدہ رکھ کر ادبیات کے احیاء و ترویج، تعلیم یافتہ ہندوستانوں کی ہمت افزائی اور برطانوی ہند کے باشندوں میں علوم کی اشاعت میں صرف کی جائے"

اور ۱۸۲۳ء کے قانون مشورہ میں مندرجہ ذیل مشہور دفعہ تھی کہ:-
"مذکورہ بالا علاقوں کا کوئی باشندہ بھی اپنے نمب، مولد، رنگ یا ان میں سے کسی ایک کی وجہ سے بھی چھٹی کی کسی جگہ ملازمت یا نوکری کے ناقابل نہیں سمجھا جائیگا"

اس کے بعد کی ممتاز نازل ہندوستان کی تعلیم پر ۱۸۳۵ء میں میکالمے کی رپورٹ جو اس وقت حکومت ہند کا قانونی رکن تھا، اور ۱۸۵۵ء میں صدر مجلس نمبرن سر چارلس وڈ کا تعلیمی مراسلہ میں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسا نظام تعلیم قائم کیا گیا، جس کے ذریعہ متوسط طبقے میں انگریزی زبان میں مغربی طرز پر تعلیم رائج کرنے کے لئے ایک ہائی اسکول اور ایک کالج اور جاہل عوام میں ملک کے ذرائع کے مطابق دیسی زبانوں میں ابتدائی تعلیم کے لئے مدارس قائم کئے گئے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاج برطانیہ کے قبضے میں رام حکومت دیدینے

۱۸۵۵ء میں جن کے ماتحت ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشوروں کی تجدید ہوتی اور جن کے ذریعہ کسی کی حالت کی بقا کے لئے جو شرائط عائد کی جاتی ہیں ان پر نظر ثانی کی جاتی ہے ۱۸۶۳ء، ۱۸۷۱ء، ۱۸۸۳ء اور ۱۸۹۳ء میں منظور ہوئے تھے۔

اور پارلیمنٹ کے بلا واسطہ اور بلا شرکت غیرے حکومت ہند کی ذمہ داریاں قبول کر لینے کے تین سال بعد ۱۸۵۷ء میں اس مجلس میں جو گورنر جنرل سے متعلق تھی اور جس میں برطانوی ہند کے لئے قانون وضع کئے جاتے تھے نصف درجن غیر سرکاری ارکان کو جن میں علی ہاشمی بھی شامل تھے داخل کر کے سب سے پہلے برطانوی ہند کے آئین میں اصول نمائندگی کی باقاعدہ عملی تصدیق کی گئی اور اسی قسم کی شرکت کا قاعدہ ان صوبہ داری مجالس میں بھی مقرر کیا گیا جو مدراس اور بمبئی کے گورنروں اور بنگال کے لفٹنٹ گورنر کے ماتحت تھیں انھیں مجالس مقننہ کا ارتقاء گویا برطانوی ہند کی نیابتی ادارات کی تاریخ کا مترادف ہے، جس طرح، ۱۸۵۷ء، ۱۸۵۸ء، ۱۸۶۳ء، اور ۱۸۵۳ء کے تدریجی قوانین منشور سے اس نظام حکومت کے جس کو برطانوی حکمرانوں نے قائم کیا تھا، قیام و استیقام کی منازل کا پتہ چلتا ہے، ٹھیک اسی طرح ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۹ء کے قوانین مجالس ہند اور سب سے آخر میں ۱۹۱۹ء کا قانون حکومت ہند اس سے زیادہ واضح طریقہ سے ہندوستان کی تدریجی سیاسی و قومی ترقی کو بتاتے ہیں۔ اس طریقے کا حال جس کے ذریعہ غیر سرکاری نمائندہ عنصر تدریجی طریقہ سے بڑھایا اور روز افزوں بنیاد عمومی پر قائم کیا گیا اور کس طرح قانون سازی کے ساتھ ملکی انتظامات بھی رفتہ رفتہ شامل ہونے لگے باقی میں ملے گا۔

ایک نمایاں قدم جسے ہم کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے موجودہ طرز کی مقامی حکومت خود اختیاری کا نظام تھا جسے ہرول عزیز لبرل و اسٹرائے لارڈ پین (۱۸۸۰ء) نے رائج کیا تمام صوبوں میں تقریباً برطانوی نمونہ پر ہر جگہ شہری دیہاتی مقامی ادارات قائم کئے گئے جنھیں مقامی مٹرکوں، ابتدائی مدرسوں، عام شفاخانوں اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کے لئے اختیارات اور روپے دے گئے۔ اس موضوع پر ایک مشہور تجویز میں جسے لارڈ پین کی حکومت نے ۱۸۸۲ء میں تالیف کیا تھا، اس نئی حکمت عملی کی حمایت کی گئی تھی اس لئے نہیں کہ اس طرح یہ امور اس وقت سے جبکہ حکومت کے تحت میں یہ کام تھے بہتر طریقہ سے انجام پائینگے (ابتداء میں تو اس قسم کی کوئی توقع قائم ہی نہیں کی جاسکتی) بلکہ

جیسا کہ بنیادیت صراحت سے ابتدا ہی میں تسلیم کر لیا گیا تھا اس لئے کہ یہ عام سیاسی تعلیم کا ذریعہ ہوگی اس موخر الذکر نقطہ ہنگامہ کے بھی، اس معجزہ کے حقیقی نتائج بہت ہی مایوس کن پیدا ہوئے ایک طرف تو ان مقامی سیاست نے توقع کے مطابق مقامی توجہ اور عام ہمدردی حاصل نہیں کی اور دوسری جانب مجالس بلدیہ اور مجالس اضلاع کو اس طرح سمجھتی ہے۔ سے بگڑا بند کر دیا گیا کہ ان کے لئے خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا نا ممکن ہو گیا بہر کیف ان مقامی مجالس کی بنیاد سے جو عام اور ایک بڑی حد تک امتحانی اصول پر تھی اصول نمائندگی پر گویا مہتمم بدیق ثابت ہو گئی۔ اگر مقامی مساوات سماجی نظام مقامی آبادی کے نمائندوں کے حوالہ کیا جاسکتا تھا تو کیا یہ مطالبہ کہ صوبوں کے انتظامات میں صوبوں کے نمائندوں کو کچھ حصہ دیا جائے غیر واجب تھا؟ اگر ہندوستانیوں کے لئے خود اپنے پر حکومت کرنا سیکھنا اچھی بات تھی خواہ اس میں ان سے غلطیاں ہی سرزد کیوں نہ ہوں، تو پھر ان کو مقامی خود مختاری ہی تک کیوں محدود کر دیا جائے؟ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حکومت کے وسیع تر حلقہ عمل میں مشکلات زیادہ ہوتی ہیں اور غلطیاں زیادہ نازک ہوتی ہیں تو بھی اس سے یہ اقرار پایا جاتا ہے کہ اس وسیع حلقہ کے لئے ذرا زیادہ صلاحیت درکار ہے، اور اگر سیاسی تعلیم ایک قسم کی صلاحیت پیدا کر سکتی ہے، تو وہ دوسری قسم کی صلاحیت کیوں نہیں پیدا کر سکتی؟ الغرض اصول نمائندگی کی اس تصدیق نے ایک نظیر قائم کر دی اور جب ۱۹۰۶ء میں مجالس مقننہ کی دوبارہ ترتیب کا مسئلہ پیش ہوا تو یہ اصول نظر انداز نہ کیا جاسکا۔

۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۰ء تک ہندوستان کی فضا سیاسی اصلاحات کی ہوا سے بھری تھی ۱۸۵۵ء کی مراسلت میں سر چارلس ڈوڈ کی اعلان کردہ حکمت عملی، ۱۸۹۰ء میں کلکتہ کانگریس اور مدراس کے جاموں کا قیام اور ۱۸۷۷ء میں غیر سرکاری و ہندوستانی عنصر کی مجالس مقننہ میں شمولیت اپنا نتیجہ دکھانے لگی۔ ہندوستانی متوسط طبقہ میں ایک ایسی نسل جس نے مغربی تعلیم پائی تھی پیدا ہو چکی تھی اس طبقے کی تعلیم اخبارات کے اجراء میں بہت معاون ثابت

ہوئی اور اس نے ذہنی انقلاب پیدا کیا، برک و برائٹ کی خطابت کے پروردہ، ماییت کے حُب و وطن کے متوالے، تاثر پذیر ماغوں نے ہندوستان کے شاندار مستقبل کا خواب دیکھنا شروع کیا اس وقت ان کا صحیفہ سیاسی گویا وسطی جہد و کٹوریا کا عقیدہ پر در لبرل اصول تھا ابتدا اگرچہ خیالات قبل از وقت و خام تھے مگر بہت جلد انھوں نے مستقل صورت اختیار کر لی۔

۱۸۸۵ء میں مسٹر اسے، او، ہیوم کی رہنمائی میں جو سابق میں ایک سرکاری جہدہ دار بریکے تھے کانگریس قائم ہوئی، اور اس جدید سیاسی مسلک کے پیروں کا مرکز بن گئی اس نے قیام کے زمانے ہی سے انڈین نیشنل کانگریس اپنے صوبہ داری و ضلعواری شاخوں جسوں اور سالانہ مرکزی اجلاسوں جن میں قراردادوں کی بھرمار ہوتی، اپنی برطانوی کھیٹی اور اپنے ہفتہ وار اخبار انڈیا کے ذریعہ حکومت برطانیہ کے ماتحت ہندوستان کی کامل خود مختاری کے لئے منظم و مسلسل تبلیغ و اشاعت کرتی رہی اس کا طریقہ کار آئینی جدوجہد تھا، جس کے ذریعہ ایک طرف تو ہندوستان میں دفتری اقتدار کم کرنے کی اور دوسری طرف انگلستان میں اصلاحات کے موافق فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی،

یہ بلکاسر سری بیان و تاریخی مواد ہے جس کے سامنے ہندوستان میں مسٹر موٹیسکیو کی زبان سے برطانوی حکمت عملی کا اعلان نظر آتا ہے، چونکہ بیان سرسری ہے اس لئے اس سے تصویر کا پس منظر کافی واضح نظر نہیں آتا ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لارڈ ہارڈنگ کے سال ۱۹۱۱ء کے زاہد از ضرورت صریح انداز سے مسئلہ خود مختاری کے اعلان پر سرکاری حلقہ کا انکار اور سال ۱۹۱۶ء میں مسٹر اسٹیکلو کی اسی اعلان کی غیر مشروط تصدیق دو مختلف جہدوں کی دو مختلف چیزیں ہیں اس ظاہری تضاد کی توضیح یہ ہے کہ ہم نے جو سرسری خاکہ کھینچا ہے اس میں گزشتہ جنگ اور اس میں ہندوستانیوں نے جو حصہ لیا اس کا نقشہ مکمل طور سے نہیں کھینچا ہے، افراد کا حافظہ خراب ہو لیکن قومی حافظہ زیر پاہوتا ہے اور جہاں ہندوستان اس کو ہمیشہ یاد رکھے گا وہاں انگلستان بھی بھی نہ بھولے گا کہ کس طرح ہندوستان نے برطانوی حکومت کے دوسرے حصوں کی طرح شہرک خطرہ کے وقت و صبح

وصاف آواز میں بلیک کہا یہ ہندوستان نے جو کچھ جنگ کے ابتدائی ایام میں کیا بچھڑے ہی ۱۹۱۵ء کے نازک تر زمانے میں بھی کر دکھایا لہذا حکومت کی جدید درخواست پر ہندوستان کے سرکاری وغیر سرکاری افراد نے مل کر اس مشترکہ کام کے لئے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دی اور ملک کے تمام تر وسائل سلطنت برطانیہ کے سامنے پیش کر دیئے۔

جنگ کے ابتدائی ایام میں ہندوستان نے جو پیش بہا خدمات انجام دی تھیں اس کا اندازہ سابق وائسرائے لارڈ پارڈننگ کی دارالامرا کی جولائی ۱۹۱۵ء والی تقریر کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگی:-

” اگست اور ستمبر کے ابتدائی ہفتے میں کہ دو ڈویژن کی ہندوستانی ہمی فوج فراہم کی گئی جہاں وہ ٹھیک وقت پر جگہ پر گھومنے کو پہنچ گئی، جو کسی دوسری طرح پر نہیں ہو سکتی تھی، اور وہیں ان کے خون نے برطانوی سلطنت سے ہندوستان کے اتحاد کو مستحکم کر دیا، جب ہندوستان میں رہنے والی فوج کا ان افوج سے جو مختلف اہموں میں سمندر پار بھی گئیں، مواد نہ کیا جاتا ہے اس وقت پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان نے فوجی حیثیت سے حکومت کو مدد دینے میں کتنی تہمتوں کی ہے، ہندوستان کی برطانوی فوج میں سے برطانوی سواروں کے (۹) چٹھوں میں سے سات (۵۲) پیادہ پلٹنوں میں سے (۲۴) اور (۵۶) شاہی توپخانے کے دستوں میں سے (۴۳) سمندر پار بھیج دیئے گئے تھے۔ اسی طرح ویسی پلٹنوں میں سے ۳۹ سواروں کے دستوں سے (۴) اور (۱۳۸) پیادہ دستوں سے (۹) سمندر پار روانہ کر دیئے گئے، جنگ شروع ہونے کے پہلوں میں ہندوستان کو ان افوج کے بدلے (۲۹) ٹریٹوریل توپخانے اور (۳) ٹریٹوریل پلٹنوں میں، یہ ایک واقعہ ہے کہ ان افوج کے آنے سے چند ہفتے پہلے ہندوستان میں برطانوی فوج صرف پندرہ ہزار رہ گئی تھی اس طرح حکومت کے عام خطرہ کے وقت خود ہندوستان کی حفاظت کو خطرہ میں ڈال دیا گیا تھا، ایسے معاملے میں فطرۃ میں تمام ذمہ داریاں لینے کو تیار تھا اور میں نے یہ تمام ذمہ داریاں پورے اتحاد کے

ساتھ لیں کیونکہ مجھے ہندوستان کے باشندوں پر اعتماد تھا اور میں نہایت فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے ان پر جو بھروسہ کیا تھا اس میں بالکل صحیح تھا۔
 لارڈ ہارڈنگ نے اپنی اس تقریر میں ان افسروں اور آدمیوں کی جو سمندر پار بھیجے گئے مجموعی تعداد دو لاکھ دس ہزار بتائی ہے اقتتام جنگ کے قبل ہی یہ تعداد دو گنی ہو چکی تھی، ہندوستان نے تمام دوران جنگ میں جتنے آدمی سمندر پار روانہ کئے ان کی تعداد ۷۵۵،۰۰۰ تھی ان میں سے ۵۵۵،۰۰۰ جنگجو تھے اور ۱۰۰،۰۰۰ غیر جنگجو اور ان میں سے اکثر وہ لوگ بھی ہیں جو مزدور دستوں میں شریک تھے۔

مختلف اقسام کے سامان جنگ کے ہیا کرنے میں ہندوستان نے بیش بہا بروقت خدمات انجام دیں اور اس کے ذرائع آمدنی کو دیکھتے ہوئے اس کی مالی امداد کا حصہ بہت زیادہ شاندار ہے۔ ہندوستان میں قبل از جنگ کے معیار کے اعتبار سے فوج کا سالانہ خرچ ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ ہے، اس مقررہ خرچ کے پورا کرنے کے ساتھ ہی ہندوستان نے نہ صرف ان ہندوستانی فوجوں کے جو سمندر پار لڑ رہی تھیں اخراجات ادا کئے، بلکہ مختلف محاذ ہائے جنگ میں لڑائی کے وقت جو کچھ خرچ ہوا اس کا بھی کفیل ہوا، یہ اس خاص رقم کے علاوہ ہے جو برطانوی خزانہ سے ادا کی گئی اور اسی خزانہ کے ذمہ ہندوستان میں مزید فوج کے داخلہ و قیام کے اخراجات بھی عائد کئے گئے۔ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی مجلس مقننہ کے غیر سرکاری ارکان کی منظوری کے بعد ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ کی جو قسط دی گئی، اس کو ملا کر ہندوستان کی مدد ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ تک پہنچتی ہے۔ ہندوستان کی اصلی مالی امداد کا تذکرہ تو ابھی باقی ہی ہے یہ ۱۹۱۵ء میں جبکہ حکومت ہند نے ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ کے قرضہ جنگ کی ذمہ داری لی، اس وقت اس رقم کا ایک بڑا حصہ ہندوستان میں قرضہ جنگ کی شکل میں وصول کیا گیا اور اب کل سود اور ذخیرہ ادائیگی جس کی تعداد ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ تک پہنچتی ہے، ہندوستان کی آمدنی سے لیا جاتا ہے۔

مختصر یہ ہیں ہندوستان کے کارنا ہائے جنگ، اور یہی وہ چیز ہے

جو نہ صرف انگلستان کو، بلکہ تمام برطانوی حکومت کو اس کا زیر بار احسان بناتا ہے۔ اگرچہ محاذ جنگ سے ہندوستان بہت دور تھا لیکن مشترکہ خطہ و مشترکہ مقصد میں حصہ لینے کی وجہ سے ہندوستان پر جو دور رس اصلاحی اغراض اور سے نظر انداز نہ کرنا چاہئے یورپی میدان ہائے جنگ میں برطانوی و ہندوستانی افواج کی رفاقت جنگ نے ان کے قومی خودداری کے احساس کو بہت بڑھا دیا۔ ان سیاسی رہنماؤں کا جو برسوں سے ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کر رہے تھے، وہ تو قہراً بہت بڑھ گیا کہ وہ اپنے مطالبہ میں سچے ہیں لیکن اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ جنگ کی وجہ سے ہندوستان کا قومی مرتبہ بلند ہو گیا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لڑائی شہنشاہی پیش قدمی کے خلاف قومی آزادی کی حمایت میں اور مطلق العنانی کے مقابلے میں عمومیت اور ان تمام خیالات کی طرف سے جو عمومیت سے متعلق ہیں لڑائی گئی تھی۔

۱۹۱۶ء میں ہندوستان کی اصلاح پسند جماعت نے جو بیان شائع کیا تھا اس کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے متعلق صورت حال کا نہایت عمدہ طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔

» اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنگ کا خاتمہ تمام تمدن دنیا کی حکومتوں کے عموماً اور برطانوی حکومت کے لہجہ العین میں خصوصاً عظیم الشان ترقی دیکھے گا اس لئے کہ برطانوی حکومت اس جنگ میں صرف جیہوٹی اور کمزور قوموں کی حفاظت کے لئے داخل ہوئی ہے اور دنیا کے بین الاقوامی تعلقات میں صرف انصاف و انسانیت کی حمایت کے لئے اپنا بے حد قیمتی خون اور خزانہ لٹا رہی ہے۔

» اس آزمائش کے وقت ہندوستان کے باشندوں نے اپنے اور حکومت کے آپس کے تمام اختلافات کو نسیا کر دیا ہے اور نہایت وفاداری و استقامت سے حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہندوستانی سپاہی

سے یادداشت جسے اصلاحات بعد از جنگ کے متعلق ہندوستانی مجلس متفقہ کے ۱۹ غیر سرکاری ارکان نے وائسرائے کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

فرانس کے میدان جنگ میں جانے کے لئے بیقرار تھے لیکن یہ اس لئے نہیں کہ وہ اس کے لئے تنخواہ پاتے ہیں بلکہ برطانوی حکومت کے (جسے ان کی خدمت کی ضرورت تھی) آزاد شہریوں کی حیثیت سے اور ہندوستان کی عام آبادی کا صرف ایک جذبہ موجزن تھا اور وہ یہ کہ انگلستان کی اس ضرورت کے وقت اس کا ساتھ دیا جائے۔ جس وقت ہندوستان برطانوی اور ملکی دونوں فوجوں سے عملاً خالی تھا ملک میں مکمل امن و امان کا راج تھا“

”ہندوستان اپنی وفاداری کے لئے کوئی صلہ نہیں چاہتا لیکن اسے یہ توقع رکھنے کا حق ہے..... کہ آئندہ اسے ماتحت نہیں سمجھا جائیگا بلکہ اسے ایک فریق اور ساتھی کی حیثیت دی جائیگی۔“

”اب جس چیز کی ضرورت ہے وہ محض اچھی حکومت اور باقاعدہ انتظام نہیں ہے، بلکہ ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو لوگوں کے لئے قابل قبول ہو اور انہیں کے سامنے ذمہ دار ہو۔“

اس جدید مرتبہ کی پہلی تصدیق جو ہندوستان نے برطانوی حکومت سے حاصل کیا اور سری سواراجی قلمروؤں کے ساتھ ایک ہی اصول پر ہندوستان کے نمائندوں کے شہنشاہی کانفرنس میں داخلے سے ہوئی۔ نوآبادیوں کی شہنشاہی کانفرنسوں میں (جن میں سے پہلی ۱۸۸۵ء میں منعقد ہوئی تھی) وزیر ہند یا دفتر حکومت ہند کا کوئی رکن کبھی کبھی شرکت کرتا تھا اور اس نے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۹ء میں دونوں مرتبہ کی کانفرنسوں کی کارروائی میں حصہ بھی لیا تھا۔ لیکن خود ہندوستان کے لئے کوئی مسئلہ جگہ کانفرنس میں نہ تھی۔ پولیس شہنشاہی موتمن جنگ میں جو ۱۹۱۹ء میں منعقد ہوئی تھی ہندوستان کے چار نمائندوں نے شرکت کی، یعنی وزیر ہند اور جیمس مٹن نے سرکاری حیثیت سے اور سر سٹینڈرنا تھ (لجڈ لارڈ) سہمانے برطانوی ہند کے غیر سرکاری رکن کی حیثیت سے اور ہمارا جے بیکانیر نے ہندوستانی ریاستوں کے نمائندہ کی حیثیت سے۔ یہ سب کے سب شہنشاہی کا بیڑہ جنگ کے بھی ارکان تھے جو ایک چھوٹی سی شہنشاہی مجلس جنگ تھی۔ دوسرے سال کی شہنشاہی موتمن جنگ اور پیرس کی صلح کانفرنس میں بھی ہندوستان کو نشست کا حق دیا گیا

اور دیگر قلمروں کی طرح ہندوستان بھی صلحنامہ و رسائی کے اور معاہدہ مجلس اقوم کے ابتدائی دستخط کنندوں میں ہے۔ انجمن اقوم کے اجلاس جمعیت میں ہندوستان کے نمائندوں نے شرکتیں کی ہیں، اور اسی طرح دانشگاہ کانفرنس میں بھی رابطہ آئریبل سرینو اس شاسٹر کی نے ہندوستان کی نمائندگی کی۔

برطانوی ہند نے جو خدمات ایام جنگ میں کیں انکے تذکرہ کے وقت ایسی حکمرانوں کے جوش و فدا داری اور ذوق شرکت عمل کو نہ بھلا دینا چاہئے، ان کی یہ خدمات مسلمہ ہیں، اور اب ایسی ریاستیں ہندوستان اور برطانوی حکومت کے سیاسی نظام حکومت میں ایک نمایاں مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ جنگ کے بعد ۱۹۱۹ء میں جو اولین شہنشاہی کانفرنس ہوئی اس میں سابقہ کانفرنسوں کی طرح ایک جگہ ایسی ریاستوں کے نمائندہ کے لئے بھی مخصوص رکھی گئی اور اس کے ساتھ ہی اس سال کے ابتدا میں ڈیلوک آف کنٹاٹ نے جو ہندوستان اگر شہنشاہ عظم کی طرف سے حکمرانوں کے مخصوص "زند رنڈل" کا افتتاح کیا تھا۔ یہ ایوان تباد الخیالات اور باہمی شورہ کی مجلس ہوگی جس کے ذریعہ ایک طرف تو تمام ایسی ریاستیں ایک دوسرے سے اور دوسری طرف حکومت ہند سے قریب تر ہوتی جائیں گی اسکے افتتاح کے موقع پر ڈیلوک آف کنٹاٹ نے جو تقریر کی تھی اس میں انھوں نے کہا تھا۔

"یور ہائمنز! میں نہایت ہی پر فطرت سے ساتھ آپ کو اس تہ کے لئے جو جماعتی حیثیت سے خود اپنے آپ نے حکومت کی وسیع تر مجال میں حاصل کیا ہے، مبارکباد دیتا ہوں۔ مجلس کا بین جنگ اور شہنشاہی کانفرنس میں آپ کی نمائندگی ہو چکی ہے، آپ ہی میں سے ایک نے ۱۹۱۹ء کی مجلس صلح میں حصہ لیا ہے اور صلحنامہ و رسائی پر ان کے دستخط ثبت ہیں اور حال ہی میں آپ ہی میں سے ایک اور نے خلیو آیں جمعیت انجمن اقوم کے اجلاس میں شرکت کی ہے"۔

۱۹۲۲ء (۱۹۱۹ء) کے ابتدا ہی میں ویسی حکمران کی فوجی طاقت کی تصدیق کے لئے ایک اسکیم پر عمل درآمد شروع ہوا ہے جس کے ذریعہ سے وہ فوجیں

جو اندرونی انتظامات کے لئے رکھی جاتی تھیں اور وہ فوجیں جو جنگی خدمات کے لئے تھیں (اور جو افواج خدمات شاہی کے نام سے موسوم تھیں) انڈین امپیریل فورسز (افواج ریاست ہائے ہند) کے نام اور افواج حکومت ہند کی ایک شاخ کی حیثیت سے متحد کر دی گئی ہیں یہ جدید صکت عملی دراصل دیسی ریاستوں کی ان فوجی خدمات کا جو انھوں نے گزشتہ ایام میں عموماً اور جنگ عظیم میں خصوصاً انجام دی ہیں گویا مخلصانہ اقبال تھا۔

گذشتہ جنگ نے جو مخصوص پس منظر پیدا کر دیا تھا، اس کو ایک حد تک پیش کرنے کے بعد مٹھ مانٹیلگو کے بیان کو اس کے اپنے رنگ میں دیکھنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ابھی جنگ سے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انگلستان و ہندوستان دونوں ملکوں کے ممبرین کو یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ ہندوستان کے سیاسی مرتبہ میں ایک نمایاں مادی انقلاب ناگزیر ہے۔ باب سوم میں نے اصلاحات کی مختلف اسکیموں پر روشنی ڈالی ہے اور اب جدید اصلاحات نے ۱۹۱۹ء کے قانون ہند کی صورت اختیار کر لی ہے برطانوی و ہندوستانی حکومت کا تجاویز اصلاحات کو اختتام جنگ تک غور و فکر کے لئے ملتوی نہ رکھنا بلکہ اس کی بجائے انھیں فوراً عملی جامہ پہنانے کا عزم کر لینا اس سے اس مسئلہ کی اہمیت اور انگلستان کی اپنی نیت کے اظہار کی مخلصانہ کوشش کی بہتر دلیل ہے۔

(۵)

آئیے اب ہم ایک مرتبہ پھر مسٹر ہانٹنگکو کے ۲۰ اگست ۱۹۱۶ء کے بیان کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی وفعات کا تجزیہ کریں تاکہ ہم کو صحیح طور سے یہ معلوم ہو جائے کہ پارلیمنٹ نے کیا کیا وعدے کئے تھے اور پھر دیکھیں کہ کس طرح پارلیمنٹ نے ان وعدوں کا ایفا کیا ہے۔

سب سے پہلے پارلیمنٹ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایسی حکمت عملی اختیار کرے گی جس سے ملک کے انتظام میں ہندوستانیوں کی شرکت بڑھتی جائیگی۔ اس کا اطلاق یہ مطلب ہوا کہ سرکاری اعلیٰ ملازمتوں میں ہندوستانیوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان اس وقت تک حکومت خود اختیاری کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک ملکی ملازمتوں کے اعلیٰ عہدہ داروں میں ہندوستانیوں کی اکثریت نہ ہو جائے بلکہ اس کے برعکس اس وقت برطانوی حکام کا غلبہ ہے۔ ایک ایسی حکمت عملی کا اختیار کرنا جس کی اصلی غایت ہندوستان کی خود مختاری ہو اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہندوستانیوں کو خدمات ملکی میں معتد بہ حصہ نہ مل جائے اس سلسلہ میں جو کارروائیاں کی گئیں ہیں ان کا مفصل تذکرہ کسی دوسری جگہ ہے۔

دوسری بات جس کا پارلیمنٹ نے وعدہ کیا تھا وہ ہندوستان میں ادارات خود اختیاری کی تدریجی ترقی تھی۔ یہ کوئی نئی حکمت عملی نہ تھی کیونکہ ۱۹۱۵ء ہی سے جب مجا س مفتنہ میں غیر سرکاری ارکان جن میں ہندوستانی بھی شامل تھے داخل کر لیے گئے قصد آیا بلا قصد اس اصول کی پیروی ہو رہی تھی بہر حال اس میں جو چیز نئی ہے اور برطانیہ کی حکمت عملی متعلق ہندوستان کو ایک جدید شکل میں پیش کرتی ہے وہ اس کا اقرار ہے کہ خود اختیاری ادارات کے ارتقا کی غایت حکومت ہند کا مقصد ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہتے کہ ہندوستان کے ملکی انتظامات میں ہندوستانی، برطانیہ کے شریک

ہی نہ ہوں گے (جو گزشتہ زمانہ میں اگرچہ الفاظ کے ذریعہ صاف ظاہر نہیں کی گئی تھی لیکن حکمت عملی رہی ہے) بلکہ خود ہی حکومت کی ہدایت نگرانی کریں گئے۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹ نے یہ بھی ذمہ لیا کہ وہ اس سلسلہ میں موثر کارروائی، جلد سے جلد شروع کرے گی اور اس طرح اس نے اس بات کا گویا وعدہ کیا کہ واقعی پالاج کا کوئی نہ کوئی جزو ہندوستان کو فوراً عطا ہونا چاہئے۔

قبل اس کے کہ ہم اس پر غور کریں کہ اس وعدہ کی اصلی ماہیت کیا تھی اس کا کس طرح ایفا کیا گیا، یہ دیکھ لینا مناسب ہے کہ کن شرائط کے تحت ہندوستان کو حکومت خود اختیاری کا منشور عطا کیا گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ شرائط نہایت نورد و فکر کے بعد لگائی گئی ہیں اور دستور کی نقطہ خیال سے ان کی اہمیت اتنی زیادہ سمجھی گئی ہے کہ ان کو قانون (اصلاحات) حکومت ہند کی تمہید میں ضبط تحریر کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلی یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ذمہ داران حکومت خود اختیاری کے حصول کی ترقی صرف تدریجی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ قسطوں کے ذریعہ دی جا سکتی ہے؛ دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کی فلاح و ترقی کی آخری ذمہ داری پارلیمنٹ پر ہے اور اس کا حق صرف پارلیمنٹ ہی کو حاصل ہے کہ وہ ہر آئندہ قسط کا موقع و مقدار مقرر کرے۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹ کا نصف ہندوستان کی سیاسی ترقی پر منحصر ہو گا اور پارلیمنٹ اپنے کام میں (قانون کے تمہیدی الفاظ میں) ان لوگوں کے تعامل و تعاون کی رہنمائی پر عمل کرے گی جن کو ان خدمات کے انجام دینے کے جدید مواقع عطا کئے گئے ہیں اور اس کا پیمانہ اس کا یہ احساس ہو گا کہ کس حد تک ان لوگوں کی دلچسپی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ آخر میں شرط یہ ہے کہ خود اختیاری برطانوی ہندوستان جس کا قانون کی تمہید میں تذکرہ کیا گیا ہے، ایک ایسا ہندوستان ہو گا جو برطانوی حکومت کا ایک لازمی جزو ہو گا کہ اس شرط کی غایت قلمروؤں کا

سلہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ۲۰ اگست کے بیان میں ظاہر کیا گیا تھا کہ حکومت برطانیہ اور حکومت ہند پر دستور ترقی کا موقع و مقدار مقرر کرینگے لیکن قانون نے اس اہم ترین فرض کو بلند ترین صاحب اختیار پارلیمنٹ کے قبضے میں دینا

ساوراج ہو گا کہ کامل آزادی۔

دارالعوام میں اپنے اس بیان کے تین مہینے بعد مسٹر مائیکلو خود ہندوستان آئے اور یہاں موسم سرما میں وزیر ہند اور وائسرائے لارڈ چمفورڈ نے اس مسئلہ کا مکمل طور سے مطالعہ کیا۔ ان کی رپورٹ جو سرکاری کاغذات میں لارڈ فورم کی مشہور برطانوی شمالی امریکہ کے مرتبہ کی ہے، مئی ۱۹۱۹ء میں مرتب ہوئی اور جولائی میں شائع ہوئی۔

اس کے بعد کے بارہ مہینے بھی اسی دستور پر ہی گزرے اور وہ میں صرف ہوسے جاڑوں کے موسم میں لارڈ ساؤتھ بروڈ کی صدارت میں دو کمیٹیاں مقرر کی گئیں، ایک کا مقصد ایک جدید حلقہ جات رائے دہندگی کے بنیادی اصول کی تلاش و ساخت تھی اور دوسری کا کام صوبوں اور مرکزی حکومت کے فرائض و حقوق کی تقسیم کے بچھڑے مسائل کا سلجھانا اور اقتدارت کا تغیر و تبدیل کرنا تھا، ایک تیسری یعنی لارڈ کزلیو کے ماتحت مقرر کی گئی جس کا مقصد انگلستان میں حکومت ہند کے متعلق مباحث کا فیصلہ تھا، یعنی برطانوی حکومت اور وزیر ہند میں یا وزیر ہند اور اس کی مجلس کے آئندہ کیا تعلقات ہوں گے اور دفتر ہند کو کس طرح دوبارہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ ٹھیک اسی وقت ہندوستانی و مقامی و مرکزی حکومتیں عملی ملکی انتظامات کے نقطہ نگاہ سے تمام تجاویز پر عملی تبصرہ کرنے میں مصروف کار تھیں۔

۲۹ مئی ۱۹۱۹ء کو مسٹر مائیکلو نے مجوزہ اصلاحات کی اسکیم دارالعوام میں پیش کی ابتدا جولائی ہی میں، اسے ایک زبردست منتخب شدہ جماعت کے حوالہ کروایا گیا جس میں دونوں ایوانوں کے نمائندے اور تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے شریک تھے اور جس کے صدر لارڈ سیلورن تھے اس مشترکہ منتخب شدہ کمیٹی کے سامنے تمام سرکاری عہدہ داروں کی رائیں پیش ہوئیں اس کے ساتھ ہی اس نے ہر خیال کے گواہوں کی شہادتیں لیں جن میں ہندوستان کی تمام اہم جماعتوں کے قائم مقاموں کی رائیں بھی تھیں اس کمیٹی کی سفارشوں کے مطابق ترمیم ہو کر اس مسودہ نے دونوں ایوانوں سے منظور ہو کر ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء

کو شاہی منظوری حاصل کرنی۔

اس سلسلہ کا بیشتر زمانہ اس قانون کے ماتحت ضروری قواعد وضع کرنے اور رائے دہندوں کے نقشے تیار کرنے میں گزر گیا، اس کام کی تکمیل کے بعد نومبر ۱۹۱۷ء میں انتخاب کا موقع ملا اور جنوری ۱۹۱۷ء میں اصلاح شدہ نظام حکومت نے عملی صورت اختیار کر لی۔ اصلاح شدہ دستور پر ہم نے باب ۱ میں تفصیل سے بحث کی ہے، یہاں صرف ایک سرسری خاکہ پیش کرنا مقصود ہے۔

بہتر ہو گا کہ ابتدا ہی میں ہم اس اصلاح شدہ نظام حکومت کے اس حصہ میں جو مستقلاً قائم رہے گا اور جو صرف عارضی طور پر ہے امتیاز کر لیں، ایسی مستقل بنیادیں بھی رکھ دینی ہیں جن پر پارلیمنٹی حکومت خود اختیاری کی مکمل عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے دفاعی حکومت کا نمونہ پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس کا بنیادی اصول صوبوں کے اندرونی معاملات میں ان کی مکمل آزادی ہے۔ اصلاحی قانون کی تہید میں اس قسم کی بنیاد کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے، اس کی آخری دفعہ یہ ہے :-

”ہندوستان کے صوبوں کے ادارات خود اختیاری کی تدریجی ترقی کے ساتھ ہی

ساتھ یہ ضرور ہے کہ ان صوبوں کو حکومت ہند کی طرف سے اتہاد چرکی آزادی

دی جائے اور یہ مؤخر الذکر کی اپنی ذمہ داریوں کی صحیح ادائیگی کے اصول کے موافق ہو گا۔“

پس اولیں اصلاح اور وہ اصلاح جس پر دوسری اصلاحوں کی بنیاد ہے، مرکزی اور صوبہ داری حکومتوں کے مناسب اور مالیات کی تقسیم ہے۔ اس تقسیم سے ۱۹۱۷ء کی اختیار کردہ حکمت عملی کے خاتمہ کا اعلان ہوتا ہے، باد حکمت عملی یہ تھی کہ ہندوستان تمام نظام حکومت و مالیات کو مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا جائے، گو محلاً اس اصول میں بہت کچھ ترمیم کر دی گئی۔

اصلاح شدہ نظام حکومت کا ایک اصول وہ نظام۔ اسے وہی نہیں کہ جدید انتخابی مجالس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس میں تین سرکاری مجالس زیر بحث ہیں یعنی صوبہ کی مجالس مقننہ، جمعیت مقننہ (یعنی تمام ہند کے جماعت مقننہ کا ایوان زیریں) اور مجلس مملکت (یعنی تمام ہند کی جماعت مقننہ کا ایوان بالائی)۔ ان مجالس میں سے ہر ایک بلا واسطہ انتخاب کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس لئے کہ ۱۹۰۹ء میں جو بالواسطہ

انتخاب کا طریقہ رائج کیا گیا تھا وہ مفید و توشیح بخش ثابت نہیں ہوا۔ ۱۹۱۹ء کے مجالس میں نمائندوں کی اکثریت خاص خاص طبقوں کے مفاد کی حفاظت کرتی تھی، اب موجودہ مجالس میں اس قسم کے نمائندوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد ہے اور اکثریت عام طبقہ کے انتخاب کی طرف سے منتخب ہوتی ہے۔ جدید مجالس کے کل ارکان میں سے ۶۰ مجلس مملکت میں ۱۰ ارکان منتخب شدہ ہیں یا اس کے برعکس ۱۹۱۹ء کی مجالس میں (دعا و دعا کے) ارکان کی اقلیت منتخب شدہ تھی۔ یہ سے آخری بات یہ ہے کہ وہ سرکاری عہدہ دار جو ۱۹۱۹ء کے مجالس میں غالب رہتے تھے اب جدید مجالس میں تنہا کی حیثیت سے بہت ہی معمولی اقلیت کے مالک رہ گئے ہیں۔ مختصر آ جدید مجالس اگرچہ پورے طور سے نہیں لیکن پھر بھی بڑی حد تک نمائندہ قسم کی پارلیمینٹری مجالس ہو گئی ہیں۔

ہر صوبہ میں تین مختلف مجالس کے اعتبار سے رائے دینے والوں کی تین قسمیں ہیں ہر طبقہ رائے دہی کا معیار حقوق مالکانہ پر مبنی ہے، اس میں سب سے ادنیٰ قسم کا معیار وہ ہے جو صوبہ کی مجالس مقننہ کے لئے ہے، اس کو اس حد تک عام کر دیا گیا ہے کہ بہتر قسم کی کسان جماعت اور شہر کے معزز اور وسط طبقہ کے لوگ شریک ہو سکیں، لیکن، اس کے ساتھ ہی یہ لحاظ بھی رکھا گیا ہے کہ یہ اس قدر عام نہ ہو جائے کہ رجسٹرڈ بے کار ناموں سے پر ہو جائیں اور یہ عمارت اس ابتدائی بوجھ سے بٹھ جائے مجموعی حیثیت سے ۱۹۰۷ء، ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۱ء کے لئے کاحق حاصل ہوا ہے۔ اور یہ تعداد ملک کی مادی ترقی کے ساتھ خود بخود بڑھتی گئی۔ کل اس آبادی (۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰) میں ۲۳،۰۰۰ رجسٹرڈ نفوس کا جو اصلاحات سے متاثر ہوئی ہے ۲۵ فیصد یعنی عاقل و بالغ مردوں کے تقریباً دس فیصدی کو رائے دینے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ تعلیم کی کوئی شرط نہیں ہے اور جاہل رائے دہندوں کی نسبت کے لئے مختلف رنگ کے صندوق اور اسی قسم کی دوسری ترکیبیں کی جاتی ہیں۔

۱۹۱۹ء میں صوبوں کی مجالس مقننہ کے لئے یا جمعیت مقننہ کے لئے رائے دینے والوں کی مجموعی تعداد ۱۹،۸۷۴ ہے اور مجلس مملکت کے لئے ۱۴،۳۶۴۔

اگرچہ ہندوستانی گمان، اکثر جاہل اور سادہ لوح ہوتا ہے، لیکن اپنے مادی فائدہ کے موقع پر بڑا ہی چالاک ہے اور انشا اللہ بہت جلد جب وہ امیدوار کا جس پر وہ بھروسہ کر سکتا ہے اور جو اس کے نزدیک ایمانداری سے صوبہ کی مجلس میں اس کے مفاد کی حفاظت کرے گا اس امیدوار سے جسے صرف اپنا ہی مفاد نظر سے اتنی باز کرنا سیکھ لے گا اور اسے صحیح طور پر اپنی رائے کا استعمال کرنا آجائے گا، لوگسنانوں کی سیاسی تعلیم خوب تر تھی اور نیا تہی ادارات مضبوط و مستحکم ہو جائیں گے۔ رائے دہندوں کی دوسری جماعت وہ ہے جو مرکزی جمعیت مقتنہ کے امیدواروں کے لئے رائے دے سکتی ہے، اس میں شرط اطلاق ذرا کچھ زیادہ ہے، لیکن پھر بھی اس قدر عام ہے کہ جمعیت کو نمایندگی کا رنگ دیا جاسکتا ہے۔ مجلس مملکت جو تمام ہندوستان کے واضح جماعت مقتنہ کا دوسرا یا نظر ثانی کرنے والا ایوان ہے، انشائی تجربے کی قائم مقام ہونے کے علاوہ مالدار اور بڑے زمیندار کی نیابت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اسی لئے جہاں مجلس مملکت کی رائے ہندوئی (یا امیدواری) کے لئے اطلاق کی شرط بلند ہے وہاں رائے ہندوئی کا حق ان لوگوں کو بھی حاصل ہے، جنہوں نے کوئی ممتاز قومی خدمت کی ہو مثلاً کسی مجلس مقتنہ کے رکن یا کسی مجلس بلدیہ یا مجلس ضلع کے صدر یا نائب صدر رہے ہوں خواہ ان کی شخصی حیثیت کچھ بھی ہو۔

اب اس تمام عمارت کو مجبوری حالت سے لیجئے تو اس کا ایک حصہ مستقل ہے وہ ہے جو جدید عمومی نقشہ پر بنایا گیا ہے جس کے اصول پر اصلاحی نظام حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہے، اور دوسرا حصہ مطلق العنان جماعت کے قدیم اصول کے مطابق ہے۔ یہ موخر الذکر حصہ اس عمارت کا عارضی جز ہے۔

جس طرح مرکزی اداروں کی حکومتوں کے کاموں کو بانٹ دیا گیا ہے، اسی طرح صوبوں کے محکموں کو بھی درجہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن میں سے ایک، گوشہ جات محفوظ کہتے ہیں اور دوسرے گوشہ جات مفوضہ اسی اصول پر صوبوں کی حکومت (Dyarchy) کہلاتی ہے۔

قائم ہے شعبہ جات محفوظ کو ہندوستانی وزراء کے انتظامی تحت میں دیدیا گیا ہے، جو پارلیمنٹی اصول کی بنا پر صوبہ کی مجلس متقنہ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ ان شعبوں میں مفصلہ ذیل محکمے شامل ہیں:-

۱۔ تعلیم (۲) آبکاری (۳) صفائی و حفظان صحت (۴) زراعت و صناعت کی ترقی و توسیع (۵) عمارات و شاہ راہ (۶) حکومت خود اختیاری۔

صوبہ کی حکومتوں کے ان محکموں میں فی الحال حکومت خود اختیاری رائج کی گئی ہے اور مرکزی حکومت ہند کو کوئی دستور ہی حق ان میں مداخلت کرنے کا باقی نہیں رہا اور ان محکموں کے متعلق نہ صرف حکومت ہند بلکہ خود برطانوی پارلیمنٹ کے اختیارات بھی اس سے منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ دراصل وہ عظیم تبدیلی جو اصلاحات نے پیدا کی ہے صوبہ واری حکومت کے شعبہ جات محفوظ کے سلسلہ میں برطانوی افسر ایک حاکم کی حیثیت سے گویا دست بردار ہو گیا ہے، اور اس کی جگہ پر ایک ہندوستانی وزیر کے ہاتھ میں جو ہندوستانی مجلس متقنہ کے سامنے جواب دہ ہے، اس شعبہ کی نگرانی ہے۔ جو غلطی بھی ہوگی، اس کا الزام برطانوی افسر کے سر نہ تھوپا جائیگا، بلکہ ذمہ دار ہندوستانی وزیر اور مجلس متقنہ پر اس لئے کہ اسی مجلس پر ہی وزیر کا وار و دار ہے، اور یہی کام ہوگا کہ شعبہ کی اصلاح کریں جو کچھ بھی کامیابی ہوگی اور جو کچھ بھی ترقی ہوگی اس کا سہرا ان کے ہی سر ہوگا۔

صوبہ کی اس دو عملی حکومت کے باقی نصف حصہ کے شعبہ جات محفوظ میں سے اہم ترین عدالتوں کا انتظام اور پولیس کی نگہداشت کے محکمے ہیں۔ اس کے ساتھ صوبوں میں امن و امان کے قیام کی ذمہ داری بھی اپنی پر ہے اس لئے کہ گو اس حصہ میں بھی ایک محقول ہندوستانی عنصر شامل ہے، پھر بھی اکثریت و غلبہ برطانوی افسروں ہی کا ہے اور محفوظ محکموں کے لحاظ سے صوبہ کی حکومت اب بھی حکومت ہند اور برطانوی حکومت کے ماتحت ہے، بہر کیف یہ عارضی انتظام ہے۔

سہ ملاحظہ ہو اس باب کے آخر کا حاشیہ

بلکہ اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو نظر انداز کرنا چاہئے کہ صوبہ کے گورنر کو حق حاصل ہے کہ ان معاملات میں جو اس کے نزدیک اس کی مداخلت کے طالب ہوں وہ وزراء کی رائے کو مسترد کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۹۹۔

اگر عظیم الشان ہندوستان جیسے ملک میں پارلیمنٹی طرز کی حکومت اختیار کی تیرج کی حیثیت ایک عظیم الشان دستوری تجربہ کی ہی ہو سکتی ہے، اور اگر یہ کامیاب ثابت ہوا، اگر اپنے ایام کار آموزی میں وزراء نے اپنے اندر صحیح قوت فیصلہ و اصول رہبری کو مضبوط کر لیا اور مجلس متفقہ نے اپنی ذمہ داریوں کا صحیح احساس پیدا کر لیا تو سو اراچ کی دوسری نسل کے صاف معنی شہبہ جات متفقہ کو وزیر کے حوالہ کر دینے کے ہونگے یہ عارضی تعمیر جس نے صوبہ کی حکومت کو ایک عجیب ترکیبی شکل دے رکھی ہے، بالآخر غائب ہو جائیگی اور اس کی جگہ ایک مندرجہ قسم کی حکومت ہوگی جسے صوبہ کے معاملات میں پوری آزادی ہوگی اور یہ عمارت ایسے ذرا پرستل ہوگی جو مجلس متفقہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

برطانوی پارلیمنٹ نے جس سیاسی دستور کا وعدہ کیا تھا اس کا ایک حد تک سلامتی اور کامیابی کی توقع کے ساتھ صرف اسی طرح تجویز ممکن تھا حکومت کی محدود فضا میں جس حد تک بھی حکومت خود اختیاری دی جاسکتی تھی، اس حد تک کی حکومت خود اختیاری کے دینے میں کمی کی جاتی یا اگر ایسے نازک عہد انتقال میں کوئی ایسی مراعات دیجاتی جو حکومت کے رعب کا خاتمہ کر دیتی، یا امن و امان کے بنیادی اصولوں کو جس کے بغیر کسی قسم کی کوئی سیاسی ترقی ممکن نہیں نظر انداز کر دی جاتی تو ان میں سے ہر صورت ہلک ثابت ہوتی۔

اب مختصراً صوبہ کی مجلس متفقہ کے مرتبہ و اختیارات کے متعلق بھی کچھ کہنا ہے۔ شہبہ جات مفوضہ کے سلسلہ میں جس کے ذمہ دار وزیر منتخب شدہ اراکان میں سے چنے جاتے ہیں، یہ مجلس متفقہ بالکل وہی حقوق رکھتی ہے جو ایک آزاد پارلیمنٹ کو حاصل ہیں شہبہ جات مفوضہ میں بھی جن میں مالیات و قانون سازی بھی شامل ہیں مجلس تقریباً اسی قسم کے اختیارات کا استعمال کرتی ہے، لیکن یہ مداخلت محض عارضی ہوتی ہے، اور حکومت صوبہ کے ان محکموں میں اس کے اختیارات محدود ہیں۔ شہبہ جات مفوضہ کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے گورنر کو اس بات کا حق ہے کہ اپنے خیال کے مطابق حکومت ہند اور وزیر ہند کی (جو پارلیمنٹ کا گویا نمائندہ ہے) منظوری کی شرط کے تحت مجلس متفقہ کی خواہش کو بالائے طاق کر کے رکھ سکتا ہے۔

وہ اس صورت میں کہ اگر وہ اس بات کا استناد کرے کہ وہ جو مالی یا مقننی کارروائی کرنا چاہتا ہے، وہ کسی محکمہ محفوظ کے ذمہ دار افسر کے فرائض کے انجام کی حیثیت سے ضروری ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ صوبہ کے اندرونی معاملات کے لئے کامل سواراج نہ مل جائیگا، یا دوسرے الفاظ میں جس وقت تک کہ صوبہ کی حکومت کے تمام محکمے جن میں قیام امن و امان کا بھی محکمہ شامل ہے، ان وزراء کے ماتحت جو مجلس مقننہ کے جواب دہ ہونگے نہ آجائیں گے اس وقت تک یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مجلس مقننہ کو اختیارات تامہ حاصل ہیں۔

اب مرکزی حکومت کی طرف متوجہ ہو جیسے یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ اس حکمت عملی کے ماتحت کہ ہر انتظامی شعبہ میں ہندوستانی شریک کئے جائیں گے، مجلس عاملہ یعنی حکومت ہند میں ہندوستانی عنصر بڑھا دیا گیا ہے، پھر بھی برطانوی افسروں کو غلبہ حاصل ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ فوج کے متعلق بعض ضابطوں کی حدوں، خارجی معاملات، یا دیسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات کے علاوہ جماعت مقننہ کو جس میں جمعیت مقننہ اور مجلس مملکت دونوں شامل ہیں صوبہ کی مالیات اور قانون سازی میں وہی پارلیمنٹی حقوق حاصل ہیں جو صوبوں کی مجالس مقننہ کو ہیں، تاہم اس کے اختیارات بھی اس حیثیت سے محدود ہیں کہ جس طرح صوبہ کا گورنر محفوظ محکموں کے حلقہ اپنے اختیارات استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح وائسرائے یا گورنر جنرل بھی اپنی صوابدید پر وزیر ہند اور پارلیمنٹ کی منظوری کے تحت، ایک ایسے معاملہ میں جسے وہ بہت اہم سمجھتا ہے ایک ایوان یا دونوں کی رائے کے بغیر یا اس کے خلاف عمل کر سکتا ہے اور اسی کی طرح اس کارروائی کو مستند قرار دے سکتا ہے۔

پس جہاں ہندوستان کے لئے پارلیمنٹی حکومت اختیار کی اس طرح اجمالاً بنیاد دی گئی ہے، اور اس وقت تک جماعت مقننہ کو حاصل نہیں ہوگا جب تک کہ ان باتوں کو محفوظ رکھتے ہوئے جن کا تعلق شہنشاہی مذاق سے ہے ہندوستان کی مرکزی جماعت مقننہ کو کامل اختیارات نہ مل جائیں اور جب تک حکومت ہند کی مجلس انتظامی میں تبدیلی نہ ہو جائے اور وہ ایسے وزراء پر

جو مجلس مقننہ کے سامنے جو-اب وہ ہوں، منتقل نہ ہو اس قسم کی تبدیلی میں جو مشکلات ہیں وہ بہت بڑی ہیں اور کم از کم اس وقت تک نہیں گی جب تک صوبوں کی حکومتیں کامل سواراج کے درجہ تک نہ پہنچ جائیں، کیونکہ صوبوں کی خود اختیاری حکومتوں کے قبل حکومت ہند کا ایک بڑا کام صوبوں کی حکومتوں کے ان محکموں کی محفوظ رہا ہے اور جن میں برطانوی افسروں کا غلبہ ہے، نگہداشت و ہدایت ہے اور یہی وہ منصب ہے جو مرکزی حکومت کی غیر منقسم توجہ اور غیر منقسم اختیارات کا باعث معلوم ہوتا ہے۔

حکومت ہند کی تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ ذمہ دارانہ حکومت تدریجی ترقی کی آخری منزل تک پہنچ جائیگی، اور اس وقت ہندوستان سلطنت برطانیہ کے اندر کامل سواراج حاصل کر لے گا۔

ذمہ دارانہ حکومت

ایک ایسی جماعت عالمہ کا تخیل جو منتخب شدہ جماعت مقننہ کے سامنے جواب دہ ہو جیسے برطانیہ عظمیٰ اور سواراجی قلمروؤں کی اصطلاح میں ذمہ دار حکومت کہتے ہیں، اہل امریکہ کے لئے کوئی مانوس تخیل نہیں ہے۔ ریاست ہائے متحدہ میں بھی جماعت عالمہ کو عمر میت کے اصول اور قوم کی پیش کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے لیکن یہ بالکل ہی مختلف بنیاد پر قائم ہے۔ ریاست ہائے متحدہ میں جماعت مقننہ کے سلسلہ میں ہر دو سال میں اور اعلیٰ جماعت عالمہ کے متعلق ہر چار سال میں قومی رائے ظاہر کی جاتی ہے؛ اس کے خلاف برطانیہ عظمیٰ میں دارالعوام کے انتخاب کے ذریعے سے دینی یا کج عمل پر یا پارلیمنٹ کے تشریح کرنے کی شکل میں اس سے کم وقفہ میں قومی رائے کا اظہار ہوتا ہے، اور اس کے ہی ذریعہ جماعت عالمہ یعنی وزیر اعظم و مجلس کابینہ کے رویہ کا بھی فیصلہ ہونا ہے صرف اس سیاسی جماعت، یا متحدہ سیاسی جماعتوں کے رہبر جن کی دارالعوام میں اکثریت ہو، ہندوں پر قائم ہونے کی توقع کر سکتے ہیں، اور وہ بھی اسی وقت تک ان ہندوں پر رہ سکتے ہیں جب تک

ان کو مالیات اور قانون سازی کے مسائل میں دارالعوام کی اکثریت حاصل ہو۔ اس لئے جماعت مقننہ جو اس زمانے میں قومی رائے کی مظہر ہوتی ہے، حکومت کو بنانا اور بگاڑ سکتی ہے، اور اسی مفہوم میں حکومت اس کے یعنی جماعت مقننہ کے سامنے جواب دہ ہے، یعنی پارلیمنٹ کے منتشر ہونے کی حالت میں خود قوم اس سے جواب طلب کر سکتی ہے۔

برطانوی تاج کے ماتحت نوآبادیات کی حکومت کی ایک یہ صورت ہے کہ جماعت مقننہ منتخب ہوتی ہے اور اس طرح نوآبادی کی نیابت کرتی ہے، لیکن جماعت انتظامی ایک گورنر اور ایک مجلس عاملہ پر مشتمل ہوتی ہے، اسے برطانوی حکام مقرر کرتے ہیں، اور وہ نوآبادی کی جماعت مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی، اس کو "نیابتی" حکومت کہتے ہیں، اور برطانوی نوآبادیات میں سے اکثر جن کو اب "ذمہ دارانہ" حکومت کی عہد حاصل ہے، اس منزل سے گزر چکی ہیں۔ یہ ایک بہت ہی غیر مستقل قسم کی حکومت ہے، کیونکہ اگر منتخب جماعت مقننہ اور گورنر میں اختلاف ہو جائے تو ان کے اختلافات کو طے کرنے کا کوئی دستوری ذریعہ نہیں ہے اور اگر جماعت مقننہ کو مالیات اور قانون سازی کے کل اختیارات حاصل ہوں تو وہ دستوری حکومت کو بیکار کر سکتی ہے۔ اس قسم کی دستوری تضحی کے سلجھانے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں، یا تو اسے شاہی نوآبادی کی حکومت کی طرف واپس کر دیا جائے کہ اس حالت میں جماعت مقننہ جو منتخب کی جگہ نامزد ہوتی ہے، ایسے ارکان پر مشتمل ہوتی ہے جو جماعت عاملہ کے ہمارے ہو، یا ذمہ دارانہ حکومت کی طرف بڑھا دیا جائے۔ ایسی حالت میں ایک ایسا گورنر جسے برطانوی حکومت مقرر کرتی ہے اور جسے اس قلمرو کی حکومت برخواست نہیں کر سکتی جماعت عاملہ کے برائے نام افسر اعلیٰ کی حیثیت سے فریض انجام دیتا رہتا ہے، لیکن اصلی اختیار ایک وزارت کے قبضے میں ہوتے ہیں، جسے قلمرو کی جماعت مقننہ بنا اور بگاڑ سکتی ہے۔

جزیرہ مالٹا کے حالات سے نوآبادیات کی حکومت کا ارتقا نہایت عمدہ طریقے سے سمجھ میں آسکتا ہے ۱۸۴۲ء میں مالٹا کے لئے ایک مجلس حکومت

بنائی گئی جس کے اکثر اراکان نامزد کردہ تھے "شاہی نوآبادی" کے نوع کی حکومت تھی، ۱۸۵۷ء میں اس مجلس کی از سر نو تعمیر ہوئی اور اس میں منتخب اراکان کی مقبول اکثریت شامل کی گئی۔ اس مجلس اور گورنر کے درمیان لائقانہی جھگڑوں کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ مجلس کے خیال کے مطابق گورنر کی خود-ایمانہ کارروائی پر صدائے احتجاج کے طور پر مالی مسودات کو منظور کرنے سے انکار اور رقوم کو نامنظور کر کے دستور کی حکومت کو گویا مفلوج کر دیا، چنانچہ ستمبر ۱۸۵۷ء میں اسے اسی شاہی نوآبادی کی حکومت کی طرف جو ستمبر ۱۸۵۷ء میں قائم کی گئی تھی لوٹا دیا گیا، گزشتہ سال ۱۸۵۷ء میں مانٹا کو ایک جدید سواراجی دستور ملا ہے جو اصول "دو عملی" پر موقوف ہے، اور اس کے مطابق وہ معاملات جن کا اثر شاہی مفاد پر پڑتا ہے، گورنر کے قبضے میں محفوظ ہیں، باقی تمام معاملات کو مالٹی وزراء انجام دیں گے جو ایک منتخب جماعت مقننہ کے جواب دہ ہوں گے۔

ہندوستان میں اسی قسم کے مسائل کو سلجھانا ہے ستمبر ۱۸۵۷ء کی مجالس کو بڑھانے اور ان کے اختیارات کو یہاں تک وسیع کرنے میں ان کو جماعت عاملہ پر جو بیشتر برطانوی عمال سے مرکب ہے فوقیت حاصل ہو جائے اس کے معنی یہ ہوتے کہ نیا جماعتی حکومت میں جو دستوری ایجاد پیدا ہو جاتا ہے، اس کا سامان پیدا کر دیا جائے۔ ہندوستان کو "شاہی نوآبادی حکومت" کے درجہ میں رکھنے کا تو خیال بھی ناممکن ہے، تو پھر باقی صورت جسے بالآخر اختیار کر لیا گیا ہے رہ جاتی ہے کہ خصوصاً اس حدود کے اندر رہ کر وہ تمام ذمہ دارانہ حکومت کی طرف ترقی کی جائے، اور یہ صرف "دو عملی" اصول کے اختیار کرنے سے ممکن ہے۔

۱۔ مقبول از لوکل حکومت انگلستان، جلد دوم باب ۱، پورکھل نے تمام باتوں کو مختصر اس طرح ادا کیا ہے ایک منتخب جماعت مقننہ کے ساتھ ایک دور و دراز کی حکومت کے مقرر کردہ گورنر کو شامل کرنا، اختلافات کے پیدا کرنے اور ان کو دہمی بنانے کی ایک عمدہ ترکیب ہے۔

باب (۳)

سیاسی و دستوری ترقی ۱۹۱۲ء-۱۹۴۷ء

اگرچہ ۱۹۱۲ء کے ریگولٹنگ ایکٹ سے قبل برطانیہ نے ہندوستان میں وہی حکومت قائم کی تھی جس کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان اختیارات کے ماتحت بنا ڈالی تھی جو اسے ہندوستان میں شاہی مشوروں کے ذریعے ملے تھے اور انقلاب کے بعد جن کی پارلیمنٹ نے تصدیق کی تھی یہ ایک ایسی حکومت تھی جس کا ڈھانچا ابتداءً صرف تجارتی مقصد کے لئے تیار کیا گیا تھا اور کمپنی کے ہر مخصوص مرکز میں (جنہیں پریسڈنسی کہتے تھے) ناظموں کی ایک مقامی مجلس ہوتی تھی جس کا صدر اس پریسڈنسی کا گورنر ہوتا تھا اور اس مقام کے کمپنی کے سینئر ملازم اس کے ارکان ہوتے تھے۔ یہ مقامی مجالس یا جماعتیں اگرچہ لندن کی مجلس نظاماء کے ماتحت ہوتیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے سے آزاد تھیں کمپنی کے تجارتی معاملات کے انتظام کے علاوہ یہ مجالس کمپنی کو عطا شدہ فرائمن کی اصطلاح میں عاملانہ مقننہ اور عدالتی فرائض بھی انجام دیتی تھیں۔ ۱۹۱۶ء میں ایک نیم آزاد عدالت جس کا تعلق براہ راست تاج برطانیہ سے تھا (اور بعد ازاں مدراس) میں قائم ہوئی لیکن عدالت و کمپنی کے ملازموں کے درمیان جھگڑوں کی وجہ سے یہ تجربہ کامیاب ثابت نہیں ہوا اور عدالت بند کر دی گئی تاہم ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۶ء کے درمیان میں مختلف شہروں میں

انگریزی بلدی مجلس کے نمونہ پر پریلڈ کی عدالتیں قائم کی گئیں جن کو دیوانی مقدمات کا بھی اختیار تھا، اور یہ قرار پایا کہ ان کی تجاویز کا ہر دفعہ مجلس کے گورنر یا صدر کے یہاں اور اس کے بعد پرلوی کونسل میں ہو سیکے گا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال میں جو جدید علاقہ حاصل کیا تھا اس کے انتظام کے لئے، ۱۷۷۳ء کے ریگولیشن ایکٹ کے ذریعہ سے ایک نئی قسم کی حکومت قائم کی گئی۔ برطانوی ہندوستان کا دستور جن توین پرتی ہے یہ قانون اس کی پہلی کڑی تھا۔ ۰ سب سے ناقابل انتظام اور نیم تجارتنی مجلس کی بجائے جو نئے حالات میں بنگال کے انتظام کے لئے بالکل ہی ناکافی ثابت ہوئی اس ایکٹ کے ذریعہ بنگال کے علاقے ایک گورنر جنرل اور چار ارکان کی ایک مجلس کے زیر انتظام کر دیئے گئے۔ یہ سب ارکان نامزد کردہ تھے اور یہ قرار پایا کہ ان میں سے ہر ایک پانچ پانچ سال تک اپنے اپنے عہدہ پر برسرِ اور ہے اور ان کے جانشین لندن کی مجلس اظہاء مقرر کرے اسی وقت سے ہندوستان کی مرکزی و صوبائی حکومتوں کے ارکان کا زمانہ روایتی پانچ سال رہتا ہے۔

دارن ہسٹنگز پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اس جدید حکومت کا ایک رکن تو اس کا ایک دوست تھا جو اسی کی طرح کمپنی کے یہاں شریک ملازمت تھا باقی تین براہ راست انگلستان سے آئے تھے، یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ تقریباً دو سال تک دارن ہسٹنگز مجلس کے ان تین ارکان کی مسلسل مخالفت و مزاحمت کو برداشت کرتا رہا اور یہ مخالفت اس قدر بڑھی کہ، بعض وقت یہ خوف پیدا ہو جاتا تھا کہ کہیں حکومت مفلوج نہ ہو جائے یہی چیز تھی جس نے لارڈ کارلو اس کو (یہ وہی کارلو اس ہے جس نے ۱۷۷۳ء میں وائننگٹن کے سامنے بارک ٹاؤن میں جنتی پارٹالڈئے تھے) اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اصرار کرے کہ بنگال میں دارن ہسٹنگز کی حکمت گورنر جنرل ہو کر جانے سے پہلے اس کو مجلس کی رائے کو مسترد کر دینے کا دستور ہی حق دے دیا جائے، چنانچہ ایک خاص ترمیمی قانون منظور کیا گیا، جس کے ذریعہ گورنر جنرل کو یہ حق دیا گیا کہ اگر اس کی رائے میں کوئی معاملہ کمپنی کے مفاد یا ہندوستان کے برطانوی مقبوضات کے امن و آسائش پر اثر ڈالنا ہے، تو وہ اپنے رفقا کی رائے کو مسترد کر سکتا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی شرط لگائی گئی کہ مخالف اکثریت کی رائے

بھی قبلہ ندر کی جایا کرے تاکہ صاف طور سے معلوم ہو جائے کہ ذمہ داری کس کے سر ہے ۱۹۴۷ء کے منشوری قانون کے ذریعہ مدراس و بھئی کی ماتحت پریسیڈنسیوں میں بھی یہی اصول قائم کیا گیا پٹ کے ضلع کے قانون کے ذریعہ سے ان احاطوں کو بھی بنگال کے نمونہ پر از سر نو ترتیب دیا گیا تھا تاریخ اہمیت کے لحاظ سے اس اختیار کو حقیقی معنی میں صرف ایک مرتبہ یعنی ۱۹۵۷ء میں استعمال کیا گیا جب برطانوی حکومت کے دباؤ سے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ لوٹن نے اپنے اختیارات کو کام میں لا کر انگلستان کے روٹی کے کپڑوں پر محصول درگھ کا ایک حصہ کم کر دیا اس قسم کے حق کی وجہ سے مرکزی عاملہ کا اقتدار قوی ہو جاتا ہے اسی حق کی بنا پر جو مرکزی عاملہ کو حاصل ہے، مرکزی دپاصوبہ کی حکومت کا نام گورنر جنرل (یا گورنر) بہ اجلاس مجلس عاملہ ہے نہ کہ گورنر جنرل (یا گورنر) مع مجلس عاملہ۔ ہندوستان کی اس نادر مجلسی حکومت نے جان انکوارٹلہ سے بھی داد حاصل کی ہے، وہ یہ کہ اس کی رائے میں یہ مجلس صرف اپنے ارکان کے تجربہ کارانہ فیصلہ اور توازن سے مستفید ہوتی ہے بلکہ وحدت عمل کی وجہ سے اس میں قوت اور استحکام بھی موجود ہے ۱

۱۹۵۷ء میں بنگال کی جدید حکومت کے قیام پر (ملکی اور فوجی معاملات کو نظر انداز کر کے) اکثر تجارتی معاملات ایک مجلس تجارت کے سپرد کر دیئے گئے جو اسی ضمن کے لئے بنائی گئی تھی علاوہ ان میں جن لوگوں نے ۱۹۵۷ء کا قانون بنایا تھا ان کا یقیناً یہ بھی خیال تھا کہ حکومت کو عدالت اور قانون سازی کی بعض ذمہ داریوں سے بھی سبک دوش کر دیا جائے۔ اس قانون نے بادشاہ کو یہ حق دیا کہ وہ اپنے فرمان کے ذریعہ بنگال میں ایک عدالت عالیہ قائم کرے جو ایک میر مجلس عدالت اور تین ججوں پر مشتمل ہو اور اس عدالت عالیہ کو (جو ۱۹۵۷ء میں قائم ہوئی) نہ صرف وسیع عدالتی حقوق عطا ہوئے، بلکہ قانون سازی پر بھی ایک خاص طریقے پر اختیارات دئے گئے اس قانون کے ذریعہ گورنر جنرل

اور کونسل کو بینکال کے حسن انتظام و امن کے لئے قواعد احکام و ضوابط بنانے کے اختیارات دیئے گئے لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ وہ باضابطہ عدالت عالیہ کے سامنے پیش نہ ہو جائیں اور وہ انھیں منظور کر کے شائع نہ کر دے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عدالت اور وارن ہسٹنگز اور ان کی حکومت میں بہت جلد اختلافات پیدا ہو گئے یہ تو لیٹنگ ایکٹ کا مسودہ بہت ہی مبہم اور غیر تشفی بخش تھا اور ۱۷۷۳ء کے ترمیمی اعلان قانون کے ذریعہ سے تقریباً تمام اختلافی مسائل میں گورنر جنرل کی تائید کی گئی۔ عدالتوں کی جن میں عدالت ہائے مراۃ گورنر جنرل اور ان کی کونسل کے ماتحت جملہ عدالتوں کی آزادی تسلیم کی گئی جن میں عدالت ہائے مراۃ بھی شامل ہیں اور ساتھ ہی عدالت عالیہ کے اختیارات کو بہت صریح و محدود کر دیا گیا؛ ادھر گورنر جنرل اور کونسل کو عدالت عالیہ سے رجوع کئے بغیر قوانین و ضوابط بنانے کا اختیار دے دیا گیا لیکن یہ شرط لگا دی گئی کہ اس کی ترمیم یا ناسنظوری کا بادشاہ کو کامل اختیار ہے۔

۱۷۷۳ء میں کلکتہ کی عدالت عالیہ قائم ہوئی اور اسی قسم کی عدالتیں مدراس و بمبئی میں بھی قائم کی گئیں اور یہی عدالتیں ان ہائی کورٹوں کی بنیاد تھیں جو ۱۷۷۳ء میں شاہی فرامین کے ذریعہ قائم کئے گئے انھیں عدالتوں میں اپیل کی ان مختلف عدالتوں کو بھی ملا دیا گیا جو بمبئی میں وارن ہسٹنگز کے زمانہ ہی سے برسر کار تھیں۔

بینکال کی مجلس عاملانہ پیٹ کے ۱۷۷۳ء کے قانون کے ذریعہ دوبارہ ترتیب دی گئی اس کے ارکان کی تعداد چار سے تین کر دی گئی جن میں سے ایک سپہ سالار تھا اور دو چینی کے سول سروس کے اراکین اسی طرز کی مجالس مدراس و بمبئی میں بھی بنائی گئیں، اس کے بعد سے ۱۷۷۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجدد و نشور کے قانون کی منظوری تک حکومت ہند کے دستور عاملانہ میں کوئی اہم تبدیلی نہیں ہوئی اس قانون کے ذریعہ سے گورنر جنرل کی مجلس میں ایک چوتھے رکن قانون کا اضافہ ہوا جو چینی کا ملازم نہ رہا ہو اور اس ہمدہ پر سب سے پہلے مکالمے کا تقرر ہوا۔ اسی قانون نشور میں یہ مشہور جملہ تھا کہ کوئی ہندوستانی صرف اپنے مذہب مولد فاندان رنگ یا ان میں سے کسی ایک سبب سے چینی کے کسی ہمدہ ۰

نوکر کی یا ملازمت کے برتاؤ قابل نہ سمجھا جائیگا۔

تاہم ۱۸۳۱ء کے مشوری قانون کی ماہ الامتیاز خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ سے حکومت ہند میں ایک مرکزی صورت پیدا ہو گئی اور اگرچہ اب یہ نظام حکومت رفتہ رفتہ بدل گیا ہے لیکن اس کا اثر اسی وقت سے برابر محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس وقت تک بمنگال کا گورنر جنرل باقی دو چھوٹے صوبوں پر جو اختیارات استعمال کرتا تھا وہ کچھ زیادہ نہ تھے۔ اور جو شرائط کے قانون ہند کے (انفارمیشن) صورت ایسے تمام امور کے متعلق تھے، جن کا تعلق دیسی حکومتوں معاملات صلح و جنگ، یا ایام جنگ میں ان پریسڈنسیوں کی آمدنی یا فوج کے استعمال سے تھا، اب اس اصول میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ مالی نظام نے کمال طور پر مرکزی صورت اختیار کر لی تھی اور لارڈ ڈیمپو کی حکومت کی ۱۸۵۷ء والی اصلاحات تک صوبہ کی حکومتوں کو تھوڑے بہت آزاد ذرائع آمدنی بھی نصیب ہنر ہوئے۔ پھر اس اور پہلی حکومتوں سے قانون سازی کے اختیار لے لئے گئے اور ۱۸۵۷ء تک ان کو واپس نہیں دیا گیا۔ ابتداء یہ خیال کیا گیا تھا کہ ماتحت صوبوں کی کونسلوں ہی کو ایک قلم موقوف کر دیا جائے وہ قائم تو ہیں، لیکن چونکہ ۱۸۳۱ء والے قانون کے ذریعہ سے تعداد ارکان کی تخفیف کا اختیار حاصل ہو چکا تھا اس لئے ان کی تعداد تین کی جگہ دو کر دی گئی اب بمنگال کے گورنر جنرل کا لقب گورنر جنرل ہند ہو گیا اور اس کی حکومت پہلی مرتبہ حکومت ہند کے نام سے موسوم ہوئی۔

قانون سازی کے اختیارات کا تمام مرکزی صورت کے ہاتھوں دے دینے کی اور اس طرح تمام برطانوی ہندوستان کے لئے ایک ہی قانون بنانے کی اصلی قایت، وہ خوف تھا جو ہر قسم کے یورپین اشخاص یعنی تاجروں، مذہب مبلغوں اور کارکنکاروں کو آزادانہ ہندوستان میں آئی حکمت عملی کے نتیجہ کی طرف سے اس وقت سے ۱۸۳۱ء سے جب کچھ کی غیر حکمت میں تجارت کرنیکی مراعات منسوخ کی گئیں تھیں۔ اس تخفیف یورپین اصحاب کا داخلہ صرف اجاروں کے ذریعے سے ممکن تھا اور ہا تھا ۱۸۳۳ء میں

کچھنی کے تمام تجارتی معاملات سے دست کشی کے باعث ذرا زیادہ آزادی دیدی گئی تھی چنانچہ یہ خطرہ بہت بری طرح محسوس کیا جا رہا تھا، کہ حکومت کی نگرانی سے آزادی یورڈینوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی اسی وقت تک باعث فساد ہوگی جب تک ایک مضبوط مرکزی حکومت ان کی پوری تہمتداشت نہ کرے، ان کو نہ روکے اور ہر قسم کے قانون سازی کے ضروری اختیارات سے مسلح نہ ہوئے۔

مجلس گورنر جنرل میں ایک رکن قانونی کے اضافہ میں ہم کو قانون سازی کے اعراض کے لئے مجلس کی تدریجی وسعت کی ابتدا نظر آتی ہے۔ ۱۸۵۲ء تک رکن قانونی کو مجلس کے علاوہ اجلاس کی شرکت حاصل نہیں ہوئی نہ اسے اس میں رائے دینے کا حق ملا اس لئے کہ اس سے پیشتر اس کی حیثیت صرف قانون سازی کے کاموں کے لئے ایک رکن ڈائڈ کی تھی ۱۸۵۲ء میں گورنر جنرل "با اجلاس کونسل" کے اختیارات قانون سازی کی صاف طور سے تشریح کر دی گئی اور ۱۸۳۳ء کے مشوری قانون کے ماتحت جو قوانین بنائے گئے وہ پہلی مرتبہ "ضوابط" کی جگہ "قوانین" کے الفاظ سے یاد کئے گئے۔

ہندوستان کی اولیں مجلس مقننہ ۱۸۵۲ء کے مشوری قانون کے ذریعہ گورنر جنرل کی مجلس کو قانون سازی کے امور کے لئے وسعت دے کر قائم کی گئی گورنر جنرل اور اس کی مجلس علاوہ یعنی سپہ سالار اور چار ارکان عام کے علاوہ مندرجہ ذیل "زاید" ارکان کا صرف قانون سازی کے لئے اضافہ کیا گیا:-

بنگال کا چیف جسٹس

بنگال کی عدالت عالیہ کا ایک جج

چار ایسے اشخاص جو حکومت کے ملازم رہ چکے ہوں، بنگال، مدراس، ممبئی اور صوبہ مغربی و شمالی کے نامزدوں کی حیثیت سے ان کا فرض یہ تھا کہ گورنر جنرل اور ان کی کونسل کو ان کے علاوہ حیثیت سے معلومات ہم پہنچایا کریں،

مجلس مقننہ کے اجلاس عام ہوتے اور ان کی کارروائیاں شائع کی جاتیں حقیقتہً یہ مجلس ایک جھوٹی سی پارلیمنٹ کی طرح کام کرتی تھی قوانین پر حق امتناع دیا گیا

لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ اس طرح سے جو مجلس مقننہ ترتیب دی گئی تھی وہ تمام سرکاری حکام سے مرکب تھی اور کسی ہندوستانی کو اس میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی یا راجینی مجلس ”نگراں“ کے صدر سر چارلس وڈ نے اس عجیب و گوارالووام میں پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”ہندوستانیوں کو مجالس میں شریک کرنا مناسب نہ ہو گا۔“ غرض کہ بعد بالکل ہی خیالات پلٹ گئے اور حکومت کے بادشاہ کے ہاتھوں آجانے کے تین سال بعد جب ۱۸۵۷ء میں مجلس مقننہ کی از سر نو ترتیب ہوئی تو نیز سرکاری انتخاب کو متعدد نشستیں دی گئیں جن میں ہندوستانی بھی تھے لارڈ کیننگ جرن کے ہاتھوں میں غدر کے ایام ظلمت میں ہندوستان کی زمام حکومت تھی، اور جو صرف اس وجہ سے کہ وہ اس اسویر ناک واقعو سے تلخی کی جگہ اصلاح و امن کے ثمرات حاصل کرنا چاہتے تھے، تو ایسا ”سجمل کیننگ“ کے لقب سے موسوم کئے جاتے تھے، ہندوستان میں برطانوی حکمت عملی کی اس تہیہ ریزی کے لئے سختی دادیں چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ برطانوی ہندوستان میں نیا ہی ادارات کا بیج انھیں کے ہاتھوں بویا گیا۔

۱۸۵۷ء کے قانون مجالس ہند نے گورنر جنرل کی کونسل کے ”زاید“ یا قانون ساز ارکان کی تعداد نصف اعف کر دی، اور ان میں سے نصف غیر سرکاری رکھے گئے۔ اسی قانون نے مدراس و بمبئی کو بھی قانون سازی کے اختیار دئے اور ان جگہوں میں بھی اسی طرز کی مجالس مقننہ قائم کی گئیں گورنر جنرل کو ہنگام کے لئے ایک مجلس مقننہ کے قیام کی ہدایت کی گئی اور بعد ازاں ۱۸۵۷ء میں صوبہ شمال و مغربی اور ۱۸۵۷ء میں پنجاب میں اس قسم کی مجالس قائم ہوئیں۔ مقسامی مجالس مقننہ کے قوانین کے لئے جہاں گورنر یا کونسل گورنر کی منظوری کی ضرورت تھی وہیں گورنر جنرل کی منظوری بھی لازمی تھی اور اس قسم کے تمام قوانین اور ان قوانین کو جو گورنر جنرل کی کونسل میں منظور ہوئے ہوں ”وزیر ہند یا ہ اجلاس کونسل“ کی درخواست پر بادشاہ نامنظور کر سکتا تھا اس اہم شرط کے ساتھ کہ بعض مخصوص مسودے مقامی و مرکزی مجالس میں گورنر جنرل کی اجازت لینے کے بعد ہی پیش کئے جاسکتے ہیں مجالس مقننہ کو ہر ممکن آزادی دی گئی تھی چنانچہ

مقامی و مرکزی مجالس ایک دوسرے کے متوازی اپنے فرانس
 انجم دے سکتی تھیں۔ ان مجالس کا کام صرف قانون سازی ہی تک
 منتہی سے محدود تھا۔ ۱۸۵۷ء کے قانون کے ذریعہ جو اولین مجلس مقننہ ہند قائم ہوئی تھی
 ”اس نے اپنے کو پارلیمنٹ کے نمونہ پر بنا لیا تھا، اور حکومت عاملہ کے کاموں کے
 متعلق سوال اور ان کے جواب و مناسبت پر بحث کر کے اس عہد کے خیال کے
 مطابق تکلیف دہ حد تک کی آزادی کا ثبوت دیا تھا ایسا وزیر ہند سر چارلس ڈوڈ
 نے دارالعوام میں ۱۸۶۱ء کی تجاویز پیش کرتے ہوئے دوران تقریر میں اعلان
 کیا تھا کہ حکومت ہرگز ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی جس سے کو نسل ایک مجلس
 مباحثہ بن جائے“

۱۸۶۱ء کے قانون کے ذریعہ گورنر جنرل کو فوری ضرورت کے لئے
 یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ایسے وقتی ضوابط بنا سکتا ہے جو چھ مہینے سے زیادہ
 عرصہ تک نافذ نہ رہ سکیں گے۔ ۱۸۶۱ء کے قانون کے ذریعہ گورنر جنرل کو نسل
 کو یہ حق دیا گیا کہ وزیر ہند ”باجلاس کونسل“ ان علاقوں کے لئے قواعد منضبط
 کر سکتا ہے جن کی فہرست بطور ضمیمہ کے دی ہوئی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ
 اس کا مسودہ متعلقہ مقامی حکومت نے تیار کیا ہو یہ قوانین ۱۸۶۱ء کے قانون
 کے ضمیمے کہے جاسکتے ہیں۔“

۱۸۶۲ء کا قانون ہند اہم تبدیلیوں کے ظہور کا باعث ہوا۔ اس
 کے بموجب گورنر جنرل کی مجلس مقننہ مندرجہ ذیل طریقہ سے مرتب کی گئی۔

گورنر جنرل

مجلس عاملانہ کے ۶ (یا ۷) ارکان

۶ نامزد شدہ زائد سرکاری ارکان مع بنگال لٹرنٹ گورنر کے باعتبار عہدہ

۶ نامزد شدہ زائد غیر سرکاری ارکان

۵ غیر سرکاری زائد ارکان جن کی نامزدگی کے لئے سفارش کی جاتی

ان میں سے چار ارکان میں سے ایک سے ایک کو چاروں مقامی مجالس مقننہ کے غیر سرکاری ارکان منتخب کرتے اور ایک کو ایوان تجارت کی مجلس منتخب کرتا۔ مجالس میں غیر سرکاری عنصر بڑھایا ہی نہیں گیا، بلکہ بالواسطہ طرز سے ڈرتے ڈرتے اس کو انتخابی بنیاد پر قائم کر دیا گیا۔ اس قانون کے ذریعے سے مجالس کے حقوق بھی وسیع ہو گئے اور صرف قانون سازی کے کاموں کے علاوہ موازنہ یعنی سالانہ آمد و خرچ کے بیان پر بحث کرنے اور ارکان مجالس کا اعلان سے سوالات پوچھنے کے بھی حقوق دیئے گئے۔ صوبوں کی مجالس مقننہ کی ترتیب، اور کاموں میں بھی اسی طرح کی تبدیلیاں کی گئیں۔

ان اصلاحات کو لارڈ ڈفرن نے جاری کیا تھا اور اپنے عہد و امانت کے خاتمہ کے قریب انھوں نے اپنی مجلس وزارت کی ایک زور دار کمیٹی تمام مسائل پر غور کرنے کے لئے مقرر کی لیکن قبل اس کے کہ یہ کمیٹی اصلاحات کی تجاویز پیش کرے لارڈ ڈفرن ہندوستان سے چلے گئے۔

برطانوی ہند میں نیابتی ادارات کی ایک اور منزل ۱۹۰۶ء میں طے ہوتی ہے۔ ان وسیع اصلاحات کی ترویج کا سہرا اس وقت کے وزیر ہند لارڈ کار آف لیگ برن کے سر رہتا ہے۔ یہ اس لبرل جماعت کے رکن تھے جو دسمبر ۱۹۰۶ء میں برسر حکومت ہوئے۔ قانون مجالس ہند، جسے ۲۵ مئی ۱۹۰۶ء کو شاہی منظوری حاصل ہوئی تین سال کے مباحثہ و مراسلت کا نتیجہ تھا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے ہر طبقہ اور تمام مقامی حکومتوں کے خیالات بھی معلوم کر لئے گئے تھے۔ ابتدائی خیال پیدا ہوا تھا کہ حکومتِ عالمہ اور ہندوستانی معاشرے کے ذمہ دار عنصر کو قریب تر بنانے کے لئے مرکزی و مقامی حکومتوں کے ساتھ صرف مشورہ کے لئے مجالس شرفا بڑھادی جائیں لیکن بعد میں یہ خیال ترک کر دیا گیا اور اس کے عوض موجودہ مجالس مقننہ کی دوبارہ ترتیب اور ان کے

۱۔ منقول از جوائنٹ رپورٹ مسٹر مائیکلو ولارڈ جیمفورڈ، پارہ (۶۶ تا ۶۸)

۲۔ منقول از البرٹ صفحہ ۱۰-۱۰۸

اختیارات کی وسعت کے خاکہ کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ مجالس کا انتخابی عنصر ایک بڑی حد تک بڑھا دیا گیا اور صریح الفاظ میں اس اصول کو تسلیم ہی کیا گیا۔ نومبر ۱۹۰۹ء کے قواعد کے ماتحت جو اصل قانون کی شکل میں مشائع ہوئے، مجلس مقننہ ہند (گورنر جنرل) اس طرح مرتب کی گئی :-

گورنر جنرل

مجلس عاملانہ کے ۷ ارکان

۳۷- سرکاری حکام }
 ۲۸ زیادہ ارکان کی نامزد شدہ حکام چھوٹے تھے ان میں سے
 نو صوبوں کی مقامی حکومتوں کی طرف سے نمائندگی کرتے تھے (نہرو، کھنہ
 دہلی کا چیف کمشنر، پنجاب کا لفٹننٹ گورنر، ماعترا، ہندہ، مشریک ہوتا تھا)
 ۵- نامدارکان جو غیر سرکاری نامزد شدہ اشخاص ہوتے تھے۔
 ۳۲- غیر سرکاری }
 ۲۷ نامدارکان غیر سرکاری منتخب شدہ اصحاب ہوتے۔

اس طرح ارکان کی مجموعی تعداد ۶۹ ہوئی

مجلس مقننہ ہند کے لئے جن لوگوں کو رائے دینے کا حق تھا وہ مفصلہ ذیل تھے :-
 (الف) صوبوں کی مجالس مقننہ کے غیر سرکاری ارکان سب ملا کر ۱۱۳ ارکان منتخب کرتے،

(ب) چھ صوبوں کے بڑے زمیندار اپنے اپنے صوبوں سے ایک ایک،
 (ج) چھ صوبوں کے مسلمہ حیثیت کے مسلمان اپنے اپنے صوبہ سے ایک ایک،
 (د) یورپی ایوان ہائے تجارت کلکتہ و بمبئی ایک ایک،

صوبوں کی مجالس مقننہ اس عام طرز پر دو بارہ مرتب کی گئیں اور ۱۹۱۲ء میں دو چھوٹے صوبوں یعنی آسام اور صوبجات متوسط میں بھی مجالس مقننہ قائم کی گئیں۔ ان مجالس کے ارکان کی مجموعی تعداد بڑے صوبوں میں ۴۵ سے ۵۴ تک اور چھوٹے یا کم ترقی یافتہ صوبوں میں ۲۶ سے ۴۷ تک ہوتی تھی اس خیال سے کہ ضروری سرکاری تجاویز یا سانی منظور ہو سکیں، مجلس مقننہ ہند میں عمدہ سرکاری اکثریت

۱- مجلس مقننہ ہند (جولائی ۱۹۰۹ء میں) اس مرتبہ قائم کی گئی تھی کے ارکان کی مجموعی تعداد ۶۹ تھی اور اس میں منتخب ارکان بائیس تھے

قائم رکھنے کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔ ارڈن مارے نے یہ لکھ دیا تھا کہ گورنر جنرل کی کونسل اپنے قانون سازی اور عالمانہ کاموں کے لئے اس طرح بنائی جائے کہ اس پر حضور ملک معظم کی حکومت اور شاہی پارلیمنٹ کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ہمیشہ عائد ہوتی رہیں گی ان کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوئی مزا حمت یا مداخلت نہ ہو، صوبوں کی مجالس مشقنہ کے لئے اس قسم کی حفاظت کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

برہما کے علاوہ تمام صوبوں میں غیر سرکاری ارکان جن میں ننتب و نامزد کردہ دونوں شامل تھے قلیل اکثریت میں تھے، البتہ صرف بنگال میں ان کی اکثریت تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر صوبے کی جماعت مشقنہ میں سرکاری فریق کا اتنا اثر تھا کہ وہ آسانی سے اراکین کی زیادہ تعداد کی راہیں حاصل کر سکتا تھا

مجلس مشقنہ بنگال جس کے درجہ ہم دو سرے صوبوں کی مجالس کی عام ترتیب بھی سمجھ سکتے ہیں اس طرح مرکب تھی :-

- | | |
|----------|---|
| ۲۰ تا ۲۲ | گورنر مجلس عالمانہ کے تین ارکان۔ |
| سرکاری | ۱۸-۱۶ نامزد ارکان جو نامزد شدہ سرکاری حکام ہوتے تھے۔ |
| ۲۲ تا ۲۴ | ۶-۴ نامزد ارکان جو نامزد شدہ غیر سرکاری اشخاص ہوتے تھے۔ |
| | ۲۸ نامزد غیر سرکاری ارکان جو حسب ذیل طرز سے منتخب کئے جاتے، |

- ۱۳-۱۲ بعض مقامی مجالس کے منتخب شدہ ارکان کی طرف سے،
- ۴-۵ صوبہ کے بڑے زمینداروں کی طرف سے،
- ۵- صوبہ کے معزز مسلم شرفاء کی طرف سے،
- ۴- ایوان ہائے تجارت کی طرف سے،
- ۱- جامعہ کلکتہ کی طرف سے،

کل میزان ارکان ۵۴ -

یہ بات قابل غور ہے کہ اگرچہ مرکزی و صوبہ داری مجالس میں مقبول انتخابی غصہ بڑھا دیا گیا تھا، لیکن (مسلمانوں کے سوا) عام نمائندگی کے نظام کی ترویج کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی خاص خاص مفاد کی نمائندگی کرنے والوں کے حلقہ ہائے انتخاب بنادے گئے تھے، لیکن ان کے علاوہ ہر جگہ واسطہ

انتخاب کا طریقہ رائج کیا گیا تھا یعنی مجالس بلد یہ و مجالس اضلاع کو صوبوں کی مجالس کے ارکان کا انتخاب کرنے کا حق اور مجالس صوبہ کے ارکان کو مرکزی مجلس متفقہ کے اراکین کے انتخاب کا حق دے دیا گیا۔ بوجہ بات بالا ہم یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ ۱۹۰۷ء کے اصلاحات کے بعد ہندوستان کی کونسلوں میں محض جرہوی طور پر نمائندہ عنصر شامل تھا۔

مسلمانوں کی مخصوص حیثیت کی وجہ سے بہت کچھ قابل غور و بحث مسائل پیدا ہو گئے ایک طرف تو لارڈ رڈ مار کے جداگانہ انتخاب کے اصول ہی کی تائید کے لئے آمادہ نہ تھے اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا لازمی نتیجہ ہندو مسلم دونوں فرقوں کی کشیدگی اور اختلاف ہو گا دوسری جانب جدید مجالس متفقہ میں قلیل التعداد مسلمانوں کی مناسب نمائندگی کا مسئلہ بھی اٹل تھا اور مسلم رہنما جداگانہ انتخاب پر اڑے ہوئے تھے یہ اصول تسلیم کر لیا گیا اور ہمارے نزدیک ایک ایسا فیصلہ کیا گیا جو ہندوستان کی نمائندہ مجالس کے مستقبل کے لئے نہایت ہی قابل لحاظ اور اہم تھا۔

۱۹۰۹ء کی مجالس کے کاموں کی طرف غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اختیارات مندرجہ ذیل جانب وسیع کیے گئے تھے۔ قانون ۱۹۰۹ء میں صرف سالانہ موازنہ پر بحث کرنے کی اجازت تھی لارڈ رڈ مار کے قانون نے یہ اجازت دے دی کہ اس موازنہ کی آخری ترتیب سے پہلے اس میں ترمیم بھی پیش کی جاسکتی ہیں اور ان ترمیموں پر مجلس کی رائے لینے کی بھی اجازت دی گئی ۱۹۰۷ء کے قانون کے بموجب صرف ایسے سوالات پوچھنے کی اجازت تھی جن کی باضابطہ اطلاع دی جاسکتی ہو؛ لارڈ رڈ مار کے قانون اور اس کے نتیجے تو اعد سے یہ بھی اجازت مل گئی کہ ایک رکن اپنے اصلی سوال کے سلسلہ میں ضمنی سوالات بھی کر سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اختیار ایک اہم اختیار تھا۔ سب سے بڑھکر اس قانون نے غیر سرکاری ارکان کو یہ اہم حق دیا کہ وہ مفید عام تجاویز پیش کر سکتے اور ان پر مجلس میں رائے لی جاسکتی ہیں۔ مجالس کے انتظامی کاموں کو بھی اسی طرز پر وسیع کرنے کی کوشش

نمایاں طور سے کامیاب نہیں ہوئی، اور عیدیا کہ واقعات نے ثابت کر دیا ہے
 اختیاراً۔ یہ قانون سازی کے ساتھ (جو حقیقی تھے) انتظامی اختیارات کو
 (جو بڑے نام تھے) ملانے کی کوشش ایک غلطی تھی۔ کیونکہ کوئی تجویز بھی خواہ اسے
 مجلس نے منظور ہی کیوں نہ کر لیا ہو حکومت سے سفارش کے سوا کچھ نہ تھی اگر
 حکومت نے پسند کر لیا تو اسے منظور کر لیا جاتا تھا اور اگر حکومت نے اس کی
 مخالفت کی اور رائے لینے کا مطالبہ کیا گیا تو سرکاری جماعت اپنی راپوں
 سے اسے متاثر کر سکتی تھی۔ اس سرکاری جماعت کی موجودگی ابتدا ہی سے مجلس
 کی تمام مباحث پر ایک غیر متیقن رنگ چڑھا دیتی تھی اور وہ صرف بجائے حقیقت
 نظر آتے تھے، ابتدا ہی سے حکومت و مجلس کے اختلافات بھی پیدا ہو گئے
 تھے، ایک طرف تو حکومت ان مسلسل سخت تنقیدات کے لئے جو مجلس کے
 غیر سرکاری عنصر کی جانب سے اس پر کی جاتی تھیں بے بس تھی اور دوسری جانب
 مجلس انتظام ملکی پر کوئی موثر نگرانی رکھنے کے اختیارات سے لاپرواہ تھی۔
 حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تجللی کسی کے سامنے نہیں آیا تھا کہ اصلاح
 شدہ مجالس اس قسم کے اختیارات بھی استعمال کریں گی لارڈ مارلے تو اس سلسلہ
 پر بہت سخت تھے ان کی رائے تھی کہ اگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس باب
 اصلاحات نے ہندوستان میں بلا واسطہ یا بالواسطہ پارلیمنٹ کے نظام
 حکومت کو ہندوستان میں قائم کیا ہے، تو مجھے ان اصلاحات سے کوئی بھی
 تعلق نہ ہو گا، ناہم یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ یہ اصلاح شدہ مجالس جو ملکی انتظام
 پر موثر نگرانی کرنے سے عاجز تھیں، کس طرح اپنی مشیرانہ حیثیت کو بھی قائم تھیں
 تھیں ان مجالس کے فرائض کے تجللی ہی میں اس تضاد کے نشانات موجود
 ہیں سنجیدہ، ہمیشہ تعمیری مشورہ عمومات صرف وہی اشخاص دے سکتے ہیں جو ان
 مشوروں کو ماننے اور ان پر عمل کرنے سے جو نتائج پیدا ہوں ان کے لئے
 کچھ نہ کچھ ذمہ دار ہوں، ورنہ ایک غیر ذمہ دار نافذ کا مشورہ یقیناً بالکل
 مختلف قسم کا ہو گا۔ ایک ایسا مشورہ جو احساس ذمہ داری سے آزاد
 ہو، عوام اس سے نافذ کا مقصد معاہدت و مشارکت کی بجائے انتشار
 لے لیں گا، ایک یا دو مثالیں ایسی ہیں جن میں حکومت کے خلاف کوئی بات مشورہ ہونی لیکن ایسا ذکاوت مند ہے۔

پیدا کرنا اور عجیب جوئی ہوتا ہے اور ان اصلاح شدہ مجالس میں جو تہجد و تہذیب پیش نہیں
یا جو مباحث ہوں ان سے اسی کا ثبوت ہم پہنچتا ہے۔ سچ تو یہ ہے تو کدہ شدہ
واقعات کو دیکھتے ہوئے اس نتیجہ پر آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مجالس
کے انتظامی امور کی وسعت کا تخیل ہی بالکل غلط تھا اور ہم دیکھیں گے کہ
ہندوستان کی سیاسی ترقی کی دوسری یعنی موجودہ منزل ہی میں ایک نئی ہی
صورت اختیار کرنی پڑی اور مجالس کو اسی بنیاد پر جسے لارڈ مارٹے نے مسترد
کر دیا تھا بنا پڑا یعنی وہ اصول جن پر تمام پارلیمنٹی مجالس کی بنیاد قائم ہے۔
بہر کیف جب سب کچھ کہا جا چکا تو یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جدید مجالس
تے اپنے وہ سالہ وجود میں ہندوستانی سیاسی رہنماؤں اور برطانوی حاکموں
دونوں کے لئے قوانین پارلیمنٹ اور نقطہ نگاہ پارلیمنٹ کے قائم کرنے
میں بیش قیمت میدان تربیت کا کام دیا ہے اور اگر تمام دوسری باتوں کو
نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مجالس نے ایک نہایت
دقیح اور قابل قدر فرض ادا کیا۔

اس موقع پر ہم کو مرکزی مجلس عاظمہ کی چند دستوری تبدیلیوں پر بھی نظر
ڈال لینی چاہئے۔ مسئلہ عزمیں گورنر جنرل کی مجلس عاظمہ یا وزارت میں ایک
پانچویں رکن کا اضافہ ہوا اور مسئلہ میں اس تعداد کو چھ تک بڑھانے کا
اختیار دیا گیا۔ مسئلہ میں محکمہ تعلیمات ایک مستقل محکمہ ہو گیا اور چھٹا رکن
اس طرح مستقل بن گیا ان کے علاوہ سپہ سالار ہمیشہ اس مجلس میں ایک غیر
معمولی رکن کی حیثیت سے شریک رہا (چھ معمولی ارکان میں سے تین ہندوستان
کی زول سروس) کے ارکان ہونے اور ایک (رکن قانونی) پانچ سال
کام کیا ہو ابراہن سٹر یا ڈو وکیٹ ہونا لازم تھا اور اس کے مجلس کا بیٹہ میں
سب سے پہلے لارڈ مارٹے کے اشارے سے مسٹر سنہا (بعد میں لارڈ سنہا
اور بہار و اترکھنڈ کے اولیں گورنر مقرر ہوئے) اس سال کی اصلاحات
کے راج ہونے سے کچھ ہی قبل ہارج سنڈلے میں رکن قانون مقرر کئے گئے
اور اس وقت سے برابر ایک ہندوستانی رکن

ہو تا آتا ہے۔

۱۹۱۶ء کے قانون مجالس ہند نے بجلی اور مدراس کے گورنروں کی مجلس عاملہ کے ارکان کی تعداد و اندازہ انداز چار تک بڑھانے کا اختیار دیا، ان میں سے دو سول سروس کے رکن ہونے لازم تھے۔ اسی سال ایک ہندوستانی باقی ماندہ جگہ پر مقرر کیا گیا اور اسی وقت سے ہر اس صوبہ میں جہاں ایک مجلس عاملہ ہے یہی دستور جاری ہے۔ اسی قانون کے ذریعہ بنگال میں ایک مجلس عاملہ کے قیام کا اور اس کے بعد پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان کی منظوری سے ہر دوسرے صوبہ میں اسی قسم کی مجلس عاملہ کے قائم کرنے کا حق ملا۔ اگلے ہی سال بنگال میں ایک مجلس عاملہ قائم کی گئی۔ ۱۹۱۶ء میں دور رس نتیجہ خیز انتظامی تبدیلیاں عمل میں آئیں، یعنی ہندوستان کا دارالحکومت کلکتہ سے دہلی منتقل ہو گیا، اس کے ساتھ ہی ۱۹۱۶ء میں اس تقسیم کو منسوخ کر کے جو لارڈ کرزن نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی کئی ایک نئی تقسیم عمل میں آئی لارڈ کرزن نے مشرقی بنگال و آسام کو ایک لفٹنٹ گورنر کے ماتحت ایک مستقل صوبہ بنایا تھا، اب بنگال کا یہ حصہ بقیہ بنگال سے ملا دیا گیا اور اس جدید صوبہ پر ایک گورنر کا تقرر کیا گیا۔ آسام ایک مرتبہ پھر ایک چینٹمنشپ کے ماتحت آ گیا اور بہار و اڑیسہ ایک لفٹنٹ گورنر کے ماتحت کر دیا گیا اور قرار پایا کہ اس میں ایک مجلس عاملہ کا بھی تقرر ہو گا۔ ۱۹۱۵ء میں صوبہ متحدہ کے لئے ایک مجلس عاملہ کی تجویز کو دارالامراء نے مسترد کر دیا تھا کیونکہ اس وقت جس جماعت کو قوت حاصل تھی وہ انتظامی تکمیل کے لئے واحد مستبدانہ قوت عاملانہ کو بہتر سمجھتی تھی،

اب اس حکومت کی دستوری ترقی کا خاکہ پیش کرنا باقی رہ گیا ہے جو حکومت وطن کہلاتی ہے لارڈ نارٹھ کے ۱۹۱۶ء کے ریگولیشننگ ایکٹ نے تمام اختیارات مجلس نظام کے ہاتھوں میں دے دیئے تھے یہ ۲۲ قنوں

سے موجودہ اصلاحات کے ماتحت یہ تعداد تین تک بڑھادی گئی ہے۔

کی اس جماعت کو مجلس مالکان کو جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام بڑے بڑے
 شریک شریک ہوتے تھے منتخب کرتی تھی اور ایک بڑی حد تک ان کی کارروائی
 کی رہنمائی بھی کرتی تھی لیکن پیٹ کے قانون ۱۸۵۷ء کے ذریعہ بہت سی اہم
 تبدیلیاں عمل میں آئیں جو اختیارات کہ مجلس مالکان کو مجلس نظماً کے متعلق
 تھے وہ اب مجلس نگر ان کو دے دیئے گئے جو پارلیمنٹ کی نمائندہ تھی
 اس مجلس کو مجلس نظماً کے تمام کاغذات و مراسلات تک دسترس
 تھی وہ اس مجلس کی ہر کارروائی میں ترمیم یا تیسخ کر سکتی تھی اور اپنی مجلس
 یا اس کی کسی منتخب جماعت کے ذریعہ بلا واسطہ احکام صادر کر سکتی تھی
 یہ مجلس جو نامورین معاملات ہند کے نام سے موسوم تھی ایک صدر اور
 پریوی کونسل کے پانچ ارکان پر مشتمل ہوتی تھی اس صدر کو وہ سب اختیارات
 حاصل تھے جو تمام مجلس کو دیئے گئے تھے اور مجلس کا صرف نام ہی باقی
 تھا۔

اس طرح وہ مشہور دو عملی حکومت قائم ہوئی جو ۱۸۵۷ء تک نافذ رہی
 ۱۸۵۷ء کے قانون منشور نے شاہی اختیارات کو مستحکم کیا مجلس نظماً کے ارکان
 کی تعداد ۲۲ سے گھٹا کر ۱۸ کر دی گئی اور جن میں سے ۱۶ بادشاہ کے نامزد
 کہ وہ ہوتے ۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان بلا واسطہ تاج کے ماتحت
 چلا گیا تو اس وقت موجودہ اصول پر حکومت انگلستان مرتب کی گئی مجلس
 نگر ان کے صدر کی جگہ وزیر ہند نے لی اور پندرہ ارکان کی ایک مجلس
 جس کے سات ارکان کو پہلی مجلس نظماً نے خود منتخب کیا تھا خود اس کی
 جگہ مقرر کر دی گئی۔

آج کل وزیر ہند اس بات پر مجبور ہے کہ ہندوستان کے لئے
 جو تقررات ہوں یا ان اخراجات کے متعلق جو ہندوستانی آمدنی سے
 ہوں، اپنی مجلس کی اکثریت کی رائے پر عمل کرے اس طرح نظری حیثیت

۱۸۵۷ء کو توڑی گئی۔

سے ہندوستان کے متعلق پارلیمنٹ کے وہ حقوق جو اسے ہندوستان کے متعلق حاصل ہیں اور جن سے وہ وزیر ہند کے ذریعہ استعمال کرتی ہے، محدود ہیں لیکن عملاً اس کے اختیارات پر کسی نے اس وقت تک اعتراض نہیں کیا ہے۔ باقی تمام معاملات میں مجلس وزیر ہند کی حیثیت ایک جماعت شوریٰ کی ہی ہے لیکن اگر وزیر ہند اس کا کوئی مشورہ مسترد کرے تو اسے اس کے اسباب قلبند کرنے پڑیں گے مجلس وزیر ہند کا نقشہ وقتاً فوقتاً بدلتا رہا ہے ۱۹۱۹ء کے قانون حکومت ہند کی اہم تبدیلیوں سے پہلے یہ مجلس کم از کم دس اور زائد ارزائد ۱۴ ارکان پر مشتمل ہوتی جو عموماً سات سال تک اپنے عہدہ پر بحال رہتے اور ان میں سے ۹ کے لئے ضروری ہوتا کہ انھوں نے قریبی زمانہ میں ہندوستان میں کم از کم دس سال تک ملازمت یا اقامت اختیار کی ہو۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مطالبہ پر کوئی رکن برطرف کیا جاسکتا ہے۔ مجلس وزیر ہند کا کوئی رکن پارلیمنٹ میں رکن کی حیثیت سے شریک نہیں ہو سکتا۔ ۱۹۱۹ء سے وچندوستانوں کو عموماً اس مجلس میں جگہ ملتی ہے، لیکن حال کے زمانے میں ہندوستانی ممبر لیکن کی تعداد تین کر دی گئی ہے۔

۱۹۱۹ء کے قانون سے پہلے برطانوی ہند میں ۱

باب (۳)

فضائے اصلاحات (۱۹-۱۹۱۲ء)

۱۹۰۹ء کی اصلاحات مارنے جن کا گزشتہ باب میں اجمالی تذکرہ کیا جا چکا ہے اور جن سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کی گئی تھیں، بہت ہی تھوڑے سے تجربہ کے بعد سبک دیا گیا۔ برطانوی حکام کو امید تھی کہ اصلاح شدہ مجالس ایسی مجالس شوریٰ ہونگی جو ہندوستان کی قومی زندگی کے نسبتاً قدامت پسند عنصر سے مرکب ہونگی اور وہ ہر وقت حکومت کی امداد کے لئے تیار رہیں گی۔ ان کی نصائح مفید ہونگی اور ان کی تائید حکومت کے ہاتھوں کو مضبوط کرے گی۔ اس میں ان کو مایوسی ہوئی۔ دو مہری طرف سے ہندوستانی مدیرین کا خواہ وہ اعدادال پسند ہوں یا اتنا خیال تھا کہ وہ ان مجالس سے ذرا بے کچھ نہیں تو بالواسطہ ہی یہی ملتی، ملتی انتظامات کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھ سکیں گے لیکن ان کو بھی مایوسی ہوئی۔ ۱۹۱۲ء کی مجالس، محض مجالس شوریٰ کی حیثیت سے بنائی گئی تھیں اور اس حیثیت سے وہ بہت مفید ثابت ہوئیں لیکن ہندوستانیوں نے اسے

مجالس پارلیمنٹ کی حیثیت سے دیکھا۔ ابتدا ہی سے غیر سرکاری ارکان نے اپنے کو ایک جماعت ”مخالفین“ بنا لیا؛ ادھر سرکاری ارکان نے ایک مستحکم حکومتی جماعت ترتیب دی۔ مجلس متفقہ ہند میں سرٹھ گولہ کے جن کی اس وقت ہندوستانی سیاسیات میں ایک ممتاز ہستی تھی جماعت مخالفین کے رہنما سمجھے جاتے تھے چونکہ ان مجالس میں کبھی بھی جماعت مخالفین کی تجویز کو غلبہ دینے کا خیال بھی نہیں ہوا تھا اور نہ پارلیمنٹ کی اصطلاح میں یہ ممکن تھا اس لئے حکومت کی تمام کارروائیوں اور حکمت عملیوں پر جو تنقیدیں ہوتیں وہ دوستانہ حیثیت سے گذر کر غیر ذمہ دارانہ حد تک پہنچ گئیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کوئی قابل رشک چیز نہ رہی، اور بجائے اس کے کہ حکومت کو ٹھہری مشورہ یا اخلاقی تائید دی جاتی کہ جس کی اسے امید تھی اور جس کی وجہ سے ملکی انتظامات بڑی حد تک مکمل ہو جاتے، اسے صرف مخالفت و مزاحمت ہی نصیب ہوئی اس منظم مخالفت نے ایک طرف تو حکومت کے اختیارات پر اعتراض کر کے اس کی تکمیل کو سخت صدمہ پہنچایا، اور دوسری طرف اپنے نقادوں کو ہموار کرنے کی وجہ سے اس نے حکومت کو مذہب و نہایت محتاط کر دیا۔

جنگ نے جو صورت حال پیدا کر دی اور اس نازک وقت میں ہندوستان کو اقوام عالم میں عموماً اور ان اقوام میں جو برطانوی تاج کے زیر سایہ ہیں خصوصاً، جو درجہ حاصل ہو گیا تھا، اس کا تیسری دوسری بلکہ تندرہ کر چکا ہوں؛ موجودہ باب میں جنگ کے سیاسیات ہند پر جو فوری اثرات ہوئے اور دستوری اصلاح کی تحریک پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ ابتدا ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کا جو غیر امید افزا نتیجہ ہوا اس کو میں بتا چکا ہوں اس کا سبب کچھ تو یہ ہے کہ ان سے جو سیاسی صورت حال پیدا ہوگی وہ ہمارا نقطہ آغاز ہے، لیکن اس سے زیادہ یہ ہے کہ بہتوں نے اسے دستوری ترقی کے لئے ایک بنیاد قرار دیا اس وقت ہم کو اس مقصد کے لئے ان اصلاحات کی فطری خامی کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

مختلف اصلاحی اسکیموں کے اولین دو تھی، جسے آغاز جنگ کے چند ہی ماہ بعد، ممتاز مندر و ستانی ہر برس کو کھلنے نے کمیٹی کے گورنر لارڈ ونگڈن کی فرمائش سے تیار کیا تھا۔ مسٹر گو کھلے اپنے پہلے ہی پارہ میں، جسے میں نیچے نقل کرتا ہوں، نہایت ہی دور اندیشی سے سئلے کی تین تک پہنچ گئے تھے۔

”صوبہ کی خود مختار ادارہ حکومت کی جس کا پتہ ہر اسلٹ دیٹی ہی سے چلتا ہے، منظوری ہندوستانیوں کے لیے جنگ کے خاتمے پر بہترین رعایت ہو سکتی ہے۔ اس میں صوبوں کی حکومتوں کو آزاد کرنے کے لئے دو کارروائیاں کرنی ہونگی، ایک طرف تو ان کو اس نگرانی سے جو حکومت ہند اور وزیر ہند ملک کے اندر دینی انتظام کے متعلق رکھتے ہیں، آزاد کرانا ہوگا اور دوسری طرف، اس کی جگہ صوبوں کی مجالس مقننہ کے ذریعہ حاصل ادا کرنے والوں کے نمائندوں کی نگرانی قائم کرنا پڑے گی۔“

صوبہ کی خود مختاری کا مسٹر گو کھلے نے بہت ہی صحیح مفہوم سمجھا کہ صوبہ داری کا ضرور کو مجلس مقننہ کے ماتحت ہو، لیکن انھوں نے یہ نگرانی اس وقت کے طرز حکومت کی بنا پر قائم کرنا چاہی۔ انھوں نے اس میں نہ صرف مجلس مقننہ کو بلکہ صوبہ کی جماعت عاملہ کو بھی ویسا کا ویسا ہی رکھ کر اس پر اپنی توجہ دینی تھی۔ بلاشبہ ان کے یہ تجویز کی کہ مجلس مقننہ کے پاس اگر ایکن منتخب ہونگے لیکن ان کا طرز انتخاب مارے مجلس جیسا تھا انھوں نے وسیع حلقہ تیار انتخاب کی ضرورت نہ تھی، لہذا انرا زرا دیا جس کے ذریعے سے جدید مجالس کی تنظیم عمدگی بنیاد پر قائم ہو جاتی۔ ان کی وہ سرنامہ تجویز یہ تھی کہ مجلس عاملہ وسیع تر کر دی جائے اور اس کے چھ ارکان ہر سے تین ہندوستانی ہی ہوں۔ لیکن

مسٹر گو کھلے کی افوس ناک قبل از وقت موت نے ہندوستان کو ان کی خدمات سے ایسے وقت میں جب کہ اسے سب سے زیادہ ان کی ضرورت تھی محروم کر دیا۔ وہی ایک سچی، صحیح ترین فیصلہ و شہیدہ مشورہ دینے کی اہل تھی۔ ان تجاویز کا مسودہ اگست ۱۹۱۷ء میں شائع کیا گیا۔

اس کا خیال بھی نہ تھا کہ حکومت کے کس حصے کو مجلس مقننہ کے ماتحت کیا جائے اور کچھ اس کے کہ یہ تاج کی مقرر کردہ و ناقابل تبدیل جماعت ہے کوئی دوسرا طرز عمل ان کے گماں میں بھی آنا دشوار تھا۔ مسٹر گو کھلے نے لکھا تھا کہ مجلس عاملہ انفرادی یا اجتماعی کسی صورت میں بھی اپنے قیام کے لئے اکثریت کی حمایت و تائید پر منحصر نہ ہوگی، لیکن ظاہر ہے کہ صوبوں کی صحیح حکومت خود اختیاری کے لئے ضروری ہے کہ مجلس مقننہ کی طرح مجلس عاملہ بھی رائے عامہ کے مطابق ہونے کا ثبوت دے یقیناً مسٹر گو کھلے کو اس بات کا احساس تھا کہ صوبوں کی حکومتوں کو اس طرح ترتیب دینا کہ ان سے ان کے اختیارات کمزور ہو جائیں، یا واقعی حکومت کی باگ ناتجربہ کار ہاتھوں میں دیدینا بہت خطرناک ہوگا، اس لئے انھوں نے اس اصلاح شدہ حکومت پر جو مسٹر گو کھلے کی اصلاحات کے ذریعہ ہوئی تھیں انہی تجاویز کی بنیاد رکھی اور ایک غیر سرکاری عنصر کی شمولیت ہی کو کافی سمجھا۔ بہر کیف اس قسم کی حکومت اگرچہ محدود و مطلق العنانی کے لئے موزوں ہو سکتی ہے، لیکن حقیقی عمومیت کے لئے بالکل ہی ناکافی ہے۔

مسٹر گو کھلے کو خود اس کمزوری کا احساس تھا اور وہ جرمنی کی مثال دے کر اس کی حمایت کرتے تھے انھوں نے لکھا تھا کہ اس طرح جو مجلس مقننہ و مجلس عاملہ بنائی جائیگی ان کے تعلقات عام طور سے وہی ہونا چاہئیں جو جرمنی کی ٹیلی حکومت اور وہاں کی جماعت مقننہ میں ہیں۔ اس سے زیادہ صحیح تشبیہ اور وہ بھی ایسی جس کے مخلوق تجربہ کا فیصلہ منفرد ہے، ایک اس برطانوی نوآبادی کی ہے، جو ایسی حکومت کے ماتحت ہو جو "نیابتی" حکومت کہلاتی ہے، اور جبکہ ایک مقامی مجلس مقننہ کو مالیات و وضع قوانین کے اختیارات حاصل ہوں

۱۷ جازنٹ رپورٹ کے مضامین حمایت ہی تجویز کی تھیں (پارہ ۱۶۶) اور جرمنی میں اس کا مخصوص طرز حکومت صرف اس لئے جس میں ایک منتخب مجلس مقننہ اور ناقابل تبدیل جماعت نظر آتا ہے، کیونکہ جرمن حیات سیاسی کا اساسی اصول سیاسی قابلیت کے بجائے جرمنی اطاعت ہے نیز مقابلہ کر دے کر اس: "دو ملی حکومت" (Curtis . Dyereny) صفحہ ۳۹۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسی جماعت ماملانہ ہو جو تاج کی مقرر کردہ وفاقا بل تبدیل ہو جیسا کہ پریزیڈنٹ لوکل اپنے اس حصہ تحریر میں جس میں نے اوپر نقل کیا ہے کہ "عوام کی منتخب کردہ مجلس مقننہ کے ساتھ ایک دور دراز کی حکومت کے مقرر کردہ گورنر کا ملانا، اختلافات کی تخلیق اور انہیں دائمی بنائیکی بہترین ترکیب ہے"

البتہ مشر گوگلے نے اس بات کو منظور کر لیا تھا کہ مرکزی حکومت یعنی حکومت ہند کو صوبوں کی حکومتوں کے سلسلہ میں ایسے حقوق دینا ناگزیر نہیں جن کو وہ ضرورت کے وقت استعمال کر سکے مرکزی مجلس مقننہ میں اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے صوبہ واری مجالس مقننہ کے متعلق خاص اختیارات کے ساتھ ہی ان میں سرکاری (حکومتی) اکثریت کی تجویز کی تھی، چنانچہ انہوں نے لکھا تھا کہ "اگر کسی صوبہ کی مجلس مقننہ کسی ایک ایسے قانون کو جسے حکومت اس صوبہ کی فلاح کے لئے ضروری سمجھتی ہو منظور کرنے سے برابر انکار کرتی رہے تو حکومت ہند حکومت صوبہ کے علی الرغم ایسا قانون منظور کر سکتی ہے" اس کے برعکس انہوں نے ایک نہایت خطرناک آئینی اصول کو رائج کرنا چاہا تھا، ان کی تجویز تھی کہ موازنہ سے متعلق تجاویز کی طرح صوبہ کی حکومت سے متعلق جو تجاویز صوبہ کی مجلس مقننہ منظور کرے حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ ان کے مطابق عمل کرے مگر یہ کہ گورنر اسے اپنے مخصوص اختیارات کی بنا پر مسترد کر دے۔ اس قسم کی تجویز کی کوئی مثال نہیں ملتی، حتیٰ کہ ان محالک میں جہاں کی حکومت کی بنیاد ہی ارکان جماعت مقننہ پر ہے اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اس کے معنی انتظام حکومت میں مجلس مقننہ کے مداخلت کے ہوتے ہیں اور کوئی بھی خوددار حکومت خواہ اس کی ترتیب کسی طرح کی بھی ہو، اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ خیال بھی مشنڈ کی اصلاحات سے پیدا ہوتا ہے ورنہ اس کا نام بھی سننے میں نہ آتا۔ اس اسکیم میں کہ وہ مجلس مقننہ کو ایک

جماعت شوری کی حیثیت سے ایسے اختیارات دے دیئے گئے تھے جن کی بنیاد پر وہ تجاویز متعلق مفاد عامہ منظور کر سکتی تھی چوتھے غیر سرکاری ارکان ان قراردادوں کے منظور کرانے میں ناکام رہے اور انتظام حکومت میں مداخلت سے محروم پا کر اپنی بے بسی پر پریشان ہونے لگے، اس لئے مسٹر گوگل نے مفصلہ بالا تجویز کی کہ اس طرح مجلس مقننہ کا حکومت عاملہ پر اثر پیدا ہو جائے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری تھا کہ عمومی اکثریت حاصل کر کے اس کی تجاویز کو لازمی قرار دیا جائے۔

باعتبار تاریخ گوگل کی تجاویز کے بعد دوسری قابل ذکر اصلاحی تجویز وہ تھی جو آخر سال ۱۹۱۵ء میں سر ولیم ڈیلوک نے پیش کی تھی پہلے وہ بنگال کے لفظی طور پر تھے، لیکن سال ۱۹۱۵ء میں وہ مجلس وزیر ہند کے ایک رکن تھے۔ سر ولیم ڈیلوک کی یہ تجویز اصلاحات "یادداشت ڈیلوک" کے نام سے موسوم ہوئی۔ انھوں نے یہ یادداشت انجمن "راؤنڈ ٹیبل" گول میز کے بانی مسٹر لائونگ کرٹس کے مشورہ سے تیار کی تھی۔ مسٹر کرٹس نے اپنی یہ انجمن مسئلہ میں قائم کی تھی؛ اس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت برطانیہ کے مختلف ممالک میں اتحاد پیدا کیا جائے، اور اس کی صورت یہ تھی کہ منظم طریقہ سے تبادلہ خیالات ہو، اس مقصد کے حصول کے لئے تمام نوآبادیات اور ہندوستان میں مجالس قائم کی جائیں اور ایک سہ ماہی رسالہ شائع کیا جائے جو معاملات سلطنت برطانیہ پر بحث کرے۔ مسٹر کرٹس نے اپنی اس وقت کی تصنیف "ڈو علی حکومت" (Dyarchy) میں آئینی ہندوستان کے مسئلہ کے متعلق اس یادداشت کی اہمیت پر بحث کی تھی، اور بتایا تھا کہ کس طرح انھوں نے اور ان کے احباب نے جدید حالات کے مطابق اس کو مفید بنانے کی کوشش کی ہے، انھوں نے اس کتاب میں جہاں دوسرے کاغذات جمع کئے تھے وہیں اس یادداشت کو بھی شامل کر لیا تھا اور اس کی سرخی یہ تھی "حکومت بنگال میں اصول دو عملی کے انطباق کا تجربہ"۔

یہ سرخی اس یادداشت کے مضمون کی اصلی خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے مصنف نے جس خیال کو پیش کیا ہے اس کو مندرجہ ذیل دو اقتباسات کے ذریعہ

جانے سے پہلے ہی اپنی یہ رائے قائم کر لی تھی کہ برطانوی سواراجی قلمرووں کی سیاسی ذمہ دارانہ حکومت ہی ہندوستان کی دستوری ترقی کی غایت ہو سکتی ہے اور اس کا اعلان کر دینا چاہئے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں ہو سکتا کہ یادداشت ڈیوک نے ان کی اس رائے کو مزید تقویت پہنچائی اور اس سے معلوم ہو گیا کہ عملی انتظامات کے نقطہ نظر سے اس مقصد کے حصول کے لئے کس قسم کی تبدیلی ممکن ہے، کیونکہ اس یادداشت کو سرولیم ڈیوک جیسی مستند ہستی کی سند حاصل تھی۔ ۱۹۱۶ء کی خزاں میں جب حکومت کی حکمت عملی کا باضابطہ اعلان کیا گیا اور مسٹر مائیکل جیوی آمد ہند کی خبر مشہر کی گئی تو حکومت ہند نے صوبوں کی حکومتوں سے ان کی ابتدائی رائیں طلب کیں، اور ان کے پاس جو گشتی مراسلے روانہ کئے گئے ان میں دوسرے کاغذات کے ساتھ یہ یادداشت ڈیوک بھی تھی۔

دوسری قابل ذکر تجویز وہ ہے جو "انٹیل کی یادداشت" کے نام سے موسوم ہے، یہ وہ یادداشت ہے جسے ستمبر ۱۹۱۶ء میں مجلس مقننہ ہند کے ۱۹ غیر سرکاری ارکان نے وائسرائے کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ حقیقتاً یہ ہندوستان کے بہترین سیاسی رہبروں کا ایک اعلان تھا اور ایسے نازک وقت میں اس کے اعلان کا مدد و معاون یہ علم ہوا ہو گا کہ پس پردہ ایک سرکاری اسکیم زیر ترتیب ہے۔ اس یادداشت میں لکھا تھا کہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ حکومت صورت حال سے آگاہ ہے، اور وہ ملک کے نظام سیاسی کی تبدیلی پر غور کر رہی ہے، اس لئے ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم کو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حکومت کو بتانا چاہئے کہ اصلاحات کی کیا شکل ہونی چاہئے۔ اسی زمانے میں پہلی ہوم رول لیگ مدراس میں قائم کی گئی۔ اس کی روح رواں مسٹر این بی بٹنٹ تھیں۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے اجلاس لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ جو اسی قسم کی ایک مجلس

۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کی کانگریس کی انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس کی صدر منتخب ہوئیں۔

ایک متحدہ اسکیم منظور کی۔ یہ اسکیم انیس کی یادداشت پر بہت کچھ مبنی تھی اور یہ کانگریس لیگ اسکیم کے نام سے مشہور ہے۔

ایک حیثیت اسے کانگریس لیگ اسکیم مسٹر کو کھلے کی تجاویز سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس تجویز کو پیش کر کے کہ اصلاح شدہ مجالس مقننہ کے ارکان حق رائے دہی کو حتی الامکان وسیع کر کے بلا واسطہ قوم سے منتخب شدہ اشخاص ہوں، اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ مجلس مقننہ کے لئے جسے پارلیمینٹ میں کامل عمومی بنیاد ہونا چاہئے۔ دوسری حیثیتوں سے کانگریس لیگ اسکیم نے ان تقاضوں میں اور بھی زیادہ مبالغہ آمیزی کی کیفیت یہ ہے کہ اگر دی جو پارلیمینٹ حکومت کا ایک ایسے سیاسی نظام پر انصاف کرنے سے ہونا لازمی ہے جو اس سے بقول لارڈ مارلے کے بالکل منافی و مختلف ہو۔

مسٹر کو کھلے کی تجویز تھی کہ مجلس مقننہ کی تجاویز کی تعمیل جماعت عامہ کے لئے ضروری ہو لیکن گورنر کو اختیار امتناع حاصل ہو۔ کانگریس اس سے ایک قدم اور آگے بڑھی، اور اس نے کہا کہ مجلس مقننہ اپنی کسی تجویز کو اگر ایک سال بعد پھر منظور کرے تو جماعت عامہ پر اس کی تعمیل بہ صورت لازمی ہوگی مسٹر کو کھلے کی تجویز پر یہ اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ اگر ایک ایسی تجویز کی، جسے حکومت عامہ بالکل پسند نہ کرتی ہو، مسترد کرنے کی تمام ذمہ داری صرف گورنر کے سر پر ہوتی ہے، لیکن کانگریس کی تجویز اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض ہے اس لئے کہ وہ گورنری کو بالکل بے بس کر دیتی ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مجلس مقننہ کی کسی تجویز کو ایک قانون سے بھی زیادہ وقعت و اہمیت دی جاتی اس لئے کہ قانون سازی میں گورنر بوجہ تاج کا نمائندہ ہونا، خود شریک ہوتا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس طرح جماعت عامہ کی حیثیت بالکل باقی نہ رہتی، چنانچہ جوائنٹ رپورٹ (متفقہ یادداشت) کے مصنفوں نے کانگریس لیگ اسکیم پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کوئی حکومت بھی اس طرح اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتی کہ وہ ایسے کام کرنے کے لئے

مجبور کی جائے جسے وہ خود ناپسند کرتی ہے۔ ایک ایسی جماعت عاملہ جس کا بنانا اور بگاڑنا مجلس مقننہ کے ہاتھ میں ہو، ایک چیز ہے، اور ایک ایسی جماعت عاملہ جو قابل تبدیل تو نہ ہو لیکن مجلس مقننہ کے احکام کے مطابق کام کرنے پر مجبور کی جاسکے بالکل ہی دوسری چیز۔

تم کو یاد ہو گا کہ مسٹر گوگھلے نے مجلس مقننہ ہند میں سرکاری اکثریت کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ حکومت ہند کے لئے چند اقتیارات محفوظ کرنے کی تجویز کی تھی اور اسے صوبہ واری قانون سازی کے بھی اقتیارات صوبہ واری جماعت مقننہ کے متوازی دینا چاہتا تھا۔ کانگریس نے اس قسم کی تمام شرائط کو یک قلم نظر انداز کر دیا کانگریس کا مطالبہ تھا کہ مرکزی مجلس مقننہ میں اہم منتخب ارکان ہوں، اس طرح ان کی اکثریت ہو اور اس کے اقتیارات تمام ہندوستان کے متعلق امور تک محدود ہوں۔ اس نے مدافعت اور امور خارجیہ کے علاوہ وضع قوانین اور مالیات کے تمام اقتیارات مرکزی مجلس مقننہ کو دیدیئے اور انتظام ملکی کے سلسلہ میں اس نے مجلس مقننہ کی تجاویز کی تعمیل نہ صرف حکومت ہند بلکہ صوبوں کی حکومتوں کے لئے بھی لازمی قرار دے دی۔

کانگریس لیگسٹیکٹو کی اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ اس کے نزدیک نہ صرف گورنر یا گورنر جنرل کی جماعت عاملہ کے نصف ارکان ہندوستانی ہونے چاہئیں بلکہ ان ارکان کا انتخاب صوبہ واری یا مرکزی مجلس مقننہ کے ہاتھ ہی میں ہونا چاہئے۔ ایک مجلس مقننہ کے لئے مجلس عاملہ کا انتخاب کرنا، اگرچہ بطور نظر یہ قابل اعتراض ہو، لیکن یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اور سوئیزرستان میں اس پر برابر عمل ہو رہا ہے، بلکہ یہ ظاہر ہے کہ ایک ایسی مجلس جس کے نصف ارکان کو حکومت مقرر کرے اور نصف

لے جوائنٹ رپورٹ پارہ ۱۷۰۔

لے ری پورٹ گورنمنٹ از آل پارٹس۔ (۳)

کہ مجلس مقننہ منتخب کرے ایک معجون مرکب ہوگی، ایک ایسی جماعت عاملہ کا وجود جو ہٹائی نہ جاسکتی ہو اور جسے ہمیشہ ایک با اختیار مجلس مقننہ کے روبرو رہنا پڑے ویسے بھی کافی وقت طلب ہے لیکن اگر ایسی جماعت عاملہ میں بجائے اتحاد کے اختلاف کے عناصر ہوں تو یہ اس سے بھی نازک تر چیز ہوگی۔ یہ عجیب و غریب تجویز بھی اصلاحات مارنے کے پیدا کردہ ماحول کا ورثہ ہے اور اس لئے دیپسی سے خالی نہیں۔ لارڈ مارنے نے حکومت ہند اور صوبوں کی حکومتوں میں ہندوستانی عنصر کو داخل کر لیا تھا، تاکہ اس اثر کے علاوہ جو مجالس مقننہ کے ذریعہ قائم کیا جاتا ہے، جماعت عاملہ میں ہندوستانی صلاح کار رہیں کانگریس لیگ اسکیم کے مصنفین نے اس خالص مشورہ کو ننگرانی کی صورت میں بدل دینا چاہا۔ جیسا کہ سٹرگوٹھیلے کا خیال تھا، اس وقت تک جب تک کہ گورنر (یا گورنر جنرل) کو اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ وہ ایسے غیر خیال کے لوگوں کو مقرر کر سکے جو ضرورت کے وقت رائے عامہ کے مقابلے میں حکومت کے طرفدار ہو جائیں، حکومت کے ہندوستانی عنصر کا برطانوی عنصر کے مساوی ہونا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ حق تقریبی کو حکومت عاملہ سے لے لیا جائے۔ اسی لئے جدید اسکیم میں یہ تجویز کی گئی کہ ہندوستانی ارکان کا انتخاب مجلس مقننہ کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔

کانگریس لیگ اسکیم کی اشاعت کے آٹھ مہینے بعد سٹرمانٹیکو نے سرکاری طور سے باضابطہ آئینی اصلاحات کے متعلق پہلا اعلان کیا۔ اور اس اعلان میں ذمہ دارانہ "حکومت کے لفظ پر جو زور دیا گیا اس نے اگرچہ

لے ظاہر تو صوبہ کی اصلاح شدہ حکومت جس کی بنا ہی دو ٹوپی ہے، ایک معجون مرکب ہے، لیکن حقیقتہً ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر نصف ایک فرد ہے، نصف ناقابل تبدیل عنصر عادل پر مشتمل ہے اور نصف بلا واسطہ مجلس مقننہ کے سامنے جو اب وہ ہے، اور ان میں سے ہر نصف کے فرائض جدا گانہ ہیں۔

۱۳۔ یہ صوبوں کی حکومت کے متعلق تھا حکومت ہند کے متعلق سٹرگوٹھیلے کا خیال تھا کہ ایک ثلث ہندوستانی ارکان ہو ۱۴۔ کانگریس لیگ اسکیم بھی کرش کی کتاب ہو تو عدلی حکومت میں شایع ہو چکی ہے، دیکھو صفحات ۹۰ تا ۹۵۔

کانگریس لیگ اسکیم کا خاتمہ کر دیا، لیکن چونکہ اس کے مقابل میں تجاویز کا کوئی دوسرا مجموعہ نہ تھا اس لئے یہ اسکیم اپنی جگہ پر علیٰ حالہ باقی رہی۔

اواخر نومبر ۱۹۱۱ء میں لارڈ چیمفورڈ اور مسٹر مانٹگلیو وزیر ہند کے نام سے میں اس وقت ایک عرضداشت پیش ہوئی جب وہ اس تحقیقات کا آغاز کرنے والے تھے جس کے نتائج جائنٹ رپورٹ کی شکل میں مرتب ہوئے تھے، یہ عرضداشت جوائنٹ اڈریس "سیاستنامہ متفقہ" کے نام سے مشہور ہے، اور اس پر ممتاز لیوری وپی اعضاء تجارت اکلنتہ کے یورپی جماعت کے بعض دوسرے ارکان اور بنگال کی اعتدال پسند قومی جماعت کے چند بااثر ہندوستانی رہنماؤں کے دستخط تھے۔ اس سیاستنامہ سے قوم پرستوں کے اس گروہ نے جس نے اس پر دستخط کئے تھے گویا کانگریس لیگ اسکیم کو مسترد کر دیا، لیکن اس سیاستنامے میں ایک خاص بات یہ تھی کہ قومی و سیاسی حیثیت سے دستخط کرنے والوں میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مگر اس کے نتیجہ سے مختلف گروہوں کے درمیان ایک اشتراک عمل کی صورت پیدا ہو گئی اور ۲۰ اگست ۱۹۱۱ء میں بائیسگو کے اعلان کو باضابطہ تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے بیان کر دیا ہوں گے مطابق ہندوستان کی آئینی ترقی کے لئے بعض قابل عمل تجاویز حکومت کے گوش گزار ہیں۔

اس متفقہ سیاستنامہ کی ترقیب کے متعلق ابتدائی مجالس خلافت کی اخبار میں سرستند پرستانہ سبنا کے رجوع میں لارڈ سبنا نے اذیتوں اور اس وقت حکومت بنگال کے ایک رکن نے، دولت لدا، بر جیٹنگ کے زیر حکومت بنگال کا کارمائی صدر مقام ہے، منعقد ہوئے میں لارڈ چیمفورڈ کو بھی جو اس وقت اسی ملک میں ہیں، کے سیاسی حالات کے مطالعہ میں مصروف تھے امد کو لیا گیا۔ اور انہی نے ان بارہ دریافت کے ماتحت جو اعتراضات کنڈگان نے متفقہ طور پر طے کئے تھے، اس یادداشت کو انصافاً منظور کر لیا۔ اسکیم کی ترمیم کے ذمہ اصراف مسٹر کرشن تھے۔

یہ اسکیم اجمالاً مفصلہ ذیل تھی۔ اصلاحات کے مقصد کے لئے برطانوی ہند کے بڑے صوبوں کے بعض حصص کو اس کام کے لئے منتخب کیا جائے۔ ایک نئی قسم کی ریاستی حکومتیں عالم وجود میں لائی جائیں؛ ان ریاستی حکومتوں کی جماعت عاقلہ وزرا پر مشتمل ہو، ان وزرا کا انتخاب حکومتی جمعیت کرے جسے عام رائے دہندوں نے انتخاب کیا ہو اور اسی کے سامنے وہ جواب دہ ہوں، اس ریاستی حکومت کا افسر اعلیٰ ایک چھپ کثیر ہو، تعلیمات، امور علمہ، زراعت، مقامی حکومت اختیار و غیرہ کے محکمے کلا یا جزاً اس جدید ریاستی حکومت کے حوالے کر دیئے جائیں؛ اور سات سال بعد ایک پارلیمنٹری کونشن اس بات کو طے کرے کہ آیا باقی محکمے بھی منتقل کئے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ بہر ریاستی حکومت کو آمدنی کا ایک حصہ دیا جائے، اور رفتہ رفتہ صوبہ کی حکومتوں کے اختیارات نمائندگی حاصل و قانون سازی اس ریاستی حکومت کی مجلس کی طرف منتقل کئے جائیں۔ اس اثنا میں موجودہ صوبہ واری حکومتیں بھی باقی رہیں اور لگان، عدالت، کو توائی وغیرہ محفوظ محکموں کا انتظام کریں؛ صوبوں کی مجالس مغنہ جو بیشتر ریاستی مجالس کے نمائندوں پر مشتمل ہوں مجالس شورے کے فرائض انجام دیں و واضح ہو کہ اس اسکیم کا مقصد یہ تھا کہ مالیات و وضع قوانین کے متعلق جدید ریاستی مجالس اور حکومتوں کو ترقی کا موقع دیا جائے۔

مستقبل بعیدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس خیال کا بھی اظہار کیا گیا تھا کہ جب یہ ریاستی حکومتیں اس کو ثابت کر دیں گی کہ وہ اپنے اختیارات کو جن میں قیام امن و امان کے ضروری اختیارات بھی شامل ہیں، نہایت اچھی طرح استعمال کرنے کے لائق ہو گئی ہیں اور وہ فرائض جن کو یہ حکومتیں صوبوں کی حکومتوں کے ساتھ مل کر انجام دیتی تھیں، اچھی طرح انجام دینے جا رہے ہیں، اسی گھڑی صوبوں کی حکومتوں کے لئے وہ وقت آجائے گا جبکہ وہ اپنے باقی فرائض سے سبکدوش ہو کر ان ریاستی حکومتوں کے حق میں دست بردار ہو جائیں اس کے ساتھ ہی اگر کوئی انتظامی تخریب رو پذیر ہوئی تو صوبہ کی حکومت کو بالکل اسی طرح جس طرح حکومت کو اسی قسم کی صورت حال کے موقع پر دیسی ریاستوں کے معاملات میں دخل اندازی کا حق حاصل ہے

داخل اندازی کا اختیار ہوگا۔

سب سے آخر میں جب برطانوی ہند کے بیشتر حصے میں ریاستی حکومتیں مکمل طور سے قائم ہو جائیں گی تو اس وقت ایک ایسا دستور منضبط کیا جائے جس کے ذریعہ خود حکومت ہند ایک ہندوستانی پارلیمنٹ اور عام رائے دہندوں کے سامنے ذمہ دار بنا دی جائے گی۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ”تہفہ سپاسنامے“ میں جو اسکیم بیان کی گئی ہے وہ یادداشت ڈیوک کی طرح دو عملی کے اصول پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کبھی انہی مقدمات سے ابتدا کی گئی تو کوئی دوسرا اصول قائم ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ مقدمات مختصراً اس طرح بیان کئے جا سکتے ہیں (۱) کہ کسی نہ کسی قسم کی ذمہ دارانہ حکومت کی فوراً ابتدا کرنی ہے۔ (۲) کہ ذمہ دار حکومت کا پہلا قدم صوبہ کی حکومت میں رکھا جانا ہے۔ (۳) اسی محدود میدان میں کامل ذمہ دار حکومت ملک کی سلامتی یا کامیابی کی حقیقی امید پر فوراً قائم نہیں کی جا سکتی۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ ”سپاسنامے“ میں اس اصول کا بالکل ہی دوسری طرح انطباق کیا گیا ہے یا یادداشت ڈیوک میں جس دو عملی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے وہ صرف فرائض کی تقسیم پر مبنی ہے لیکن ”سپاسنامے“ کی تجویز میں صوبوں کی تقسیم بھی کر دی گئی ہے۔ اول الذکر یادداشت کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ صوبہ واری حکومتیں دو حصوں میں تقسیم کر دی جائیں، لیکن موخر الذکر ”سپاسنامے“ کا مقصد یہ ہے کہ ان کے دو شہ بدوش چند بالکل جدید وجدگانہ حکومتیں قائم کی جائیں۔

اس دعوے میں کہ بعض بڑے صوبہ ناقابل انتظام اور ضرورت سے زیادہ وسیع ہیں ایک بڑی حد تک حقیقی قوت مضمر ہے، اور اگر آج کی سیاسی صورت حال میں یہ قابل اعتراض ہے، تو اس وقت جبکہ ہندوستانی سیاسی زندگی ایک بڑی حد تک ترقی کر چکی ہوگی، اور حکومت کو متعدد فرائض انجام دینے ہوں گے، اور بھی زیادہ خطرناک صورت ہو جائے گی۔ ہندوستان کا نقشہ بعض ایسی صورتیں پیش کر رہا ہے جو زبان حال سے چلا کر یہ کہہ رہی ہیں کہ کسی نہ کسی قسم کی تبدیلی لازمی ہے، مثلاً سندھ کا، جو اپنی کثیر مسلم آبادی

اپنی مخصوص زبان، تاریخ اور روایات کے اعتبار سے ایک خاص حیثیت رکھتا ہے، صوبہ بمبئی سے تعلق ایک غیر فطری الحاق ہے؛ اسی طرح اڑیسہ کا تعلق بہار سے اور برار کا صوبہ متوسط سے قابل اعتراض ہے۔ اسی بنا پر جامینٹ اڈریس (متفقہ پسانامہ) میں بتایا گیا ہے کہ ذمہ دار حکومت کی ترویج سے پہلے سب سے اولین کام یہ ہونا چاہئے کہ ان حلقوں کا انتخاب کیا جائے جو حقیقی معنی میں پارلیمینٹری اصول پر حکومت اختیار کرنے کے لائق ہوں؛ یعنی وہ علاقے ایسے ہوں جو متفقہ و یکساں انتظامی حلقے بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں؛ مثلاً یہ کہ ان کی تاریخ میں تو حد کی کیفیت ہو اور وہ کم از کم ایک ہی قوم، زبان اور مذہب کے افراد پر مشتمل ہوں۔

ان تجاویز کی صداقت کی تردید یا ہندوستانی سیاسی زندگی کے موجودہ خاکہ کے نامکمل ہونے کی طرف سے اغماض نامکن ہے۔ لیکن یہ ہے کہ محض نظری حیثیت سے متفقہ پسانامہ کی مرتبہ اسکیم بہترین اسکیم ہو لیکن عملاً نفس اسکیم کی صورت حال اس کو برائتی ہے نظری انداز کے اصول کے مطابق کسی ایک خاص نقشہ کے مطابق کسی چیز کے بنانے کے معنی بد قسمتی سے یہ ہیں کہ پرانا نقشہ بالکل مٹا دیا جائے، اور تعمیر سے عموماً اور تعمیر جدید سے خصوصاً اکثر یہ مراد ہوتی ہے کہ پرانے مکان کو جڑ سے اکھیڑ دیا جائے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں جذبات ہی حکومت کی گویا نیا دہیں، عملی حیثیت سے تجربی کام بہت ہی ہلکے ہوتے ہیں۔ اور مثال کے طور پر ہم اس اسکیم کو بنگال پر منطبق کر کے دیکھیں جن لوگوں نے ان برافروختہ جذبات کو جو لارڈ کرزن کی تقسیم بنگال کی وجہ سے وہاں پیدا اور ان مشعل احساسات کو جو صرف ایک ضلع کی تقسیم سے رونما ہوئے تھے، دیکھا ہے، وہ اس اسکیم کو جنون سے کچھ ہی زیادہ واقعت دس گے۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا متفقہ پسانامہ نے جس اسکیم کی سفارش کی ہے، اس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ ہندوستان کے صوبوں کو منقسم کیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ ذمہ دار حکومت ملنے سے پہلے موجودہ ادارات کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔ صوبوں کی مجالس متفقہ

کے ساتھ جن کو لوگ چھوٹی چھوٹی پارلیمنٹ سمجھتے ہیں یکے بعد دیگرے دونوں کی سیاسی توقعات اور امیدیں وابستہ ہیں بنگال میں ۱۹۱۹ء سے اس مجلس کو ارکان کی اکثریت کی خصوصیت حاصل رہی ہے اور اسی اکثریت کے قبضہ میں وضع قوانین کے اختیارات ہیں لیکن جس اسکیم پر ہم اس وقت غور کر رہے ہیں اس کے مطابق مجلس مقننہ بنگال اپنے اختیارات سے معرا ہو کر خود اپنے وجود کو ان چند ریاستی مجالس میں جو اسکیم کے ذریعہ قائم ہوتی ہیں فنا کر دیتی ہے لارڈ کرزن نے مقبول عام بنگالی جامعہ کلکتہ کی اصلاح کی، جسے ان کے ناقدین تخریب سے تعبیر کرتے ہیں (کوشش کی تھی، اور اس کی جو سخت مخالفت کی گئی اور حقارت آمیز طریقہ سے اسے دیکھا گیا اس سے اس مخالفت کا تھوڑا سا شائبہ نظر آتا ہے جو مجلس مقننہ بنگال پر ہاتھ لگانے سے پیدا ہوتی۔

مانیکو چمپفور ڈپورٹ کے مضمنین نے اس قسم کے عملی تجربات کی روشنی میں ”متفقہ سپانڈیٹ پر کافی غور کرنے کے بعد بلا تامل اسے مسترد کر دیا۔ تاہم انہوں نے نہایت پر زور الفاظ میں اس بات کی سفارش کی کہ اصلاح شدہ حکومت صوبہ کے اولین فرائض میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ ماتحت صوبوں کے حدود کے صحیح تعین کے مطابق لوگوں کی رائے معلوم کرے، اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی صورت پر غور کرے اور مثال کے طور پر بہار اڑیسہ کا ماتحت صوبہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۱۹ء کے (اصلاحی) قانون کی دفعہ ۱۵ (۱) میں اس قسم کے ماتحتی صوبوں کے بنانے اور ان کو ضروری حکومتی اختیارات دینے کی خاص سہولتیں مہیا کی گئی ہیں، اسی دفعہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ”غیر ترقی یافتہ علاقوں“ پر علیحدہ غور کیا جائے اور ان کی ضرورتوں کے مطابق ان کا نظام حکومت ترتیب دیا جائے۔

اب ہم سرکاری اسکیم تک پہنچتے ہیں جو عالمانہ جائینٹ رپورٹ کی شکل میں پیش کی گئی۔ لیکن یہاں اس اسکیم پر وضاحت کے ساتھ بحث کرنا ضروری نہیں ہے

۱۵ دیکھو جائینٹ رپورٹ پارہ ۲۲۶۔ جائینٹ سلیکٹ کمیٹی (متفقہ منتخب کمیٹی) نے اصلاحی، مسودہ کی دفعہ ۱ پر اظہار رائے کرتے ہوئے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

کیونکہ اس کا بیشتر حصہ ہندوستان کے اصلاح شدہ آئین کا جز ہے اور آئندہ پارلیمنٹ میں مستقل طور سے اس پر بحث کی گئی ہے تاہم دوسری ابتدائی اسکیموں کے تجزیہ و مطالعہ کے وقت اس بات پر غور کرنا کہ سرکاری اسکیم کن اصول پر مبنی ہے، یقیناً سو دمنہ ہو گا۔ مختصراً یہ اسکیم ان خیالات کی بڑی حد تک تائید کرتی ہے، جو کانگریس لیگ اسکیم میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ اس اسکیم میں ان امیدوں کو جو ضلہ کی اصلاحات کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں اور کبھی بھی پوری نہیں ہوئیں اور ۲۰ اگست کے اعلان کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی اور ساتھ ہی ذمہ دارانہ حکومت کی مبادی کے طور پر جو کیفیات پیدا ہونی چاہئیں انہیں بھی اس میں پیش نظر رکھا گیا۔

کانگریس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اصلاح شدہ مجالس کو ایک وسیع حلقہ انتخاب پر ہمہ گیر پارلیمنٹی مجالس بنا دیں۔ کانگریس نے جو تجویز پیش کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ موجودہ حکومت کو بیکار کر کے نظام حکومت بالکل مفلوج ہو جاتا۔ اس نقطہ کو اس طرح دور کیا جاسکتا تھا کہ ایک طرف نوگورنر یا گورنر جنرل کو انتظامی حکومت کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے مخصوص حالات کے اندر مجلس مقننہ کی تجاوز کو مسترد کرنے کا اختیار دے دیا جائے اور دوسری طرف جماعت عامہ کے ہندوستانی ارکان کے انتخاب کی تجویز کو مسترد کر دیا جائے۔ یہی وہ اسکیم تھی جسے ”پانچ صوبہ داروں کی اسکیم“ کہتے ہیں۔ جنوری ۱۹۱۹ء میں پنجاب، صوبہ بجات متحدہ اور برما کے لفٹنٹ گورنروں اور صوبہ متوسط اور آسام کے چیف کمشنروں نے یہ اسکیم تیار کی تھی ان کو مقننہ کامل تھا کہ دو عملی حکومت عملاً خطرناک اور ناقابل عمل بنے اور جب وائسرائے نے ان سے اس کی بجائے دوسری اسکیم کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ اسکیم پیش کی ان صوبوں کے پانچ اعلیٰ افسروں کی تجویز تھی کہ صوبہ کی جماعت عامہ ایک گورنر اور ایک مجلس عامہ پر مشتمل ہو، اور اس مجلس عامہ کے نصف ارکان نہ صرف یہ کہ ہندوستانی ہوں بلکہ مجلس مقننہ کے منتخب ارکان میں سے ان کا انتخاب کیا جائے۔ صوبہ کی مجلس مقننہ عمومی اصول پر قائم کی جائے

اور وہ وضع قوانین اور مالیات کے متعلق تمام اختیارات کی مالک ہو، لیکن گورنر کو حکومت کے اعلیٰ افسر کی حیثیت سے جو اختیارات حاصل ہوں ان کے ساتھ ہی ساتھ اسے مجلس مقننہ کی تجویز کو مسترد کرنے کا بھی حق دیا جائے۔ جوائنٹ رپورٹ کے مصنفین نے صرف یہی منظور نہیں کر لیا بلکہ انھوں نے ایک قدم اور بڑھایا اور یہ تجویز کی کہ ایک محدود مدت تک مستقل محکموں میں (لاٹھا) صوبہ کی جماعت مقننہ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہوں۔ اور (ب) ہندوستانی وزرا رجوان محکموں کے ذمہ دار ہوں، حکومت صوبہ کی ایک مستقل علیحدہ شاخ ہوں۔ اور نہ صرف یہ کہ ان کا منتخب ارکان میں سے انتخاب کیا جائے بلکہ وہ پارلیمنٹ کی اصطلاح کے مطابق مجلس مقننہ کے سامنے جوابدہ ہوں ان کا یہ خیال تھا کہ اس کے علاوہ ۲۰ اگست کے اعلان کو حقیقی طور سے عملی جامہ پہنانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔

جوائنٹ رپورٹ کا اصول بالکل صاف و واضح ہے اور وہ اس وقت اور واضح ہو جاتا ہے جب ہم اس کا ان لوگوں کے رویہ سے مقابلہ کرتے ہیں جنہوں نے دفعات اعلان کو تنگ تر اور معاندانہ طریقے سے دیکھا تھا "مستفقہ سیاسی نامہ" اس رویہ کی ایک زندہ مثال ہے، اس ڈائریس میں جس اسکیم کی توضیح کی گئی ہے اس کے مطابق صرف ان مجالس کو دینی ریاستی مجالس و ریاستی وزرا کو پارلیمنٹی حقوق ملتے جن کے سامنے وہاں کی جماعت عاملہ جواب دہ تھی رہیں صوبہ کی وہ حکومتیں جو محفوظ محکموں کا انتظام کرتی تھیں وہ استبدادانہ تھیں، اور اس حقیقت کو چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں اس اسکیم کے مطابق صوبہ کی مجالس مقننہ (ارڈر مارے کے خیال کے مطابق) صرف مجالس شوریٰ کی حیثیت سے باقی رہتیں اس کے علاوہ چونکہ سرکاری ارکان کی تعداد اقلیت محض تک پہنچ جاتی، اس لیے وہ انتظام ملکی کے سلسلہ میں ایسے قوانین کے منظور کرنے کے قابل بھی نہیں رہتی جو ضروری ہوں حالانکہ اس کام کی تمام تر ذمہ داری صرف صوبہ کی حکومت پر ہی عاید ہوتی ہے

الفرن جائنٹ رپورٹ نے ”متفقہ سپانام“ کے بالکل خلاف ایک طرف تو حکومت صوبہ کے ڈھانچے کو علیٰ حالہ قائم رکھنے کی تائید کی اور دوسری طرف اس نے انڈین نیشنل کانگریس کی اس تہنکی حمایت کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ جہاں تک ممکن ہو مارے والی مجالس کو حقیقی پارلیمنٹی مجالس بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی پانچ صوبہ داروں کے خلاف اس رپورٹ نے موجودہ طریقہ حکومت کے ڈھانچے کے اندر ایک واقعی ہندوستانی جماعت کو اختیارات تفویض کرنے کی تائید کی جو ایک بڑی حد تک ہندوستانی مجالس متفقہ کے سامنے جو اب وہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی مارے والی اصلاحات کے اصول کو عجیب طریقہ سے باقی رکھنے کی کوشش کی گئی تھی، یہ تجویز کی گئی کہ ایسے قوانین کی منظوری کے لئے جو محفوظ محکموں کے مفاد کے لئے ضروری ہوں ان اصلاح شدہ مجالس متفقہ صوبہ کے ارکان کی (جن میں پینتھب ارکان ہونے قرار پائے) ذیلی جماعت ہائے اعلیٰ (گریڈ کمیٹی) بنائی جائیں جن میں اکثریت نامزد شدہ ارکان کی ہو۔ اسی قسم کے ایسے ہی اختیار کی مجلس مرکزی جماعت متفقہ کی مجلس مملکت (کونسل آف اسٹیٹ) ہے۔ منتخب کمیٹی نے ۱۹۱۹ء کی سرکاری اصلاحی اسکیم پر جو ۱۹۱۹ء کے مسودہ حکومت ہند پر مشتمل تھی، ان جماعت ہائے اعلیٰ کو توڑا دیا، لیکن مجلس مملکت کو ایک معمولی ایوان دوم اور سادہ نظر ثانی کرنے والے ایوان کی حیثیت سے باقی رکھا۔ اس کے ساتھ یہ طے کیا گیا کہ جب ضروری قوانین کی منظوری کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسے مواقع پر گورنر لیاگورنر (جنرل) اپنے خاص اختیارات استعمال کرے نہ کہ ان اختیارات کو چھپانے کے لئے ایک اتنا وسیع دستوری قلعہ تعمیر کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اچھا نہیں سمجھا گیا کہ سرکاری گروہ (آفیشل بلاک) کے قدیم سلسلے کو کسی نہ کسی صورت میں بھی قائم رکھا جائے۔

متفقہ منتخب کمیٹی نے مجالس متفقہ کے مرتبہ و اختیارات کی بہتری کے لئے بعض دوسری ایسی تبدیلیاں بھی کیں: ایک معمولی لیکن ممتاز تبدیلی یہ تھی کہ مجالس متفقہ میں سرکاری صدر یعنی گورنر کے بجائے ایک منتخب شدہ صدر

دسرف پہلے چار سال تک حکومت کی طرف سے مقرر شدہ) ہو؛ ایک دوسری تبدیلی یہ تھی کہ جماعت مقننہ ہندیاوان زیریں یعنی جمیت مقننہ (لیجسلیٹیو اسمبلی) کو اخراجات کے متعلق تمام حقیقی پارلیمنٹی حقوق حاصل ہوں۔

آخر میں ہم کو اس سرکاری اصلاحی اسکیم کا ہندوستان میں جس طرح مقبول کیا گیا اس کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہئے۔ ان یورپی اصحاب کی رائے بھی جو ہندوستان کی امیدوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے ایک بڑی حد تک مخالفانہ تھی، اور سب سے زیادہ مخالفت اس جدید و عملی حکومت کے اصول کے مطابق تھی وہ اس پر پانچ صوبہ داروں کی اسکیم کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، اور ان تجاویز کے اصول بہتر طریقہ سے سمجھے جانے لگے تو رائے میں ایک بڑی حد تک تبدیلی ہو گئی، اور سرکاری وغیر سرکاری حلقوں میں یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ذمہ دار حکومت تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا کوئی دوسری ہیج و عملی صورت نہیں ہو سکتی تھی۔

قوم پرورد جماعت کے تمام گروہ ان تجاویز کو ناقابل اطمینان بتانے میں متفق تھے جو حکومت ہند اور وزیر ہند کے متعلق تھے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ صوبوں کی تبدیلیوں کے ساتھ ہی حکومت ہند کے بعض مرکزی محکموں کو بھی منتقل کر کے حکومت ہند میں بعض ذمہ دار عناصر کی ترویج کرنی چاہئے، اور اس کے ساتھ انھوں نے اس مطالبہ کی، جو کانگریس لیگ اسکیم میں تھی تائید کی کہ اس مجلس (یعنی انڈیا کونسل یا مجلس ہند) کو جو وزیر ہند سے متعلق ہے توڑ دیا جائے۔ ان کا قول تھا کہ وائٹ ہال سے ہندوستان کے معاملات پر حکومت کرنا ہندوستان کے اس مرتبہ جدید اور سیاسی خودداری کے منافی ہے جو اسے ملی ہے

متفقہ منتخب کمیٹی نے ان خیالات کے متعلق ہر قسم کے دلائل سننے کا پورا موقع دیا، لیکن گو وہ عملی حکومت کو مستدلانہ طریقہ سے راج کرنے کا بھی سے مطالبہ کیا گیا لیکن اسے، اس نے مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر مسترد کر دیا۔ ساتھ ہی مجلس ہند

کے متعلق ایک ذیلی جماعت مقرر کی گئی جس کے صدر لارڈ کرلو تھے۔ اس نے ایک حد تک مجلس ہند کو توڑ دینے کی تجویز پیش کی تھی لیکن اسے بھی جائینٹ کمیٹی نے مسترد کر دیا اس کے وجوہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کہے ہیں۔

”کمیٹی مجلس ہند کو توڑنے کے موافق نہیں ہے ان کا خیال یہ ہے کہ ابھی عرصہ تک وزیر ہند کو اس بات کی ضرورت باقی رہیگی کہ وہ ہندوستان کے متعلق تجربہ کار اشخاص کے مشوروں سے مستفید ہوں نیز کمیٹی کو اس بات کا یقین کامل ہے کہ اگر باضابطہ ایسی کوئی مجلس نہ بھی رہی تو وزیر ہند کو ایک ایسی بے ضابطہ مجلس ترتیب دینا ہی پڑیگی؛ اس لئے ان کی رائے میں یہ بہتر ہے کہ ایک ایسی مجلس کو جس کے ساتھ روایات و اختیارات والہتہ میں باقی ہی رہنے دیا جائے“

یہ تو ایک واضح حقیقت ہے کہ جوں جوں خود ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کا میدان وسیع تر ہوتا جائے گا اس مجلس کے فرائض محدود تر ہوتے جائیں گے۔

مجوزہ اصلاحات کی دوسری چیزوں کے متعلق ہندوستانی رائے عامہ میں سخت اختلاف تھا۔ واقعہ یہ ہے، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ہندوستان کی ان جماعتوں میں جن میں سے ایک تدریجی ترقی کی حامی ہے اور دوسری جو کسی قسم کی سیاسی غلامی کو فضول سمجھتی ہے، اختلاف کی تخلیج وسیع ہوتی گئی۔ اعتدال پسند گروہ کی جماعتیں یکے بعد دیگرے الگ ہونے لگیں اور اس کے ساتھ ہی انتہا پسند قوم پروروں نے انتہائی مطالبات پیش کرنے شروع کر دیے۔ اگست ۱۹۱۷ء میں ہائیکو چمپفور ڈپورٹ پر خور کرنے کے لئے انڈین نیشنل کانگریس کا جو مخصوص اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا، اس میں اس قسم

۱۹۱۷ء میں انتہا پسند جماعت صریحاً انقلاب پسند ہو گئی ہے اس پر آئندہ باب میں بحث کی گئی ہے۔

۱۹۱۷ء میں انتہا پسند جماعت صریحاً انقلاب پسند ہو گئی ہے اس پر آئندہ باب میں بحث کی گئی ہے۔

کی تجاویز منظور کی گئیں کہ تمام برطانوی ہندوستان کو ۱۵، اور صوبوں کو ۶ سال کے اندر کامل ذمہ دار حکومت دیدی جائے اور اس اثنا میں قانون عدالت اور پولیس کے محکمے بدستور محفوظ رہیں۔ اس کے چار چھینے بعد ہی کانگریس کے سالانہ اجلاس میں صوبوں کی فوری کامل ذمہ دار حکومت کا مطالبہ پیش کر دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس میں ایک تحریک منظور کر کے جس کو بعد میں وفد کانگریس نے متفقہ منتخب کمیٹی کے سامنے بھی پیش کیا، یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کے جدید آئین میں ایک "اعلان حقوق" بھی شامل ہونا چاہیے۔ اس کی دو خاص دفعات یہ تھیں۔

"(دب) کہ ملک معظم کی ہندوستانی رعایا کا کوئی رکن کسی عدالت عامہ میں عام قانونی مقدمہ میں سزا پائے بغیر کسی وقت بھی اپنی آزادی جان، مال یا آزادی تحریر یا تقریر، یا کسی جماعت کی شرکت سے محروم نہ رکھا جائے گا۔"

"(د) کہ مطالب آزاد ہوں گے، اور رجسٹری کے وقت کسی اخبار یا مطبع سے کسی قسم کی کوئی ضمانت نہ لی جائے گی۔"

ان مطالبات کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تشریح کی ضرورت ہے۔ تجربہ سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ طویل تعویق اور گواہوں کی منظم تحویل کی وجہ سے عام قوانین ان "نراجی" جرائم کو جیسے کہ لارڈ کرزن کی ۱۹۱۹ء کی تقسیم بنگال کے بعد ہونے لگے تھے، موثر طریقہ سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں جنگ کے زمانے میں قانون مدافعت ہند بنایا گیا، اور اس سے حکام پہلی مرتبہ اس قابل ہوئے کہ وہ نراجی تحریک کے سلسلہ میں جو قتل و غارت گریاں ہو رہی تھیں، ان کی موثر طریقہ سے روک تھام کریں۔ اس کے ذریعہ سے جو اختیار دئے گئے تھے وہ یہ تھے: (۱) کہ خطرناک سیاسی مشتبہ اشخاص کو ان کے گھروں میں یا کسی دوسری جگہ نظر بند کر دیا جائے۔ (۲) ان اشخاص کے جو خطرناک سیاسی جرائم کے مرتکب ہوں، مقدمات ایسی جماعتی عدالتوں میں پیش ہوں جو اعلیٰ ترین عدالتی اشخاص سے مرکب ہوں،

لیکن ان کا طریقہ کار عام عدالتوں سے زیادہ سرسری ہو۔ سرسڈنی راولٹ کی زیر صدارت (جو کورٹ آف نکلز بیچ کے ایک جج تھے) ایک زبردست تحقیقاتی کمیٹی جس میں دو ہندوستانی ارکان بھی تھے ۱۹۱۵ء میں بنائی گئی اس کا کام یہ تھا کہ وہ ہندوستان کی نراجی تحریکات کی تحقیقات اور ان ذرائع پر جو اختتام جنگ پر قانون مدافعت ہند کے اٹھ جانے کے بعد عمل میں آئیں گئے، خصوصیت کے ساتھ غور کرے۔ حالات کی کامل تحقیقات کے بعد کمیٹی نے متفقہ طور سے اس بات کی سفارش کی کہ ایک ایسے قانون کی جو قانون مدافعت ہند کے اصول پر مبنی عزیمت ہند میں بڑھانے کی ضرورت ہے۔ حکومت ہند نے اس سفارش کو عملی جامہ پہنایا، اور تقریباً متفقہ و مسلسل مخالفت کے باوجود یہ قانون تین سال کیلئے تقریرات ہند میں داخل کر دیا گیا عام طور پر اس قانون کو 'راؤلٹ قانون' کہتے تھے اور اگرچہ ہندوستان کے کسی حصہ میں یہی اس سے کام نہیں لیا گیا، لیکن اس کے ذریعہ حکام کو قانون مدافعت کی طرح خطرناک سیاسی جرم کے انسداد کے لئے ضرورت کے وقت خاص اختیارات گئے استعمال کا موقع مل گیا۔

تجربے نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ اگر اخبارات یا تقریروں کے ذریعہ اشتعال انگیز خیالات کی اشاعت کی جا رہی ہو تو ان کے انسداد کے لئے بھی خاص اختیارات کی ضرورت ہے۔ اس خیال سے عام قوانین کے علاوہ ۱۹۱۷ء کا قانون مطابع اور ۱۹۱۷ء کا قانون مجالس باغیانہ، تعزیرات ہند میں شامل کر دیئے گئے، حالانکہ عملاً برطانوی ہند میں بڑی حد تک آزادی صحریہ و تقریر حاصل ہے۔

اب ان واقعات کی روشنی میں ہم کوپرنٹنگ کالگریس کے اس مطالبہ پر جو اعلان حقوق کے نام سے مشہور ہے، غور کرنا مناسب ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مجلس مقننہ کے حقوق کو اس طرح کے کسی تحریری وثیقہ سے ذریعہ سے مسدود کرنا برطانوی دستور کی روایات کے بالکل خلاف ہے، اگر ہندوستان کی رائے عامہ 'راؤلٹ قانون'، قانون مطابع، قانون مجالس باغیانہ

وغیرہ کو منسوخ کرنے کی حمایت میں ہو تو یہ کام مجلس مقننہ ہند کا ہے، جسے (عہد اصلاح سے پہلے) ان کو تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا تھا۔ اس قسم کے قانون کے متعلق جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا جا رہا تھا، ان کے مطابق بہترین طریقہ کار وہی تھا، جو حکومت ہند نے اختیار کیا، اس نے اصلاح شدہ مجلس مقننہ ہند کے ارکان کی دو کھیٹیاں مقرر کیں، جن میں سے ایک کا مقصد یہ تھا کہ قانون مطابح کے نفاذ پر غور کرے اور دوسری کا یہ تھا کہ وہ راولٹ قانون اور قانون مجالس باغیانہ کے قسم کے قوانین کی ضرورت و حدود کے متعلق واقعات کا مطالعہ کرے۔

ان دو کمیٹیوں نے جو رپورٹیں پیش کی تھیں، ان پر حکومت ہند کا ردروا کر چکی ہے۔ ستمبر ۱۹۱۹ء میں مجلس مقننہ ہند میں قانون مطابح اور جنوری ۱۹۲۰ء میں مجلس مملکت میں بعض استبدادانہ قوانین کی جن میں قانون مدافعت ہند (جو زمانہ جنگ میں منظور ہوا تھا) اور راولٹ قانون شامل تھے، تلمیح کی تجاویز پیش کی گئیں۔ ان قوانین پر غور کرنے کے لئے جو کھیٹی مقرر ہوئی تھی، اس نے اس قاعدے پر کہ بلا کسی مقدمہ کے کسی کو آزادی سے محروم کر دیا جائے، یہ تنقید کی: کہ یہ اصول موجودہ اصلاحات کے منافی ہے۔ یہ تینوں مسودے اب قانونی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اب اس قسم کے صرف دو قانون منسوخ ہونے سے باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے ایک تو فوجداری قانون ترمیم تعزیرات ہند حصہ ۳ ۱۹۰۹ء ہے جس کے ذریعہ سے انقلابی جماعتوں (مثلاً جماعت رضا کاران) کو توڑا جاسکتا ہے، اور دوسرا قانون مجالس باغیانہ ہے جس کے ذریعہ سے انقلابی مجالس ہند کی جاسکتی ہیں۔ اس کھیٹی نے (جو دو یورپین اور سات ہندوستانی ارکان پر مشتمل تھی اور جس کا صدر حکومت ہند کا قانونی رکن تھا جو خود ہندوستانی تھا) اپنی رپورٹ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۱ء میں لکھا ہے کہ موجودہ خطرناک صورت

کو جو آئندہ چیل کر اس سے بھی زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے،
پیش نظر رکھتے ہوئے، ہماری رائے میں یہ ایک عاقبت
اندیشانہ فعل ہو گا کہ ان قوانین کی تینخ کسی بہتر وقت تک کے
لئے ملتوی کر دی جائے۔“

۱۹۲۳ء میں ہند کی درخواست پر ایک اور کھیلی بھی مقرر کی گئی ہے جو
(مارچ ۱۹۲۳ء) ان مخصوص قومی مراعات پر جو قوانین کے ذریعہ یورپی
(اور امریکن) اصحاب کو حاصل ہیں، غور کر رہی تھی۔ عدالت فوجداری میں جو
خاص رعایت کسی یورپی برطانوی رعایا کو حاصل ہے
وہ یہ ہے کہ اس کے مقدمہ کی سماعت ایک ایسی جوری کرے گی
جس کے کم از کم نصف ارکان یورپی (یا امریکن) ہوں گے۔

باب (۴)

اصلاح شدہ آئین

۱۹۱۹ء کا قانون حکومت ہند، ہندوستان کے جدید دستور کا قانونی ڈھانچہ ہے۔ ان قوانین کی طرح جن پر بڑی بڑی برطانوی نوآبادیوں نے ذمہ داری حکومت کی مجالس کا انحصار ہے، یہ بھی برطانوی پارلیمنٹ کا قانون ہے۔ بایں ہمہ یہ ۱۹۱۹ء کا قانون مکمل یا ہمہ گیر طریقہ کا قانون نہیں ہے۔ عملاً تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ ترمیمی قسم کا قانون ہے، اور اس کی دفعات جن کے ذریعہ سے ہندوستانی دستور میں بعض نہایت اہم تبدیلیاں ہو گئی ہیں، قانون حکومت ہند ۱۹۱۹ء ہی میں درج کر دی گئی ہیں۔ یہی وہ قانون ہے، جس کے ذریعہ سے سب سے پہلے تمام برطانوی ہند کے لئے ایک دستور بنایا گیا۔ موزوں لفظوں میں اس قانون اپنی ترمیمات کے بعد "قانون حکومت ہند" کے نام سے موسوم ہو گا اور اس کے بعد جو بھی تبدیلیاں ہوں گی وہ اس کی (یا بعد میں اس کے ماتحت جو قواعد مرتب کئے جائیں) ترمیم ہی کہلائی جائیں گی، اس کے علاوہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، یہ ۱۹۱۹ء

سے دیکھو دفعہ ۴۴۱ قانون حکومت ہند ۱۹۱۹ء۔

کا قانون حکومت ہند اگرچہ ہندوستان کے جدید قانون کا آئینی ڈھانچہ ہے تاہم بہت سے تفصیلی امور ایسے ہیں جن میں اس میں ہاتھ نہیں لگایا گیا چنانچہ قانون کے ساتھ جو ضمیمہ قواعد بنائے جائینگے، وہ اس کمی کو پورا کریں گے۔ یہ صورت حال ہندوستان کے مروجہ اصول و وضع قوانین کے بالکل مطابق ہے اور اس سے دوہرا کام انجام پاتا ہے؛ ایک طرف تو پارلیمنٹ ان تفصیلات کی زحمت سے بچ جاتی ہے جو ہندوستان ہی میں بہتر طریقہ سے طے کی جاسکتی ہیں اور دوسری طرف یہ امر نہایت آسان اور سہل ہو جاتا ہے کہ اگر تجربہ یا سیاسی ترقی کے اعتبار سے کوئی تبدیلی کرنی مناسب ہو تو اسے فی الفور عمل میں لے آیا جائے۔ ان قواعد کا یا ان میں جو بھی تبدیلیاں ہوں گی ان کی حکومت ہند ذمہ دار ہوتی ہے (البتہ وزیر ہند کی منظوری ضروری ہے) لیکن آخری تصدیق کے لئے ان کو مسودہ یا آخری صورت میں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ قواعد آخری صورت میں پیش کئے جائیں تو پارلیمنٹ تیس دن کے اندر تاج کی خدمت میں عرضداشت پیش کر کے اس بات کی درخواست کر سکتی ہے، کہ اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا جائے۔ لیکن اگر مسودہ کی صورت میں پیش کئے جائیں، تو وہ دونوں ایوانوں کی ایک تجویز کے بعد علی حالہ یا ترمیم کیساتھ منظور کر لیا جاتا ہے۔ اس قانون کے ماتحت جس قدر قواعد مرتب کئے گئے، ان کے لئے مؤخر الذکر طریقہ ہی کام میں لایا گیا۔ مسودات اپنی آخری صورت میں پیش کئے گئے اور پارلیمنٹ نے ان مسودات کو جن کو حکومت ہند نے ترتیب دیا تھا، اور جن کو بعد میں دونوں ایوانوں کے ارکان کی متفقہ منتخب کمیٹی کی سفارشات کے بعد جس نے خود اس قانون پر نظر ثانی کی تھی منظور کر لیا گیا۔ اس طرح سے جو قواعد بنائے گئے، ان کو قانونی حیثیت حاصل ہوگئی، اور ہندوستان کی کوئی مجلس مقننہ بھی ان میں کسی قسم کی ترمیم یا تبیح نہیں کر سکتی۔

۱۹۱۹ء کے قانون حکومت ہند کو ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کو شاہی منظوری

عطا ہوئی۔ اس کے بعد سال کا تقریباً بیشتر حصہ اس قانون کے ماتحت قواعد اور رائے دہندوں کی فہرستوں کی ترتیب میں صرف ہوا۔ متفقہ منتخب کمیٹی نے ان قواعد کے مسودات پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا کہ، حکومت ہند اور مقامی حکومتوں نے اس بڑے کام کو نہایت خوبی سے انجام دیا ہے، نومبر میں انتخابات عمل میں آئے، جنوری سلسلہ کے پہلے ہفتہ میں اصلاح شدہ آئین کے مطابق جماعتہائے عاملہ عالم وجود میں آئیں، اور جنوری و فروری میں صوبوں کی اصلاح شدہ مجالس مقننہ کی رسم افتتاح ادا کی گئی۔ ۹ فروری سلسلہ کوٹلوک آف کنٹری نے باضابطہ جماعت مقننہ ہند کا افتتاح کیا، اس کے ایک دن پہلے ڈیوک نے ایوان و ایوان ریاست (نرندرنڈل) کا افتتاح کیا تھا اور اس طرح ان باضابطہ مجالس مستقل شکل دیدی گئی جن کو بڑے بڑے و ایوان ریاست منقاد کیا کرتے تھے اور جن میں دیسی ریاستوں کے مسائل پر خصوصاً، اور ان مسائل پر جو ان کے ادب برطانوی ہند دونوں کی دلچسپی کا باعث تھے، عموماً بحث کی جاتی تھی۔

دو عملی طرز کا یہ بے نظیر آئین، ہندوستان میں رائج کر کے اور ہندوستان کے بڑے صوبوں کو قدیم قسم کی جماعت عاملہ کے ساتھ حکومت خود اختیاری کا ایک حصہ شریک ہو جانے سے جو عام دلچسپی پیدا کر دی تھی، وہ اتنی زیادہ ہے کہ خوف ہے کہ طالب علم دستور ہند کی ایک ممتاز خصوصیت کو جو خاص اہمیت رکھتی ہے نظر انداز نہ کر دے۔ یہ خاص امتیاز ایک قسم کے دفاعی اصول پر، ہندوستان کی مرکزی اور صوبوں کی حکومتوں کو الگ کرتا ہے۔ اس تغیر کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ہم یاد دلانا چاہتے ہیں کہ سلسلہ ۱۸۳۳ء سے اس وقت تک ہندوستان کا دستور العمل یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے، مکمل مرکزیت قائم رکھی جائے۔ ۱۸۳۳ء کے ریگولیشن ایکٹ کے ذریعہ بھجی اور مدراس کے احاطوں کو جنگ یا صلح (یعنی امور خارجہ) کے معاملوں میں بنگال کے گورنر جنرل اور کونسل کے ماتحت کر دیا گیا تھا، لیکن اندرونی

ملکی انتظام میں وہ بالکل آزاد تھیں۔ ۱۸۳۳ء کے چارٹر ایکٹ (قانون مشورہ) کے ذریعہ فورٹ ولیم کالج کا گورنر جنرل، ہندوستان کا گورنر جنرل بنا دیا گیا اور اس کی دفعہ ۳۹ کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا کہ ہندوستان کے تمام مذکورہ علاقوں کے تمام ملکی فوجی اور مالی معاملات کی نگہداشت، ہدایت اور اختیارات گورنر جنرل اور اس کی مجلس کے قبضے میں ہوں گے۔ تم کو اس طرح نظر آئے گا کہ یہ قانون مال اور ملکی انتظام دونوں پر یکساں حاوی ہے، اور ۱۸۵۸ء تک جب سے کہ صوبے خود کو مسائل آمدنی پر حاوی ہو گئے وہ رویہ جو مقامی حکومتیں خرچ کرتی تھیں، مرکزی خزانہ سے آتا تھا۔ اسی ۱۸۳۳ء کے چارٹر ایکٹ کے ذریعہ وہ اختیارات جو بھٹی اور مدراس کی مجالس مقننہ استعمال کرتی تھیں، ان کی حکومتوں سے لے لیے گئے اور ۱۸۶۱ء کے قانون مجلس ہند کی منظوری تک برابر یہی صورت حال قائم رہی۔

قبل اس کے کہ ۱۹۱۹ء کی ترمیمات عالم وجود میں آئیں، قانون حکومت ہند کی ۱۹۱۵ء کی دفعہ ۳۳ کے مطابق حکومت ہند کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل تھے۔

”حکومت ہند کے ملکی و فوجی انتظامات کی نگہداشت، ہدایات و اختیارات گورنر جنرل باجلاس کونسل کو دئے گئے ہیں اور ان کے لئے لازمی ہے کہ وہ وزیر ہند کے ان تمام احکام کی جو وقتاً فوقتاً ان کو ملتے رہیں، پوری پوری اطاعت کریں“

”اسی طرح دفعہ ۴۴ حکومت ہند اور صوبوں کی حکومتوں کے تعلقات کو ظاہر کرتی ہے“

”ہر مقامی حکومت گورنر جنرل باجلاس کونسل کی کامل اطاعت کرے گی، اور اپنی تمام کارروائیوں یا ایسے معاملات سے، جن کی اطلاع ضروری ہو، یا جن چیزوں کے متعلق وہ اطلاعات حاصل کرنا چاہئے ہمیشہ ہدایت ہوشیاری سے اس کو آگاہ رکھے گی، اور اپنے صوبہ کی حکومت کے تمام معاملہ میں، اس کی نگہداشت ہدایت و اختیارات کے ماتحت رہے گی“

ہندوستان جیسے وسیع ملک کی حکومت کی مرکزیت نظری حیثیت سے کتنی ہی مکمل کیوں نہ ہو عملاً اس میں ترمیم کرنا ہی پڑتی ہے، اور وزیر ہند نے حکومت ہند کو اور حکومت ہند نے صوبوں کی حکومتوں کو بعض شرائط کے ماتحت جدید اخراجات کی منظوری کے متعلق جو اختیارات دے رکھے تھے اس کے علاوہ بہت سے تفصیلی معاملات میں (اور خصوصاً ۱۹۰۹ء کے مامور شاہی متعلق اصول لامرکزیت Royal commission on Decentralization کے بعد سے) بہت کچھ آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں اسی لئے جب تک پارلیمنٹ کے قائم مقام کی حیثیت سے وزیر ہند حکومت ہند کے تمام معاملات کا ذمہ دار ہے اس وقت تک اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے حقوق ہر قسم کی غلطی سے محفوظ رہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب تک برطانوی پارلیمنٹ وزیر ہند کو حکومت ہند کے تمام محکموں کے انتظام کا ذمہ دار سمجھتی رہے، اس وقت تک اسے اپنی اس ذمہ داری کے فرائض انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستانی معاملہ میں اس کے احکام ناطق ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ خواہ عام ہندوستانی رائے کا خیال کرے یا کسی ایسے شخص کو جو موقع پر موجود ہو، اپنے اختیارات دیدے۔

۱۹۰۶ء ہی سے جب کہ اصول لامرکزیت کی تحقیقات کے لئے شاہی مامور یہ مقرر ہوا تھا، حکومت ہند کی تمام تر توجہ اس لامرکزیت کے مسئلہ کی طرف مبذول رہی ہے۔ لارڈ ہارڈنگ نے وائسرائے ہونے کے ساتھ ہی اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور انھوں نے اپنے ۲۵ اگست ۱۹۰۶ء کے مراسلہ میں جو ”مراسلہ دربار تاجپوشی“ کے نام سے مشہور ہے، لکھا تھا کہ ان کے نزدیک اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ”صوبوں کی حکومت کو تدریجی طریقہ پر حکومت خود اختیاری دی جائے کہ جہاں تک کہ ہندوستان کے ایسے صوبوں کا جو اپنے صوبہ واری انتظام میں خود مختار ہوں، ایک مجموعہ بن جائے، اور حکومت ہند ان سب کے اوپر ہو“ یہ حل دراصل ان اصلاحات سے جو عملی طور سے ۱۹۱۹ء میں عالم وجود میں آئیں، بہت زیادہ مشابہ ہے۔

مکن تھا کہ آزادی صوبہ کے وہی معنی لئے جاتے، جو جان برائٹ نے عرصہ ہوا بتائے تھے، یعنی بڑے صوبے خود بلا واسطہ مرکزی حکومت ہند کے پارلیمنٹ کے ماتحت ہوں، (د)۔ لیکن لارڈ ہارڈنگ کے دماغ میں جو خیال تھا وہ یقیناً یہ نہیں تھا۔ یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ ایک مرکزی حکومت کا وجود ضروری ہے، صوبہ کی خود مختار حکومت کے بجز اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں، اگر پارلیمنٹ جو مرکزی حکومت کی نگہداشت کرتی ہے، صوبہ کے معاملات میں مداخلت کرنے سے باز رہے۔ ۹۔ اس کیساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پارلیمنٹ صوبوں کے معاملات میں دست بردار ہو تو آخر یہ دست برداری کس کے حق میں ہوگی؟۔ جب یہ مسئلہ حقیقتاً ایک اصولی مسئلہ کی حیثیت سے بالآخر زیر بحث آیا تو یہ صاف طور سے ظاہر ہو گیا کہ وسٹ منسٹر سے حکومت نہ کرنے کا واحد بدل صرف سواراچ یا ہوم رول ہی ہو سکتا ہے۔

یہ مناسب معلوم ہوا کہ قانون (اصلاحات) ہند ۱۹۱۹ء کی پہلی دفعہ اور پہلی ذیلی دفعہ مندرجہ ذیل چیزوں کے ذریعے سے قواعد کی ترتیب کے اصول قرار دیئے جائیں، چنانچہ قرار پایا کہ قواعد مفصلہ ذیل کی رپورٹ شائع کی جائے۔

”الف) مرکزی حکومت کے متعلق کون کون سے شعبے ہوں اور صوبوں کی حکومت سے متعلق کون کون سے، اور صوبہ کی حکومت اور صوبہ کی مجالس مقننہ کے کیا کیا فریضے ہوں اور گورنر جنرل کونسل میں اور مجلس مقننہ ہند کے کیا کیا فریضے ہوں اور صوبوں کی حکومتوں کو کن کن باتوں کا اختیار دیا جائے، اور اور مالگزاروں اور دوسری آمدنیوں میں سے کون کون سے صوبوں کی آمدنیاں دی جائیں۔“

(ج) ... اور (د) صوبوں کو جو شعبے متعلق کئے گئے ہیں ان میں سے کون کون سے شعبے ہوں اس قانون میں ”شعبہ جات مفوضہ“ کے نام سے موسوم ہیں، گورنر اور اس قانون کے ماتحت مقرر کردہ وزیر کے انتظام کرنے کے لئے دیئے جائیں، اور اس انتظام کے لئے مالگزاروں یا آمدنی کا کوئی حصہ مخصوص کیا جائے۔ ۹۔

انتقالی قواعد کے ضمیمہ اول کے حصہ اول میں جس میں اس قانون کے عطا کردہ اختیارات کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے اس میں مرکزی محکموں کی ایک فہرست دی ہوئی ہے یہ محکمے حکومت ہند اور مجالس مقننہ ہند سے متعلق ہیں ان میں اہم ترین درج ذیل ہیں :-

(۱) مدافعت رپولیس کے علاوہ۔

(۲) بیرونی اور خارجی امور۔

(۳) دیسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات۔

(۴) ذرائع حمل و نقل ڈٹریموے اور ہلکی ریلوں کے علاوہ ڈاک اور تار۔

(۵) بڑے بڑے بندرگاہ: بحری بار برداری و جہاز رانی۔

(۶) زر مروجہ و تسلیک۔

(۷) قومی قرضہ، سیونگ بینک، مردم شماری، دیگر اعداد و شمار۔

(۸) تجارت و کمپنیاں: پنٹنٹ، حفاظت حقوق، اور معدنیات کا انتظام۔

(۹) چنگی، روٹی پر محصول، محصول آمدنی، ٹیک۔

(۱۰) افیون کی زراعت اور تیاری اور برآمد کے لئے افیون کی فروخت۔

(۱۱) دیوانی و فوجداری قانون و ضابطہ۔

(۱۲) تحقیقات کے لئے مرکزی مجالس و مدارس، بعض جامعات۔

(۱۳) ہندوستانی سول سروس، پبلک سروس کمیشن (اموریہ۔ ملازمت عکا)

(۱۴) علاقوں کے حدود کی تبدیلی یا صوبہ کے ایسے معاملات کے لئے

وضع قانون، جسے مرکزی جماعت مقننہ کے متعلق قرار دیا جائے۔

(۱۵) وہ تمام معاملات جن کا واضح طور سے صوبے کے ماتحت ہونے

کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔

ضمیمہ اول کے حصہ دوم میں صوبوں کے محکموں کی فہرست ہے اور

ضمیمہ دوم میں محکمات مفوضہ کی فہرست ہے جو محکموں ہی کے متعلق صوبوں کو

کامل اختیارات دینے گئے ہیں، انتقالی قواعد انتقال اختیارات کے حصہ ۵

میں مندرجہ ذیل امور مندرج ہیں :-

”صوبہ کی مقامی حکومت پر گورنر کی نگہداشت، ہدایات اور نگرانی کے جو اختیارات گورنر جنرل یا جلاس کونسل کو، اس قانون کے ذریعہ ملے ہیں، وہ شعبہ جات مقوضہ کے سلسلہ میں صرف مندرجہ ذیل اعتراض کے لئے استعمال کئے جائیں گے :-

”(۱) مرکزی محکموں کے مفاد کی حفاظت کے لئے۔

(۲) جب دو صوبوں کے درمیان کوئی مسئلہ مابہ النزاع ہو اور وہ اسے طے نہ کر سکیں تو اس کے فیصلہ کے لئے۔“

اس طرح ایک اور قاعدہ (اصلاح شدہ) قانون کی دفعہ ۳۳ کے ساتھ ساتھ وزیر ہند (یعنی خود پارلیمنٹ کے) اختیارات کو محدود کرتا ہے اور وزیر ہند کے اختیارات کے استعمال کے طریقہ کو بھی واضح کرتا ہے۔ وہ صرف مفصلہ ذیل صورتوں میں مداخلت کرے گا :-

(۳) شہنشاہی مفاد کی حفاظت کے لئے۔

(۴) ہندوستان اور برطانوی حکومت کے دوسرے حصص میں جو مسائل پیدا ہوں ان میں حکومت ہند کے درجہ اور حیثیت کے مسائل پیدا ہونے پر حکومت ہند اور وزیر ہند کو اس بات کا بھی اختیار دیا گیا ہے کہ وہ تقریباً یا صوبوں کے قرضوں کے متعلق جو معاہدے ہوں جس میں ہندوستان کا ہائی کمشنر یا وزیر ہند ایک فریق ہوں ان کی طے کرانے کے لئے مداخلت کر سکیں۔

ترویج اصلاحات کے تھوڑے ہی دنوں بعد دارالعوام کے صدر کی ایک خاص کارروائی سے بہتر کوئی چیز بھی ان دستور کی تبدیلیوں کی اصلی اہمیت کو نہیں بتا سکتی۔ پارلیمنٹ کے بعض ارکان نے جو معاملات ہند سے دلچسپی رکھتے ہیں، محکمہ جات مقوضہ کے متعلق بعض سوالات وزیر ہند سے کئے تو صدر دارالعوام نے ان سوالات کو یہ بتاتے ہوئے مسترد کر دیا کہ دارالعوام کے لئے یہ نہایت نامناسب ہے کہ وہ ایسے معاملات میں جو صوبوں کی مجالس مقننہ کے ماتحت ہیں دخل اندازی کرے۔ مختصر یہ کہ صوبہ کی

خود مختاری اور پارلیمنٹ کی نگہداشت، دو جدا گانہ چیزیں ہیں، اسلئے صدر مہیجے طور سے کہا کہ محکمہ جات مفوضہ سے الگ رہے۔

مندرجہ ذیل اہم تفویض کردہ محکمے ہیں:۔

(۱) منشیات اور نشہ آور ادویہ پر معمول آجکاری۔

(۲) مقامی حکومت خود اختیاری (محاسن بلدیہ محاسن ضلع اور دوسری مقامی محاسن)۔

(۳) تعلیم (یورپیوں اور اینگلو انڈین اقوام کی تعلیم کے علاوہ)۔

(۴) صفائی، حفظان صحت، اعداد و شمار متعلق پیدائش و موت۔

(۵) ہسپتال، شفا خانے، پانگل خانے، طبی تعلیم کا بندوبست۔

(۶) امور عامہ، مثلاً سڑکیں، عمارتیں، بلکی ریلیں وغیرہ۔

(۷) صنعت و حرفت کی ترقی؛ اس میں تحقیقات اور صنعتی تعلیم کا بندوبست بھی شامل ہے۔

(۸) زراعت: اس میں تحقیقات، تجربات کا مظاہرہ اور تعلیم بھی شامل ہے۔

(۹) مولیشیوں کے شفا خانے (۲) محاسن امداد باہمی۔

ان منتقل شدہ محکموں کے علاوہ صوبہ کی حکومتیں ان محکموں کا بھی انتظام

کرتی ہیں، جو ”شعبہ جات محفوظ“ کے نام سے موسوم ہیں ان میں سے اہم ترین

ذیل میں درج کئے گئے ہیں۔ ہم ان معاملات کو بھی جن میں صوبہ کی حکومتیں

حکومت ہند کو مدد دیتی ہیں، محفوظ محکموں میں شریک کر سکتے ہیں مثلاً دیسی

ریاستوں کے ساتھ تعلقات، اعداد و شمار، محصول آمدنی؛ یہ ”مننا صوبہ“ ایجنسی

کہلاتے ہیں۔

عہ۔ آسام میں نہیں۔

عہ۔ دیکھو حصہ ۴ قواعد انتظامی۔

عہ۔ صوبہ بنگالی میں یہ ایک مستقل محکمہ ہے۔

- (۱) قوانین اراضی و انتظام مالکداری کی ہر ایک شاخ -
 (۲) امداد و تحفظ -
 (۳) آبپاشی اور آبرسانی اور آبی قوت سے کام لینا -
 (۴) جنگلات -
 (۵) عدالتی انتظامات : اس میں تمام دیوانی و فوجداری عدالتیں شامل ہیں
 (۶) پولیس اور قید خانے -
 (۷) کارخانجات : غیرہ ان کا معائنہ اور مزدوروں کے معاملات عموماً -
 (۸) کارہائے عیسائی -
 مفوضہ اور محفوظہ محکمے ملکہ حکومت صوبہ بنتی ہے جہاں تک انتظامی معاملات کا تعلق ہے، وہاں تک بعض محکمے ایسے ہیں جو بالکل حکومت صوبہ کے ماتحت ہیں لیکن وضع قوانین کے لحاظ سے وہ مجالس مقننہ ہند کے ماتحت ہیں، ان میں اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں :-
 (الف) آبپاشی اور آبی قوت کا استعمال اس حد تک جہاں تک کہ دوسرے صوبوں کا بھی اس سے تعلق ہے -
 (ب) عدالت عالیہ اور عدالتوں کے فوجداری -
 (ج) قید خانے -
 (د) قوانین متعلق کارخانجات اور قوانین متعلق مزدوران عموماً -
 (۵) جدید جاموں کا قیام -
 ایسے محکموں کو انتظامی حیثیت سے تو حکومت صوبہ کے ماتحت اور وضع قوانین میں مرکزی مجالس مقننہ کے ماتحت اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کے متعلق تمام ہندوستان میں ایک ہی قسم کے قوانین ہونا مناسب سمجھا گیا۔
 صوبوں کے ایسے دوسرے محکمے بھی ہیں (مثلاً متدی امراض، امراض مویشی، تباہ کن کیرٹے، یاد دوسرے ہملک جانور اور امراض کے محکمے) جن میں مقننہ ہند کے ماتحت رکھا جاسکتا ہے تاکہ تمام ہندوستان کے لئے یکساں قوانین بنائے جاسکیں۔
 علوان معاملات میں اور اس حد تک صوبہ کی حکومتیں بھی قانون بنا سکتی ہیں، لیکن حکومت ہند سے منظوری لیکر -

ان کے علاوہ ایسے قوانین کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو تمام ہندوستان پر یکساں عائد ہو سکتے ہیں اور جن کے متعلق صوبوں کی مجالس مقننہ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی بنگہ مجھ کو ایک اہم اور عجیب اختیار کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ گورنر جنرل کی منظوری حاصل کرنے کے بعد مجالس مقننہ ہند اور صوبوں کی مجالس مقننہ ہر قسم کے قوانین منظور کر سکتی ہیں (البتہ ایسے قوانین جن سے پارلیمنٹ کے اختیارات پر یا برطانوی دستور کے غیر ملکی قوانین پر رجحان پر رعایا کی اطاعت یا تاج کی حکومت پر اثر پڑتا ہو وضع نہیں کئے جاسکتے) اسی طرح مجالس مقننہ ہند، حکومت ہند پر اور ہر مجلس مقننہ صوبہ اپنے صوبہ کی حکومت پر انٹری حیثیت سے وضع قوانین کے تمام اختیارات پر عادی ہوتی ہے کیونکہ پہلے سے منظوری حاصل کر لینے کے بعد ایک مجلس مقننہ صوبہ حکومت ہند کے محکموں اور مجالس مقننہ ہند کے محکموں کے متعلق قانون سازی کر سکتی ہے۔ تاہم یہ مخصوص اختیارات ہیں لیکن عام حالات کے اندر مجالس مقننہ صوبہ صرف ان محکموں کے متعلق وضع قوانین کا حق رکھتی ہیں جو انتظامی قواعد کے ماتحت الگ الگ ان کے لئے منقسم و مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔

صوبوں کو جو وفاقیہ نام مرتبہ دیا گیا ہے، ان کا اثر مالیات پر بھی پڑتا ہے۔ اس سے جو مسلسل تغیر و تبدل ہو رہا ہے، اس کا مقصد وحید یہ ہے

علا منقول از قوانین (منظوری سابقہ) مقامی مجالس مقننہ۔

۲۔ قوانین وضع کرنے کے اختیارات مقامی اور مرکزی مجالس وضع قوانین کو ساتھ ساتھ حاصل ہیں۔ اس چیز کو بھسنے بھال رکھنا اس وجہ سے مناسب سمجھا گیا کہ مرکزی و مقامی مجالس کے اختیارات کی تجویز اور وضع قانون کرنے سے ایکٹوں کے جواز کی نسبت عدالتوں میں اس بنا پر بحث ہونے لگتی کہ جس مجلس نے ایکٹ وضع کیا ہے وہ اپنے جواز اختیارات سے آگے بڑھ گئی۔ بحالت موجودہ اس قسم کی بحث پیدا ہونی ممکن نہیں کیونکہ ایک صوبہ کے ایکٹ کا جواز خارج از بحث فقط اس بنا پر ہوتا ہے کہ اس کی منظوری لازمی طور پر پہلے ہی گورنر جنرل سے حاصل کر لی گئی تھی۔ مقابلہ کر داس شرطیہ عبارت سے جو (ریکارڈ) ایکٹ کی دفعہ (۱۰) میں مندرج ہے۔

کہ جس صورت سے بھی ہو، صوبوں کو آزاد ذرائع آمدنی پیدا کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن قانون ۱۹۱۹ء تک نہ تو صوبوں کو مستقل آزادانہ مالی آزادی دی گئی تھی اور نہ قانوناً ان کے اختیارات تسلیم کئے گئے تھے۔ یہ تبدیلی ۱۹۱۹ء کے موازنہ سے نظر آتی ہے۔ جب ۱۹۱۹ء کے بعد پہلی مرتبہ حکومت ہند کے آمد و خرچ سے صوبوں کا حساب الگ کیا گیا، مندرجہ ذیل امور کے صوبوں کی طرف منتقل ہو جانے کی وجہ سے مالی خود مختاری کے ساتھ بعض نئی ذمہ داریاں پیدا ہو گئی ہیں (۱) ابرسانی کے کاموں کے لئے جواب صوبہ سے متعلق ہو گئے ہیں، اخراجات کی ذمہ داری (۲) قحط کے لئے رقم محفوظہ کا ہر سال جمع کرنا، (۳) صوبوں کے سابقہ قرضہ جسے صوبوں کو سالانہ بارہ قسطوں میں ادا کرنا چاہئے، اس کے ساتھ ہی انھیں بعض جدید مراعات بھی حاصل ہوئی ہیں۔ صوبوں کی حکومتوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ صوبہ کی ضمانت پر ہندوستان کے اندر یا باہر حصول قرضہ کے متعلق گفتگو کر سکتی ہیں۔ صوبوں کی مجالس مقننہ کو بھی اختیار دیا گیا ہے کہ مقامی مجالس مثلاً مجالس بلدیہ، مجالس اضلاع یا صوبوں کے دوسرے کاموں کے لئے خود جدید محصول لگا سکتی، یا لگانے کا اختیار دے سکتی ہیں۔ اس سے پہلے یہ اختیار حکومت ہند کی منظوری پر جماعت عاملہ کے ذریعہ سے انجام پاسکتا تھا۔ لیکن اسے کبھی بھی عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ اگر یہ نیا ٹیکس فہرست میں درج ہے تو اس کے لئے اول الذکر کی منظوری کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

ہندوستانی مالیات کی مرکزی اور صوبوں کی حکومت میں جو تقسیم ہوئی ہے وہ اس تقسیم کے مطابق ہے جو محکموں کی مرکزی اور صوبہ داری حکومتوں میں کی گئی ہے۔

۱۔ قانون کی دفعہ (۱) وزیر مقامی حکومت کے قوانین (قرضہ) جو اس دفعہ کے ماتحت بنائے گئے ہیں۔
۲۔ مقابلہ کردہ قواعد متعلقہ حاصل :-

چنانچہ مندرجہ ذیل آمدنی کے خاص مدعو عنوانات ہیں۔

صوبہ	مرکزی
مالگناری	چنگی
آبکاری (شرب و شیشی ادویہ)	محصول آمدنی
آب رسانی	ریل
جنگلات	ڈاک اور تار
ٹکٹ (عدالتی و غیر عدالتی)	تہک
فیس رجسٹری	برآمد افیون

تاہم اس واضح تقسیم میں دو مستثنیات کو مدنظر رکھنا چاہئے؛ ایک طرف تو یہ کہ کسی صوبہ کے محصول آمدنی کی رقم زیادتی کی وجہ سے جو رقم بڑھ گئی، اس میں سے ۲۵ فیصدی رقم اس صوبہ کی حکومت کی ہوگی، دوسری طرف صوبوں کو مرکزی خزانہ کیلئے ایک رقم جو ابتداءً مجموعی حیثیت سے دس لاکھ پونڈ مقرر کی گئی تھی، دینا ہوگی۔ امید ہے کہ مرکزی حکومت کی آمدنی جوں جوں بڑھتی جائے گی، صوبہ پر سے یہ بار ہٹتا جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی طے پایا ہے کہ ضرورت کے وقت اس سے زیادہ رقم بھی صوبوں سے طلب کی جاسکتی ہے۔

صوبہ کے مفوض اور محفوظہ محکموں کے درمیان آمدنی کی، اس اصول پر تقسیم ہو، اس کا فیصلہ حکومت کا وہ حصہ جو محفوظہ محکموں کے انتظام کا ذمہ دار ہے اور وہ حصہ جو محکمہ جات مفوضہ کا ذمہ دار ہے، تاہم کہ لینے کے لئے اگر یہ حصہ جات حکومت اس قسم کا کوئی فیصلہ نہ کر سکیں تو خود گورنر اپنی سمجھ سے یا اس ثالث کے مشورہ کے مطابق جسے گورنر جنرل مقرر کرے صوبہ کی آمدنی

اور باقی رقم کو محفوظ اور منتقل محکموں میں تقسیم کر دے گا، اس تقسیم میں وہ ہر محکمہ کے لئے ایک مخصوص رقم مقرر کرے گا، اور یہ تقسیم اس مجلس مقننہ کی بقا تک نافذ رہے گی۔ یہ تقویض کردہ محکموں کے اخراجات اس رقم سے جو ان کے لئے مقرر کی گئی ہو یا جو کسی خاص ٹیکس کی جو اسی غرض سے عائد کیا گیا ہو، پورے کئے جائیں گے اور ان کا تعین مجلس مقننہ کی رائے کے مطابق ہوگا۔ (البتہ کسی ایسی عکسگی کی تخلیق، تہنیک یا تنخواہ پر نظر ثانی کا فیصلہ جس کا تقرر عموماً وزیر ہند کرتا ہے، یا ایسی ملازمت کا جس میں اسی قسم کے مشاہرے مردوج ہوں وزیر ہند کی کونسل کی منظوری حاصل کرنے کے بعد ہوگا) دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس قسم کے اخراجات پر وزیر ہند یا جلاس کونسل یا مرکزی حکومت کو اختیار حاصل نہ ہوگا، اور یہ صوبہ کی مالی خود مختاری کی ایک صورت ہے۔

مالی ذمہ داریوں کی روز افزوں ترقی کے ساتھ ہر صوبہ میں ایک مضبوط محکمہ مالیات کے قیام کا بھی بند و بست کیا گیا ہے۔ اس کا صدر گورنر کی جماعت عاملہ کا ایک رکن ہوگا اور اس کے ساتھ ایک مختصر مالیات بھی ہوگا اور اگر وہ مالیات کی خواہش ہو تو ایک شریک تہ بھی ہو کر یا جاسکتا ہے جس کے ذمہ یہ کام ہوگا کہ تقویض کردہ محکموں کے سلسلے میں جو آمدنی و خرچ ہو اس کو خاص طور سے دیکھے اور وزیر اچھو محصول لگانے یا جدید قرضے لینے کی تجاویز پیش کریں ان پر غور کرے اور کارروائی کرے۔

(۳)

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہندوستان کی ذمہ دارانہ حکومت کی بنیاد صرف ایک طرح کی وفاقی حکومت ہی ہو سکتی ہے، اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ یہ تدریجی طریقہ سے قائم کی گئی ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ہمہ گیر

۱۰ حصہ ۳۲، ۳۳ از قواعد امتحالی۔

۱۱ حصہ ۳ قواعد امتحالی۔

مرکزی حکومت، صوبہ داری معاملات میں اپنے اختیارات سے دست بردار ہو گئی ہے۔ اب ہم کو یہ بتانا ہے کہ یہ انتقال اختیارات ابھی نامکمل ہے اور اس وقت تک نامکمل رہیگا کہ جب تک کہ صوبوں کے تمام معاملات ان خود مختار حکومتوں کے قبضہ میں نہ آجائیں گے۔ جو بڑے بڑے صوبوں میں قائم ہو چکی ہیں (اصلاح شدہ قانون حکومت ہند کی دفعہ ۱۳۱) میں اس کا طریقہ رکھا گیا ہے کہ صوبوں میں سے ہر ایک میں محفوظ محکموں کا انتظام گورنر بلاس کونسل اور محکمہ جات مفوضہ کا انتظام (بجز ان حالات کے جن کی قانون میں تشریح کر دی گئی ہو) گورنر اور وہ وزیر اور جو اس قانون کے ماتحت مقرر ہوں گے کریں گے۔

یہی وہ دو عملی حکومت ہے جو جدید اصلاح کی ممتاز خصوصیت ہے۔ سوال یہ تھا کہ صوبوں میں عام اختیارات کو عمومی حکومتوں کی طرف عملاً اس طرح منتقل کر دیا جائے، کہ اس سے ملکی انتظام میں کوئی نقص نہ واقع ہو ورنہ اس سے طرح طرح کی دشمنیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا ایسی صورت میں جو کچھ بھی کیا گیا، یہی اس مسئلہ کا واحد ممکن حل تھا۔

اگر ہم مفوضہ محکموں کی ہنرست پر نظر ڈالیں تو ہم کو معلوم ہو گا کہ وزراء کو صوبہ کی حکومت میں واقع کیا حصہ ملا ہے حکومت کے جو احکام ان محکموں کے متعلق ہوں، ان کو حکومت صوبہ کے احکام سے بالکل ممتاز رہنا چاہئے

لہ لفظ ڈیاری (دو عملی حکومت) (Dyarchy) (یونانی duo = دو اور arche = حکومت) یہ اصطلاح مورخ نوم من کی وضع کی ہوئی ہے۔ رومن حکومت کے بعض صوبوں میں اس قسم کی دو عملی حکومت تھی اور مجلس سناٹا شہنشاہ کے ساتھ مشترکہ اختیارات استعمال کرتی تھی، اگرچہ di (یونانی dis = دو کوئی) وہ سائبہ ہے جو عموماً اس قسم کے الفاظ کی ساخت میں استعمال کیا جاتا ہے، لیکن عموماً اس لفظ کے بجائے diarchy) سے زیادہ (dyarchy) رائج ہے۔ حقوق اور ڈیاری کی مصنفہ کرٹس مقدمہ صفحہ ۳۲ -
 لہ قانون کی دفعہ ۶ (۱) -

گورنر کے مقابلہ میں وزیر کی جو دستوری حیثیت ہوگی اسے قانون کی دفعہ ۴ میں مندرجہ ذیل طریقہ پر بیان کیا گیا ہے :-
 (۱) ایک گورنری صوبہ کا گورنر ایک اعلان کے ذریعہ سے ایسے انتخاب کو جو اس کی مجلس عاملہ کے ارکان یا دوسرے حکام ہوں، اس غرض سے وزیر مقرر کر سکتا ہے کہ وہ تفویض کردہ محکموں کا انتظام کریں، اور اس طرح جو وزیر مقرر ہوں گے ان کا اپنے عہدوں پر قیام محض گورنری کی خوشی پر منحصر ہوگا۔

(۲) جب تک کوئی شخص مجلس مقننہ کا منتخب رکن نہ ہو یا نہ ہو جائے اس وقت تک عہدہ وزارت پر چھہینے سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔

(۳) تفویض کردہ محکموں میں گورنر وزیر کے مشوروں پر عمل کریگا، لیکن اگر اسے ان کی رائے سے اختلاف ضروری معلوم ہو تو وہ اس مشورہ کے خلاف جو کارروائی چاہے کر سکتا ہے۔

اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ گورنر کو جماعت عاملہ صوبہ کے اندر اپنی ہونے کی حیثیت سے یہ آئینی حق حاصل ہے کہ وہ وزیر کی رائے کو مسترد کر دے، لیکن پھر بھی یہ ایک دوہرا اختیار ہے، کیونکہ وزراء کو بھی ایسے مواقع پر استعفا دینے کا حق ہے، اور اگر وزراء کو جن کا مجلس مقننہ کا رکن ہونا ضروری ہے، اس مجلس کی حمایت و تائید حاصل ہے تو گورنر کے لئے ایسے وزراء کا انتخاب جن کو مجلس مقننہ میں اتنی تائید مل سکے کہ وہ ان محکموں کا انتظام کریں، اگر نامکن نہیں تو سخت مشکل ضرور ہوگا۔ تفویض کردہ محکموں کا انتظام اس اصول پر مبنی ہے، جسے اصطلاحاً "دار حکومت" کہتے ہیں جس کے منہی یہ ہوئے کہ جماعت عاملہ اس حیثیت سے مجلس مقننہ کے ماتحت ہو کہ اس کی تائید کے بغیر کوئی

۱۔ گورنر کو (بذریعہ دفعہ ۱۵، ۱۶) قانون حکومت ہند) مجلس مقننہ کے برخاستہ کا عام حق حاصل ہے، لیکن عملاً صورت حال پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا، تا آنکہ موجودہ مجلس مقننہ اپنی بیشتر مجلس سے پارٹیشن مختلف لاصول نہ ہو اور ایسی ہی حالت میں تبدیلی وزیر اوصیح و قائم رہ سکتی ہے۔

حکومت قائم نہ رہ سکے۔ تو آبادیات کے نظائر کے مطابق صوبوں کے گورنروں کی ہدایت کے لئے خود اعلیٰ حضرت ملک معظم کے دستخطوں سے جو ہدایت نامہ شائع کئے گئے ہیں وہ اہم دستوری مسائل کے متعلق ہدایت کرتے ہیں کسی وزیر کے مشورہ پر غور کرتے ہوئے اور یہ سوچتے ہوئے کہ اس نے جو مشورہ دیا ہے اس سے اختلاف کیا جائے یا نہیں، گورنر کا فرض ہوگا کہ وہ اس تعلق کو جو وزیر کو مجلس مقننہ کے ساتھ ہے اور رائے عامہ کو جسے عوام کے نمائندے اس مجلس کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں، ملحوظ خاطر رکھے اس کے ساتھ ہی اس کا یہ بھی فرض ہوگا کہ اس بات کو بھی پیش نظر رکھے کہ کوئی حکم ایسا نافذ نہ ہوگا جس سے ان مختلف اعضاء میں سے جو یہاں اختلاف اقوام مذاہب تعلیم معاشرت، دولت یا کسی دوسری خاص حالت کی بنا پر موجود ہیں، کسی کو بھی کجا جائز فائدہ پہنچے، یا اسکی وجہ سے ان میں سے کوئی کسی حق یا مراعات سے جس کا وہ اب تک مستحق تھا محروم ہو جائے۔ ہاں اب یہ کہ اگر وزارت کا عہدہ عارضی طور پر برسرِ کار نہ ہو یا عہدہ امتحان کے ذریعہ جو عام اختلال پیدا ہو جائے اس کو دور کرنا ہو تو ایسے حالات کے لئے یہ موقع دیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت گورنر اپنی استناد کے ذریعہ منتقل محکمہ کا انتظام اپنے ذمہ لے سکتا ہے۔

جہاں ایک طرف تفویض کردہ محکموں کے وزراء مجلس مقننہ کے سامنے بلا واسطہ انفرادی حیثیت سے ذمہ دار ہیں، وہاں گورنر بہ اجلاس کونسل نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے محفوظ محکموں کے انتظام میں، جن میں صوبے کے

۱۔ منقول از لوٹ ان ریسپانبل گورنمنٹ (ذمہ دارانہ حکومت) ماسبق۔

۲۔ منقول از ہدایت نامجات دفعہ ۶ و ۷ (الف)۔

۳۔ منقول از قواعد محکمہ جات مفوضہ (انتظام عارضی)۔

۴۔ وزراء کی اجتماعی ذمہ داری جو کابینہ کی ممتاز نشانی ہے، اصولاً تسلیم نہیں کی گئی ہے لیکن تمام دوسرے ممالک کی طرف ہندوستان کی پارلیمینٹی حکومت کا یہ ایک غیر مکتوبی قانون بن جائیگی۔

قیام امن و امان کو بنیادی شے قرار دینا چاہئے، پارلیمنٹ اور صرف پارلیمنٹ کے سامنے جو ابدہ ہے، وزیر ہند جو پارلیمنٹ کا قائم مقام ہے، گورنر جنرل یا جلاس کونسل کو مزید اختیارات دے سکتا ہے، اور اسی طرح موخر الذکر گورنر یا جلاس کونسل کو اور مقصد بھی یہی ہے کہ اس طرح اختیارات منتقل کئے جائیں۔ لیکن اگر ذمہ داری کا طویل سلسلہ قائم رکھنا ہے تو اس سے کوئی انتقال اختیارات عمل میں نہیں آنا چاہئے اور حکومت ہند کا یہ رخ تا متر جیسا کہ ہونا چاہئے اور بے سر تا پایکیساں ہونا چاہئے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گورنر یا جلاس کونسل پر جو نئے فرائض عائد کئے گئے ہیں گورنر کو اس ذمہ داری کے مطابق اختیارات ملنے چاہئیں جو اسے محکمہ جات محفوظ کی بابت حاصل ہیں۔ ہم اس معاملہ کو مفصلہ ذیل نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ باضابطہ انتقال اختیارات کی وجہ سے اب مجلس مقننہ کو محکمہ جات مفوضہ کے بابت آخری فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے، لیکن مجلس مقننہ کو اس بات کا کوئی دستوری حق حاصل نہیں ہے، کہ گورنر کو محفوظ محکموں کے متعلق عاملانہ حیثیت سے جو اختیارات حاصل ہیں، ان میں دخل اندازی کر سکے اس حیثیت سے گورنر کو مجلس مقننہ سے آزاد ہونا چاہئے، خواہ یہ کسی قانون وضع کرنے کا سوال ہو یا محفوظ محکموں کے متعلق انتظام کے لئے سرمایہ کا؛ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے، کہ جہاں کہیں بھی وہ چاہے، وہ مجلس مقننہ کو اپنی بات منوائے، اور جب کبھی مناسب دیکھے اس کی رائے سے اتفاق کر لے۔

محفوظ محکموں کے انتظام کے متعلق گورنر کو جو خاص اختیارات دیئے گئے ہیں، ان میں اولین وہ اثباتی اختیار ہے، جو اسے باضابطہ استناد کے ذریعہ دیا گیا ہے؛ یہ اختیار قانون اصلاحات کی دفعہ ۳۱ سے دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے۔

لے یہ انتقال اختیارات عاملانہ احکام کی رو سے وجود میں آتا ہے اور اصولاً اصلی ذاتی قدرت کے اقتدار اس سے غیر متاثر رہتے ہیں اس ضمن کا کوئی بھی نمبر اختیارات جو وزیر یا گورنر جنرل کی طرف سے عمل میں آئے گا وہ ہمیشہ دفعہ ۳۲ قانون ہند کی رو سے ہو گا۔

رجب کبھی کسی گورنر کی مجلس مقننہ ایسے مسودہ کو جو کسی محفوظ حکم سے متعلق ہو پیش کرنے یا منظور ہونے سے روک دے، تو گورنر کو اس بات کی سند دینے کا اختیار ہے کہ اس مسودہ کی منظوری اس حکم کے فرائض کے انجام کے لئے با ضروری ہے؛ اس سند کے بعد باوجود اس کے کہ مسودہ کو مجلس نے منظور نہ کیا ہو، منظور شدہ تسلیم کر لیا جائیگا اور گورنر کے دستخط کے بعد خواہ اسی شکل میں جس میں کہ وہ پیش کیا گیا تھا یا مجلس مقننہ میں پیش کیا جانے والا تھا، یا جو بھی صورت ہو، اس شکل میں جس میں کہ گورنر نے اسے مجلس کے سامنے پیش کئے جانے کی سفارش کی تھی، وہ مسودہ قانونی شکل اختیار کر لے گا۔

یہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ اس قسم سے منظور شدہ قانون جماعت عامہ کے ایک حکم مثلاً آرڈیننس یا احکام یا اجلاس کونسل سے مخالفت ہے کیونکہ اگر اس قانون کے پیش کرنے کی اجازت دیدی گئی ہوتی تو یہ پہلے مجلس مقننہ میں زیر بحث آتا اور بہت ممکن ہے کہ بحث و مباحثہ کی روشنی میں اس میں ترمیم بھی ہو جاتی۔ اگر گورنر جنرل اس قسم کا کوئی قانون منظور کرے تو فوری ضرورت کے علاوہ ہر دوسری حالت میں اسے حضور ملک منظم باجلاس کونسل کی منظوری کے لئے محفوظ رکھنا چاہئے، اور ہر حالت میں اسے پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہونا چاہئے، تاکہ وہ معاملات ہند کی موجودہ مشترک مجلس معاملات ہند کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کر سکے؛ اگر اس نے ان کو منظور کر لیا تو اس کے معنی یہ ہونے لگے کہ برطانوی حکومت کی کامل منظوری بھی اسے حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں گورنر کو دوسرا اختیار مجلس مقننہ کے مقابلہ میں حق امتناع حاصل ہے یہ حق اس اختیار سے علیحدہ ہے جو اسے کسی مسودہ کے مجلس مقننہ

۱۔ یہ اختیار قانون حکومت ہند (دفعہ ۲۷ کے ماتحت حاصل ہے اور وہ یہ ہے) کہ فوری ضرورت کے وقت برطانوی ہند، یا اس کے کسی حصہ کے قیام امن و بہتری حکومت کے لئے گورنر جنرل وقتی احکام نافذ کر سکتا ہے اور اس قسم کا وقتی حکم صرف چھ ماہ تک وہی قانونی درجہ رکھے گا، جو ہندوستان کی جماعت مقننہ کے منظور کردہ ایسے قوانین کو حاصل ہے۔

سے منظور ہو جانے کے بعد کسی مسودہ کو منظور کرنے کا ہے۔ یہ اختیار اسے قانون (اصلاحات) کی دفعہ ۱۱ (۲) کے ذریعہ دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے:۔
 ”جب کبھی کوئی مسودہ پیش کیا جائے، یا پیش کیا جانے والا ہو، تو اس حالت میں گورنر اس بات کی سند دے سکتا ہے کہ وہ مسودہ یا اسکی کوئی دفعہ یا ترمیم، اس کے صوبہ، اس کے صوبہ کے کسی حصہ یا کسی دوسرے صوبہ کے قیام امن و سکون کے منافی ہے، اور اس کے ساتھ ہدایت کر سکتا ہے، کہ مجلس متقنہ میں اس قسم کا مسودہ یا ترمیم کے متعلق کسی قسم کی بھی کوئی کارروائی نہ کی جائے اور اس کی اس ہدایت پر عمل کیا جائے گا۔“

اسی طریقہ استناد کے ذریعہ گورنر کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ کسی محفوظ محکمہ یا ہدایت ہی فوری ضروری معاملات کے لئے مجلس متقنہ کی منظوری کے بغیر جس قدر رقم چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ یہ اختیارات اسے قانون (اصلاحات) کی دفعہ ۱۱ (۲) کے ذریعہ دئے گئے ہیں، اور وہ یہ ہے۔

”الف) مقامی حکومت کو منظور شدہ رقم کے، مطالبہ کے سلسلہ میں اس بات کا حق ہوگا کہ وہ اس طرح عمل کرے کہ گویا اسے اس کی منظوری مل چکی ہے، خواہ اسے اس رقم کی منظوری نہ دی جائے، یا اس میں سے کچھ تخفیف کر دی گئی ہو، مگر شرط یہ ہے کہ گورنر اس بات کی تصدیق کرے کہ یہ رقم اس محفوظ محکمہ کے فرائض کے انجام کے لئے بسا ضروری ہے، اور (ب) فوری ضرورت کے وقت گورنر کو اس بات کا اختیار حاصل ہوگا کہ ایسی رقم کو جو صوبے کے قیام امن یا کسی محکمہ کے بقا کے لئے ضروری ہو خرچ کرنے کا اختیار دیدیے۔“

تکرار سے بچنے کے لئے اس جگہ یہ بتا دینا بے موقع نہ ہوگا کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل (یعنی حکومت ہند) کو جسے مجلس متقنہ ہند سے وہی تعلق ہے، جو گورنر کو صوبہ واری مجلس متقنہ سے، وہ تمام اختیارات حاصل ہیں، جو استناد کے ذریعہ وجود میں لائے جاسکتے ہیں۔ طریقہ کار میں صرف اسی قدر اختلاف ہے کہ چونکہ مجلس متقنہ ہند و ایوانوں پر مشتمل ہے، اس لئے گورنر جنرل کو اپنے

اتہائی اختیارات کے استعمال میں اس بات کی کوشش کرنا پڑتی ہے، کہ اگر وہ دونوں ایوانوں کی نہیں تو کم از کم ایک کی منظوری ضرور حاصل کر لے، تاہم اسے اس بات کا اختیار ہے، کہ اگر دونوں ایوانوں میں سے کوئی بھی اس کے ایک مسودہ کو منظور نہ کرے، پھر بھی وہ صرف پیش کرنے کے بعد ہی اسے منظور کر سکتا ہے (بشرطیکہ اس کے پیش کئے جانے کی اجازت سے انکار نہ کر دیا گیا ہو)۔

صوبہ واری حکومت کی دو مختلف شاخوں کی طرف متوجہ ہوتے وقت ہم کو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے اختیارات اور ذمہ داریاں بالکل علیحدہ علیحدہ نہیں یعنی ان میں سے ایک کامل طریقہ سے عمومیت و عام پسند اصول کو پیش کرتی ہے، اور دوسری اپنی اتہائی حالت میں (استبدادیت کو) اور اگرچہ اسی بنا پر دونوں اپنے فرائض کے انجام میں الگ الگ مصروف کاریں، لیکن پھر بھی ان کو بعض معاملات میں خصوصاً مالیات میں، تبادلہ خیالات کرنا ہی پڑتا ہے، اور اس بنا پر گورنر پر اس کے ہدایت ناموں میں لازمی قرار دیا گیا ہے کہ :-

”ہم اپنے اپنے ارکان کو نسل اور اپنے وزراء کے باہمی مشاورت کی عادت کو بڑھانے کی کوشش کریں گے، تاکہ تمہارے سرکاری مشیروں کے تجربات سے وزراء مستفید ہو سکیں، اور اس کے ساتھ تمہارے ارکان کو نسل کو وزراء سے یہ معلوم ہو سکے کہ عوام کی کیا خواہش ہے“۔
 آؤ اب ہم اپنے سامنے صوبوی حکومت کی ایک تصویر دیکھیں، جماعت کا افسر اعلیٰ گورنر، مینٹول احاطوں یعنی مدراس، بھلی اور بنگال کے لئے ایسے اشخاص میں سے منتخب کیا جاتا ہے، جو انگلستان کی قومی زندگی میں امتیاز حاصل کر چکا ہو، اور عموماً وہ کوئی نہ کوئی لارڈ ہوتا ہے، اور باقی صوبوں کے لئے عموماً ان لوگوں میں سے منتخب ہوتا ہے، جو انڈین سول سروس کے اتہائی مدارج تک پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ لارڈ سہنا آف رائے پور جو ہندوستان

لے اصولی فرق یہ ہے، کہ موخر الذکر کا تقرر گورنر جنرل سے استصواب رائے کے بعد ہوتا ہے

اور انگلستان دونوں جگہوں میں متنازعہ دلوں پر رہ چکے تھے، انڈین سول سروس کے رکن نہ ہونے کے باوجود بہار و اڑیسہ کے پہلے گورنر بنائے گئے۔ گورنر کی کونسل یوں تو اصولاً ایک سرکاری رکن (جو انڈین سول سروس کا سینئر رکن) اور ایک غیر سرکاری رکن پر (جس نے ہندوستان کی عام زندگی میں خاص شہرت حاصل کی ہو) مشتمل ہوتی ہے لیکن بعض جگہوں میں دو سرکاری اور دو غیر سرکاری ارکان بھی ہوتے ہیں۔ یہ شاخ عموماً گورنر یا جلاس کونسل نہ کہ گورنر مع کونسل کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ ارکان اجتماعی حیثیت سے حکومت کے مترادف ہیں، لیکن گورنر کو ان کی رائے کے استرداد کا آئینی حق حاصل ہے۔ اب حکومت کی اس دوسری شاخ کی طرف متوجہ ہو، جو محکمہ جات مفوضہ کا انتظام کرتی ہے۔ یہ شاخ عموماً دو اور بعض صوبوں میں تین وزرا پر مشتمل ہوتی ہے؛ یہ وزرا جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، مقامی مجلس مقننہ کے منتخب ارکان یعنی صوبہ کے ممتاز سیاسی رہنما ہوتے ہیں۔ وزرا کو وہی مراعات و مراتب اور عموماً وہی تنخواہ ملتی ہے جو ارکان کونسل کو۔ ارکان کونسل اور وزراء کے محکموں کی تقسیم میں مختلف صوبوں میں اختلاف ہے۔

(ذقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) منقولہ دفعہ ۲۴ قانون) تمام گورنروں اور گورنر کی کونسل کے ارکان کا تہرہ بارہ سٹا شاہی ہر تصدیق در اہل سائن ہوں) کے ذریعہ خود ملک معظم کی جانب سے عمل میں آتا ہے۔ لہ آئینی حد چار کی ہے، جن میں سے کم از کم ایک ایسا ضرور ہونا چاہئے کہ جس نے اس تقرر کے وقت تک ہندوستان میں حکومت کی بارہ سال تک ملازمت کی ہو منقولہ دفعہ ۲۴ (مطابق ترمیم) قانون حکومت ہند۔

۲۴ مقابلہ کروماتیس باب ۲۔

۲۴ قانون دفعہ ۴ (۱) میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ جب تک مقامی مجلس مقننہ کوئی کٹر رقم منظور نہ کرے وزرا کی تنخواہ وہی ہوگی جو مجلس عاظمہ کے ارکان کی ہر ایک مجلس میں اس بات پر گرم بحث ہونی لیکن صرف ایک صوبہ یعنی صوبہ تھو وسط میں (جہاں وزرا کی تنخواہ ۳ ہزار مقرر کی گئی) حالانکہ ارکان مجلس عاظمہ کی ۴ ہزار ہے) کم تنخواہ مقرر ہوئی اس مسئلہ میں ہمیشہ وزرا کے وقار کا سوال پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ان ملکی ملازموں کے متعلق جو دو علی حکومت کے ماتحت کام کرتے ہوں، یہ طے پایا کہ وہ حکام جو مفوضہ محکموں میں کام کرتے ہوں، وزراء کے ماتحت ہونگے اور جو دوسرے محکموں میں ہوں، وہ گورنر باجلاس کونسل کے ماتحت ہوں گے۔ البتہ وہ شخص جو مفوضہ اور محفوظ دونوں محکموں کے فرائض انجام دیتا ہو اور اکثر ایسا ہوتا ہے، تو وہ گورنر کے فیصلہ کے مطابق یا تو وزیر کے ماتحت ہوگا یا گورنر باجلاس کونسل کے۔ ان سرکاری حکام کے مفاد کی حفاظت کے لئے جو نئے افسروں کے ماتحت کام کریں یہ قرار پایا ہے کہ کسی ایک ایسے افسر کے جسے وزیر ہند نے ہندوستانی ملازمت کے لئے مقرر کیا ہو یا کسی ایسے افسر کے جسے گورنر نے صوبائی ملازمت کے لئے مقرر کیا ہو، تنخواہ یا تنبیہ کے متعلق کوئی کارروائی اس وقت تک نہیں کی جاسکتی، جب تک کہ خود گورنر کی ذاتی منظوری اس کے لئے حاصل نہ کر لی جائے ایک عام ہندوستانی ملازمت کے رکن کو اس بات کا حق ہے، کہ اگر وہ سمجھے اس کی کسی نہ کسی صورت سے کسی افسر اعلیٰ نے حق تلفی کی ہے تو اس کے احکام کے خلاف مرافعہ گورنر کے یہاں کرے، اس کا گورنر کی منظوری کے بغیر کسی جگہ تقرر نہیں کیا جاسکتا، اور اپنے تقرر کنندہ کے حکم کے بعد موقوف نہیں کیا جاسکتا۔

اب صرف یہ بتانا رہ جاتا ہے کہ یہ دو علی ایک وقتی صورت ہے اور وہ صرف اس وقت تک قائم رہیگی، جب تک یہاں سواراجی حکومت مستحکم نہ ہو جائے۔ جب اس کا یقین ہو جائے گا، تو پارلیمنٹ کا اختیار جو گورنر کی

لے متقول (فدفعہ ۳۶) اور قواعد ۱۰۱ اور ۱۰۲ میں قواعد انتقال امتیارات مجلس مشترکہ معاملات ہند حکومت ہند کے سروس (اصلاحات) پر آؤنی کرتے ہوئے دفعہ ۳۶ میں سفارش کرتی ہے، کہ جو حکام ان جدید حالات کو ناقابل قبول سمجھیں، ان کے لئے دوسرے عہدے جیسا کیئے جائیں یا ان کو ان کے ایام ملازمت کے لحاظ سے پنشن ملے کر الگ ہو جانے کی اجازت دیدی جائے تناسب ایام ملازمت کے حساب سے پنشن لینے کے اصول اس کے بعد شائع کئے جا چکے ہیں۔

وساطت سے قائم ہے ہٹا لیا جائے گا اور مقامی حکومت ایک متحدہ و متفقہ حکومت ہو جائیگی جو ایک گورنر اور ذمہ دار وزیر اور پرنسٹنل ہوگی۔ اس اسکیم کی ماہ الامتیا از خصوصیت یہ ہے کہ اگر پارلیمنٹ دیکھے کہ وزراء نے اپنے فرائض اچھی طرح سے انجام دیئے ہیں، تو تو ان میں انتقال اختیارات کی ترمیم کے بعد ان کو صوبائی حکومت کے انتظام میں مزید حصہ دے سکتی ہے اور اگر وہ دیکھے کہ کاروبار بالکل مختل ہو گیا ہے، تو عطا کردہ محکموں کی ہزست سے بھی بہت سے محکمے کم کر سکتی ہے۔ اس طرح پارلیمنٹی اصول پر صوبوں کی کامل آزادی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور ترقی کا انحصار تمام تر نتائج کی کامیابی پر ہے خود قانون (اصلاحات) کے حصہ ۵ میں یہ قرار پا گیا ہے کہ اس قانون کے منظور ہو جانے سے دس سال بعد پارلیمنٹ کی طرف سے ایک آئینی مامور یہ اس عرض سے مقرر کیا جائے کہ وہ اس نظام حکومت کے عمل، تعلیم کی ترقی اور برطانوی ہند میں شہرستی ادارات کی توسیع کے متعلق تحقیقات کر کے بتائے کہ کہاں تک اور کب تک ذمہ دارانہ حکومت کے اصول کو ترویج دی جاسکتی ہے، یا کس درجہ تک موجودہ ذمہ دارانہ حکومت کی توسیع، ترمیم یا تحدید کی جاسکتی ہے۔

(۴)
دفعہ ۷ قانون (اصلاحات) قواعد متعلق انتخاب مجالس مقننہ صوبجات اور
دفعہ ۲۳ قواعد متعلق انتخابات مجلس مقننہ ہند کے ماتحت جو قواعد وضع کئے گئے
ہیں اور اس قانون کے ذریعہ قائم کردہ حدود کے اندر مفصلہ ذیل اور کی
صراحت کرتے ہیں۔ مختلف مجالس مقننہ کی ترتیب، حلقہ جات رائے
دہندگان کا تقرر، رائے دہندوں، اور امیدواروں کے لئے شرائط
کا انضباط، انتخاب کے لئے کام کرنے والوں کا انتظام، اخراجات۔
انتخابات، خلاف قانون کارروائیوں کی روک تھام اور انتخابی درتواتوں
کا فیصلہ۔

قانون (اصلاحات) کی دفعات کے ماتحت مجلس مقننہ ہند، گورنر جنرل
اور دو ایوانوں پر مشتمل ہوتی ہے یعنی کونسل آف اسٹیٹ اور مجلس مملکت۔
اور جمعیت مقننہ (دفعہ ۱) مجلس مملکت میں زیادہ سے زیادہ ۶۰ ارکان ہوتے
ہیں، ان میں ایک تہ سے زیادہ سرکاری ارکان نہیں ہوتے (دفعہ ۱۸)۔
جمعیت مقننہ میں کم از کم ۱۲۰ ارکان ہوتے ہیں، اور نامزد شدہ ارکان
میں سے زیادہ سرکاری جمہور دار نہیں ہوتے (دفعہ ۱۹) گورنر جنرل کی
مجلس عاملہ کے تمام ارکان خواہ مجلس مملکت کے، خواہ جمعیت مقننہ کے،
سرکاری نامزد شدہ ارکان ہوتے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے وزیر کی طرح
اگرچہ وہ ایک ہی ایوان کے رکن کیوں نہ ہوں، لیکن انھیں دونوں ایوانوں
کی شرکت اور ان میں تقریر کا حق حاصل ہے۔

سہ حکومت ہند کو قواعد انتخاب کے قاعدہ ۸ کے ماتحت) یہ اختیار دیا گیا ہے کہ
وہ انتخابات کے انتہائی اخراجات کو مقرر کر دے جو ممکن ہے کہ پہلے تجربہ کے بعد
مختلف حلقوں میں مختلف ہو، اور اس کے ساتھ یہ اختیار بھی ہے کہ خواہ دارکاروں
کی تعداد بھی محدود کر دے۔

۱۹۰۷ء کے انتخابات کے سلسلہ میں خلاف قانون کارروائیاں تیز رفتاری سے ہند کی دفعہ ۲۹ کے ماتحت آجاتی ہیں

مجلس مقننہ ہند کے قواعد انتخاب کے قاعدہ ۳ کے ماتحت دونوں ایوانوں کی ترتیب اس طرح کی گئی ہے۔

مجلس مملکت	مجلس مقننہ
منتخب شدہ ارکان ۳۴	۱۰۲
سرکاری ارکان ۶۰	۲۶
دوسرے نامزد کردہ ارکان ۶	۱۲
میسز ان ۶	۱۲۲

آداب صوبوں کی مجالس کی طرف متوجہ ہوں۔ ان کے متعلقہ قانون (اصلاحات) کی دفعہ ۷ (۱) میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر ایک صوبہ میں جہاں کا انفر اعلیٰ گورنر ہو، ایک مجلس مقننہ ہوگی، جن میں ارکان کی کم سے کم تعداد مندرجہ ذیل ہوگی ان ارکان میں سے ۷ فی صدی منتخب ہوں گے اور باقی ارکان میں ۲ فی صدی سے زیادہ سرکاری اہلہ دار نہ ہوں گے، ان میں گورنر کی مجلس عاملہ کے ارکان بھی شریک ہیں۔ قواعد انتخاب کے قاعدہ (۱۲) کے ماتحت ہر صوبہ کی مجلس مقننہ مندرجہ ذیل تعداد کے ارکان پر مشتمل ہوگی۔

مجلس مملکت	مجلس مقننہ	پنجاب	بنگال	بمبئی	مدراس	پٹیالہ	پنجاب	پٹیالہ	پٹیالہ	پٹیالہ
منتخب شدہ ارکان ۹۸	۸۶	۱۱۳	۱۰۰	۷۱	۷۶	۵۳	۳۹	۵۳	۷۶	۷۱
سرکاری ارکان ۱۹	۱۶	۱۸	۱۶	۱۴	۱۸	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶
دوسرے نامزد کردہ ارکان ۱۰	۹	۸	۶	۸	۹	۹	۹	۹	۹	۹
میسز ان ۱۲	۱۱	۱۳۹	۱۲۳	۹۳	۱۰۳	۷۰	۵۳	۷۰	۱۰۳	۹۳
کم از کم قانونی تعداد ۱۱۸	۱۱۱	۱۲۵	۱۱۸	۸۳	۹۸	۷۰	۵۳	۷۰	۹۸	۸۳

اس میں صدر بھی شامل ہے۔ مجلس مملکت میں یہ تعداد ادا ہوتی ہے۔ اگر سرکاری اہلہ داروں کی پوری تعداد نامزد کی جائے تو سرکاری نامزدہ ارکان کی تعداد اتنی مناسب سے بڑھادی جائے گی، لیکن ایوان مقننہ کے سرکاری اہلہ داروں کی تعداد اتنی ہی نسبت سے مقرر ہے۔

اس میں ارکان باعتبار اہلہ شامل نہیں ہیں۔ ان کی تعداد ۲ سے کم ہوتی ہے، اور اگر سرکاری اہلہ داروں کی پوری تعداد نامزد کر دیا جائے تو ہی تعداد سے سرکاری نامزدہ ارکان کی تعداد گھٹانا پڑے گی (ان ارکان کا باعتبار اہلہ ہونا شرط ہے) اگر سرکاری اہلہ داروں کی پوری تعداد نامزد نہیں کی گئی تو پھر ان کے تعداد اتنی مناسب سے بڑھادی جائے گی۔

گورنر کو اس بات کا بھی اختیار ہے کہ وہ کسی اہم قانون کے وضع کرنے کے سلسلہ میں عام ارکان مجلس مقننہ کے علاوہ دو اور ارکان کو بھی ایکن آسام میں صرف ایک کو نامزد کر سکتا ہے، اور ان دو ارکان کو اس خاص کام کے اختتام تک عام ارکان کی طرح تمام حقوق حاصل ہوں گے (دفعہ ۷ (۳) (ب)۔ اس کے ساتھ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ یہ مبصر ارکان سرکاری عہدہ دار ہی ہوں۔

ایک دوسرے سے ممتاز زمین طریقہ انتخاب رائج ہیں۔ ایک صوبہ واری جو مقامی مجلس مقننہ کے متعلق ہے اور دوسرا اور تیسرا تمام ہندوستان سے متعلق جماعت مقننہ اور مجلس مملکت کے متعلق ہے طریقہ انتخاب میں (الف) عام و (ب) خاص حلقہ کے انتخاب ہوتے ہیں۔ عام حلقہ کے انتخاب میں کسی رائے دہندہ کے لئے جو شرائط ہیں، وہ مختلف صوبوں ہی میں مختلف نہیں ہیں، بلکہ ایک صوبہ کے مختلف صیغوں میں بھی مختلف ہوتی ہیں، اور مختلف اقسام رائے دہندگان کے مطابق ان کے مدارج بھی مختلف ہیں، لیکن ایک ہی صوبہ یا کسی صوبہ کے جزو کے اندر ایک ہی طریقہ انتخاب کے ماتحت عام حلقہ انتخاب کے شرائط تقریباً تمام بریلیاں ہیں۔ منسلک نقشہ، شرائط انتخاب کا ایک نمونہ تمھارے سامنے پیش کر رہے گا۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کو بھی مجلس مقننہ کے لئے رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ ہندوستانی فوج کے تمام پشٹن یافتہ علیحدہ شدہ افسر و سپاہی اور صوبائی متوسطہ اور پنجاب میں نمبر دار باگاہوں کا کھیا۔ مجلس مملکت کے لئے مندرجہ ذیل کو بھی رائے دینے کا حق حاصل ہے :- وہ اشخاص جو کسی گزشتہ یا موجودہ مجلس مقننہ کے رکن تھے یا ہیں وہ اشخاص جو کسی مجلس بلدیہ، یا مجلس صنغ یا بینک امداد باہمی کے صدر یا نائب صدر تھے یا ہیں، وہ اشخاص جو کسی جامعہ کی مجلس رفقا کے رکن تھے یا ہیں، یا وہ اشخاص جن کو مشرقی علوم کی اعلیٰ ترین سند حاصل ہو۔

لہ جو کہ مجلس مملکت تمام تو زمین ہند کے لئے ایک نظر ثانی کرنے والی مجلس ہوگی اس لئے ہم اس کے لئے ملک کے ہر شاہ قابل عہد اشخاص کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اس مجلس میں دیرینہ سال تجربہ کار مدین کی شان و وقار کا رنگ چھلکتا ہو، اس لئے ہماری تجویز ہے کہ گورنر جنرل باجلاس کو نسل اس کی امیدداری کی حق کے لئے

<p>۱۔ تمام رائے دہندگیاں :- ۲۱ سال سے اوپر کے برطانوی مرد و عااے ۲</p> <p>۲۔ شہری حلقہ رائے انتخاب :- یہ مقامی مجلس مقننہ جمعیت مقننہ مجلس مملکت</p> <p>(۱) اس حلقہ انتخاب میں ۱۲ ماہ تک سکونت رکھنے والے - اور</p> <p>۲) یا تو الف محصول بلدیہ کا دینے والا جو قانوناً - یا ب ایسے گھر کا مالک یا قبض جس کا سالانہ کرایہ قانوناً - یا ج جس کی سالانہ آمدنی پر ٹیکس لگایا جاتا ہو یا یہ آمدنی</p> <p>۳۔ دیہاتی حلقہ رائے انتخاب :- کسی ایسے قابل زراعت شخصہ راضی کا مالک ہو جس کا لگان یا ٹونا سالانہ -</p>	<p>۳ روپیہ لائے</p> <p>۲۰-۱۵ روپیہ لائے - سے کم نہو</p> <p>۳۶ روپیہ</p> <p>۱۸۰ روپیہ سے کم نہو</p> <p>۲۰۰۰ روپیہ</p> <p>۵۰۰۰-۲۰۰۰ روپیہ</p> <p>۵۰-۱۰۰ روپیہ</p> <p>۱۵۰-۵۰ روپیہ</p> <p>۲۰۰۰-۱۵۰۰ روپیہ سے کم نہو</p>
<p>بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ایسے قوانین وضع کرے گا جو اس بات کے ضامن ہو سکے کہ ان اشخاص کا رتبہ اور درجہ اور گزشتہ خدمات اس مجلس کو ایک مجلس سنیات کی شکل دیگی اور اس میں ایسے اوصاف موجود ہوں گے، جو ایک نظر ثانی کرنے والی مجلس کے لئے ضروری ہیں اور جائینٹ رپورٹ پارہ ۸ (۲۷)</p>	
<p>۱۔ ہندوستانی میاں توں کی رعایا کے اذیتن کر مطلوبہ شرطیں موجود ہوں تو مقامی حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت ان کو رائے دینے کا حق حاصل ہو سکتا ہے (۱) قواعد انتخاب۔</p> <p>۲۔ عورتوں یا عورتوں کی جماعت کو مجلس مقننہ متعلقہ کی قرارداد کے بعد بشرط موجودگی شرط مطلوبہ رائے دینے کا حق مل سکتا ہے لیکن ہر صوبہ میں ان کی مرکزی مجلس مقننہ کے لئے رائے دینے کا حق اس بات پر منحصر ہے کہ انکو اپنے صوبہ کی مجلس مقننہ کے لئے رائے دینے کا حق مل گیا ہو (قاعدہ ۱) قواعد انتخاب، اس قسم کی جنسی رکاوٹ کو دور کرنے کی تجاویز تقریباً ہر مقامی مجلس مقننہ میں اور ایوان مقننہ میں منظور ہو چکی ہیں۔</p> <p>۳۔ کلکتہ، مدراس، بمبئی، اور کلکتہ جیسے بڑے شہروں میں یہ رقم اس سے کہیں زیادہ ہے۔</p> <p>۴۔ مسلمانوں کے داخلہ کے لئے بنگال، بہار، اڑیسہ میں بہت کم رقم رکھی گئی ہے۔</p> <p>۵۔ ہر صوبہ (باہر جزو صوبہ میں نوعیت قبضہ کے اعتبار سے رقم کی کمی و زیادتی میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے)</p>	

بسیار کمندرجہ ذیل نقشہ سے پتہ چلیگا، عام حلقہ انتخاب کو پھر فرقہ دارانہ شاخوں میں منقسم کر دیا گیا ہے، پنجاب میں عام حلقہ انتخاب سے ۱۶۴ ارکان انتخاب ہوتے ہیں، ان میں سے ۱۱۲ ارکان سکھوں کے شہری دیوہی حلقہ انتخاب سے آتے ہیں۔ بنگال میں عام یورپی حلقہ انتخاب سے ۵ اور باقی جگہوں سے ایک یا دو ارکان آتے ہیں لیکن اصلی تقسیم مسلم اور غیر مسلم حلقہ انتخاب کی ہے۔ اس تقسیم کی بنا کانگریس ولیم کے معاہدہ پر ہے اس معاہدہ کے ذریعہ مسلمانوں کو تمام مقامی اجلاس متغذہ اور دونوں مرکزی ایوانوں میں اکثریتوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ نشستیں دی گئی ہیں۔ مدراس ۶۵ غیر مسلم نشستوں میں سے ۲۸ غیر برہمنوں کے لئے مخصوص ہیں مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ نشستیں جن حلقوں کے لئے مخصوص کی گئی ہیں، ان کے لئے امیدوار بھی موجود ہوں اسی طرح صوبہ بھیبی کی ۴۶ غیر مسلم جگہوں میں ۷ مہلوں کے لئے مخصوص ہیں۔

عام حلقہ انتخاب

(۱) مسلم۔ صوبجات متوسط کے انتخاب برائے مجلس مملکت کے سوا ہر قسم کے انتخاب کے لئے۔

(۲) غیر مسلم۔

(۳) سکھ۔ پنجاب میں ہر قسم کے انتخاب کے لئے۔

(۴) یورپی۔ پنجاب اور صوبجات متوسط کے علاوہ تمام مجالس متغذہ اور جمعیت

متغذہ کے ہر قسم کے ہر صوبہ سے انتخاب کے لئے۔

(۵) اینگلو انڈین۔ (یعنی مخلوط النسل کے افراد) مدراس کی مجلس متغذہ کے لئے

(ایک نشست) اور بنگال میں (دو نشستیں)

۱۵ یعنی لکھنؤ کا سلاسل کا معاہدہ، جبکہ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس میں متفقہ طور سے اس بات کو طے کیا کہ اصلاح شدہ مجالس میں مسلمانوں کو کسی تناسب سے نشستیں دی جائیں گے لے مقابلہ کرو۔ جو کچھ سبھی مدراس برہمن اور غیر برہمن کے متعلق باب (۳) -

(۶) ہندوستانی عیسائی۔ مدراس کی مقامی مجلس متقنہ کے لئے (پانچ نشستیں) ان عام حلقہ تہائے انتخاب کے علاوہ بعض خاص حلقہ تہائے انتخاب بھی ہیں ان کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے: بڑے بڑے زمیندار مقامی مجالس متقنہ میں ۳ سے ۶ تک ارکان سمیٹتے ہیں، اور مختلف تجارتی و صنعتی جماعتیں (مثلاً ایوان ہائے تجارت، مجلس کارخانجات، مجالس تجارت، انجمن مزارعین، و انجمن معدنیات) جھوٹے صوبوں کی مجالس متقنہ میں ۲ سے ۳ تک اور بڑے صوبوں میں ۶ سے ۷ تک (بنگال میں ۱۵) ارکان سمیٹتی ہیں۔ مجموعی حیثیت سے ان تمام جماعتوں سے ملا کر چھوٹے صوبوں میں ۶ سے ۹ تک اور بڑے صوبوں میں ۱۱ سے ۱۳ ارکان تک مقامی مجلس متقنہ کے لئے چنے جاتے ہیں۔ (صرف بنگال میں ۲۱) کوئی رائے دہندہ (بشرط موجودگی جمیع شرائط) ایک سے زیادہ عام حلقہ تہائے انتخاب میں اپنے کو درج نہیں کر سکتا، لیکن وہ کسی عام حلقہ تہائے انتخاب کے علاوہ کسی خاص حلقہ تہائے انتخاب میں بھی اپنا نام مندرج کر سکتا ہے۔

خاص حلقہ تہائے انتخاب :-

(۷) بڑے زمیندار۔ آسام کے سوا تمام مقامی مجالس متقنہ کیلئے اور بھٹی اور آسام کے سوا جمیعت متقنہ کے لئے۔

(۸) جامعہ۔ آسام کے سوا ہر صوبہ میں مقامی مجلس متقنہ کے لئے (ایک نشست)۔

(۹) صنعتی و تجارتی مفاد۔ تمام صوبوں کی مجلس متقنہ کے لئے، مدراس اور بھٹی میں جمیعت متقنہ کے لئے اور بنگال اور بھٹی میں مجلس مملکت کے لئے۔ کسی ایسے شخص کو جس کا نام کسی خاص حلقہ تہائے انتخاب کے رائے دہندوں میں درج نہ ہو، اس خاص حلقہ تہائے انتخاب کی طرف سے امیدوار ہونے کا حق نہیں ہے؛ کسی شخص کو کسی عام حلقہ کی طرف سے امیدوار ہونے کا اس وقت تک حق نہیں جب تک اس کے نام کا اندراج ہے عام حلقہ میں یا کسی دوسرے عام حلقہ میں مندرج نہ ہو جائے۔ اس شخص کو اس مذہب کا ہونا چاہئے جس کی وہ نیابت کرتا ہے۔

۱۰۔ مالک متحدہ کے یورپی حلقہ تہائے انتخاب کے علاوہ۔

اور صوبہ متحدہ اور پنجاب میں تو اس شخص کو اس عام حلقہ انتخاب کا، جس سے وہ کھڑا ہوتا ہے، یا شذہ بھی ہونا چاہئے۔ امیدوار کی عمر کم از کم ۲۵ سال کی ہونی چاہئے۔ آخر میں ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ مقامی مجلس مقننہ اور جماعت مقننہ ہند میں بعض ایسے مخصوص نشستیں بھی ہوتی ہیں، جن کے لئے گورنر یا گورنر جنرل (جس سے بھی تعلق ہو) ارکان نامزد کرتا ہے۔ ان مخصوص نشستوں کی توہ اور مندرجہ ذیل ہے۔ ان نشستوں میں مقامی مجلس مقننہ کے لحاظ سے وہ جگہیں بھی شامل ہیں، جو گورنر کی مجلس عاملہ کے ارکان کو با اعتبار ہندہ دی جاتی ہیں) :-

مقامی مجالس مقننہ میں ۲۲ سے ۲۹ (مثلاً آسام میں، اور اصبو بجات تو رطہ) جمیعت مقننہ میں ۴۰

مجلس مملکت میں ۲۶

اندازاً ان تمام جگہوں میں سے دو تہلث عموماً سرکاری عہدہ داروں سے پر کی جاتی ہیں۔ اور یہ حکومت کے متمدین اور محکموں کے افسر اعلیٰ ہوتے ہیں۔ یہ سرکاری اعلیٰ عہدہ دار نہ صرف بیانات کے پیش کرنے اور حکومت کی طرف سے سوالات کے جوابات دینے میں مدد و معاون ہوتے ہیں، بلکہ زیر بحث معاملات کے متعلق انھیں بہترین تجربہ و معلومات بھی ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ مشلہ کے مجالس کے برخلاف یہ عہدہ دار کسی مستقل سرکاری سیاسی گروہ کے رکن نہیں ہوتے اور اس کے ذریعہ مخالف کو شکست دیں، بلکہ اب ہر افسر ذاتی طور سے آزاد ہو کر مجلس مقننہ میں داخل ہوتا ہے، کہ جس طرح اور جس طرف چاہے، اپنی رائے کا اظہار کرے خواہ صورت حال کچھ بھی ہو، ان کی تعداد ہر مجلس میں ہنایت کم ہے۔ کوئی سرکاری عہدہ دار کبھی کسی انتخابی حلقہ سے امیدوار نہیں ہو سکتا۔ مقامی مجالس مقننہ کے مباحث میں ارکان مجلس عاملانہ متفقہ ایک ساتھ کام کرتے ہیں، اور روز را ایک ساتھ اس کے ساتھ ہی کسی ایسی تجویز کے متعلق جس کو ان دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پیش کر رہی ہو، اور دوسری جماعت اس کے مخالف ہو، یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی

تائید نہ کرے، تو کم از کم اس کو اس تجویز کی تقریر یا رائے کے ذریعہ مجلس مقننہ میں مخالفت نہ کرنا چاہئے۔

ان سرکاری نشستوں کے علاوہ بذریعہ نامزدگی جو جگہیں پھری جاتی ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ ان کے ذریعہ ان خیالات کی نمائندگی کی جائے جو بذریعہ انتخاب نہیں کی جاسکتی۔ جمیعت مقننہ و مجلس مملکت کے لئے نامزد کرنے کے متعلق گورنر جنرل کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہے، لیکن مقامی مجالس مقننہ کی نامزدگی کے سلسلہ میں گورنر کی آزادی ایک بڑی حد تک محدود کر دی گئی ہے، کیونکہ ان جماعتوں کو جن کی ان نامزدگیوں کے ذریعہ حفاظت کرنا ہے، بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً پنجاب کے سواہر صوبہ میں بیچ قوموں کی نمائندگی کا سامان کیا گیا ہے، اور متحدہ صوبوں میں کارخانوں کے مزدوروں کی نمائندگی کا بھی بند و بست عمل میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ ایگلوانڈین اور ہندوستانی عیسائیوں کی نمائندگی کے سلسلہ میں متحدہ صوبوں میں انتخاب اور نامزدگی باری باری سے کی جاتی ہے اور پنجاب میں یورپین جماعت کی نمائندگی بھی نامزدگی ہی سے عمل میں آتی ہے۔

(۵)

یہ دیکھ چکے ہیں کہ ہندوستان کی مجالس متفقہ کس طرح سے مرتب ہوتی ہیں، یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے فرائض کس طرح انجام دیتی ہیں، اور ان کے اختیارات کیا ہیں۔

صوبہ داری مجلس متفقہ یا جمعیت متفقہ ہند، کی عام میعاد زندگی تین سال ہے اور مجلس مملکت کی (جو جماعت متفقہ ہند کا دوسرا ایوان ہے) پانچ سال۔ گورنر جنرل کو اس بات کا اختیار ہے، کہ وہ جب چاہے دونوں ایوانہا کے متفقہ ہند کو برخاست کر دے اور اسی طرح صوبہ کے گورنر کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ صوبے کی مجلس متفقہ کو برخاست کر دے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے، کہ اس برخاستگی کے چھ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ۹ ماہ کے اندر وہ دوسری متفقہ طلب کرے۔ گورنر یا گورنر جنرل کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ خاص حالات کے ماتحت کسی متفقہ کی میعاد حیات کی توسیع کرے، لیکن میعاد مجلس متفقہ صوبہ کی حالت میں ایک سال سے زیادہ نہ ہوگی۔

اس قانون سے پہلے گورنر یا گورنر جنرل اور مجلس کی جس کا وہ اعلیٰ ہوتا تھا، اور جو اس کے متعلق ہوتی تھی، اس کی صدارت کرتا تھا، اب آئندہ سے مجالس متفقہ خود ہی اپنے صدر منتخب کیا کریں گی، لیکن ابتدائی چار سال کے لئے ہر مجلس کا صدر سرکاری ہو گا اور اس کا فرض یہ ہو گا کہ وہ ارکان کو ان کے جدید اختیارات کے استعمال میں ہدایت کرنے کے ساتھ پارلیمنٹی رویا

کی تعمیر میں ان کی مدد کریں، مسٹر ڈاب سر، اے ایف وائٹ (A. F. Whyte) جو جمعیت متفقہ ہند کے اولین صدر تھے، برطانوی دارالعوام کے رکن ہونے کی وجہ سے بہت کچھ تجربہ کار تھے بعض صوبوں میں کوئی برطانوی عہدہ دار وہاں کی مجلس متفقہ کا صدر بنایا گیا، اور بعض میں کوئی ہندوستانی قومی کارکن اس عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ اب چونکہ گورنر یا گورنر جنرل، مجلس کا صدر نہیں رہا اس لئے وہ اب اس کارکن بھی نہیں، لیکن اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اس مجلس کے سامنے تقریر کر سکتا ہے، اور اس عرض کے لئے

جب چاہے مجلس کو طلب کر سکتا ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ قابل لحاظ ہے، کہ اسی وجہ سے مجلس مقننہ کا اجلاس گورنر کے مکان کے ایک حصہ کی بجائے (جیسا کہ ہندوئلیہ کے زمانے سے روایت ہو چلا آیا تھا) اپنی علیحدہ عمارت میں ہوتا ہے۔

اس خیال سے کہ مجلس مقننہ کے منتخب شدہ ارکان کو حکومت کے حقیقی مسائل سے اچھی طرح سے واقف کیا جائے، ہر صوبہ میں مستقل ذیلی جماعتیں (یا مشورتی مجالس جن میں ارکان مجالس مقننہ بھی شامل ہوتے ہیں) بنائی گئی ہیں۔ ان کا مقصد خالصتاً تعلیمی ہے، اور ان کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے، کہ یہ (جماعتیں یا مشورتی مجالس) حکومت عاملانہ کی کارروائیوں پر کوئی انتظامی اثر ڈالیں۔ اسی خیال سے قانون (اصلاحات) ۱۹۰۲ میں یہ طے کر دیا گیا ہے، کہ جس طرح پارلیمنٹری نائب مہتمم برطانوی وزارت اپنے متعلق وزیر کو مدد دیتا ہے، اسی طرح گورنر یا گورنر جنرل، کو اس بات کا حق ہے کہ وہ صوبوں کے مجلس مقننہ (یا مجلس مقننہ ہند) کے غیر سرکاری ارکان میں سے بعض کو اس لئے منتخب کرے کہ وہ مجلس عاملہ کے ارکان کو مدد دیں، اور اس طرح انتظامی تجربہ حاصل کریں۔ اس قانون سے مدراس، پنجاب، اور صوبجات متوسطہ میں استفادہ حاصل کیا جا رہا ہے۔

ایک اہم ترین کٹی وہ ہے جو حسابات عامہ کی کمیٹی کے نام سے موسوم ہے اور جس کے صوبہ داری مجالس مقننہ اور جمیٹ مقننہ ہند میں قائم کرنے کا بندوبست قواعد کارروائی کے ذریعہ کیا گیا ہے، مجلس عاملہ کارکن مالیات اس کا صدر ہوتا ہے،

۱۹۰۲ء کے اصلاحات میں ایک مستقل مجلس مالیات ہے جو جدید اخراجات کے متعلق مشورتی خدمات انجام دیتی ہے۔ ہر محکمہ حکومت کے متعلق بنکال اور پنجاب میں، مستقل جماعتیں (صوبجات متحدہ میں مشورتی مجالس) ہیں، ہارڈ واٹس میں محفوظ محکموں کے لئے ایک جماعت ہے، اور نوٹس کے لئے ڈیرا ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۲ء، قانون ہند۔

۱۹۰۲ء کے دیکھو قواعد ۵۱۵ و ۵۱۶ متعلقہ قواعد جمیٹ مقننہ ہند و قواعد ۳۳۷ و ۳۳۸ قواعد مجالس مقننہ صوبجات۔

ادیس میں صدر سمیت زائد اراک ۱۲ ارکان ہوتے ہیں با ان میں سے ۲ کو غیر سرکاری اراکان نیابت متناسبہ کے اصول پر منتخب کرتے ہیں اور باقی نامزد کئے جاتے ہیں۔ اس مجلس کا فرض ہے، کہ وہ اخراجات کے حساب کی تنقید کر کے یہ دیکھے، کہ یہ اخراجات پیش شدہ تجاویز کے مطابق عمل میں آئے ہیں یا نہیں، اور پھر اپنی اس جانچ کے نتائج کو پیش کرے۔

”علی قوانین میں اس بات کی بھی سہولت رکھی گئی ہے کہ وہ اراکان جو اچھی طرح سے انگریزی نہیں بول سکتے ہیں، کسی ملکی زبان میں تقریر کر سکتے ہیں، اور پنجاب صوبہ متوسطہ میں اس سے خاص طور سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، تاہم تمام تمام کارروائی انگریزی ہی میں ہوتی ہے۔“

قانون اصلاحات کے دوسرے قواعد کی طرح، علی قوانین کے متعلقہ مجلس صوبہ و مجالس مقننہ ہند بھی پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہو چکے ہیں، اور صرف اسی مجلس کی منظوری پر ان میں ترمیم کی جاسکتی ہے، پھر بھی ان قوانین کے ساتھ وہ احکامات بھی بطور قمیمہ موجود ہیں، جن کو گورنر (یا گورنر جنرل) کو نسل نے اب تداؤ بنایا اور جن میں جماعت مقننہ (یا ایوان) جس کے وہ متعلق ہو ترمیم کر سکتی ہے۔

چونکہ دستور کے ذریعہ جماعت مقننہ کو مجلس عاملہ پر کامل اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں، اس لئے گورنر (یا گورنر جنرل) کے یہ حقوق محفوظ ہیں، کہ وہ مجلس مقننہ کے استصواب کے بغیر آزادانہ مرکزی، یا صوبہ کے محفوظ محمول کے متعلق قانون وضع کر سکتا ہے، مگر یہ اختیارات خاص خاص حالات ہی میں استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ جماعت مقننہ کے متعلق گورنر (یا گورنر جنرل) کے اختیارات

نہ اس کوئی کے فرائن کو مال کی متعلق کئی کے فرائن سے جن سے ہر نئے خرچ کے متعلق مشورہ کیا جانا غلط سمجھا نہ کرنا چاہئے۔ جمعیہ مقننہ ہند میں اس قسم کی ایسی مال کی کئی ہے نیز متعدد صوبوں کی مجالس مقننہ میں بھی ایسی کمیٹیاں ہیں۔

سے دیکھو ہر سلسلہ قوانین کا قانون علی
سے پیجا میں قواعد کی اس حد تک ترمیم کر دی گئی کہ وہاں ملکی زبان کے نسبتہ آزادانہ استعمال کی اجازت مل گئی ہے۔

عموماً یہ ہیں:۔ کسی صوبہ داری مسودہ کے قانونی شکل اختیار کرنے سے پہلے ضروری ہے، کہ اس کے لئے نہ صرف گورنر بلکہ گورنر جنرل کی بھی منظوری حاصل کی جائے؛ دونوں میں سے کوئی بھی اس کو مسترد کر سکتا ہے، اور یہ استدرا د فیصلہ کن ہوتا ہے۔ گورنر جنرل کی منظوری کو عموماً تاج کی منظوری کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تاج کو اس بات کا حق ہر وقت حاصل ہے کہ وہ مجالس مقننہ ہند یا صوبہ کے کسی قانون کو متنع کر دے۔ مجالس مقننہ ہند کے مرتبہ کو عملاً بلند تر کرنے کے لئے یہ قرار پایا ہے کہ آئندہ سے تاج کی خوشنودی، وزیر ہند یا جلاس کو نسل کی بجائے خصوصاً ملک معظم باجلاس کو نسل دینی پریوی کو نسل کی عام صلاح کی بنا پر) کے مطابق ہوا کرے گی۔ ہندوستان کی کسی جماعت عامہ کے حاکم اعلیٰ کو یہ حق بھی حاصل ہے، کہ وہ کسی مسودہ قانون کو ایک اعلیٰ ترین انسٹر کی حصول اجازت تک کے لئے ملتوی کر دے اور ذیلی قانون ساز جماعتوں میں یہ عمل عام طور پر پایا جاتا ہے۔ پہلے یہ حق اتوا صرف گورنر جنرل کو حاصل تھا۔ لیکن اب کناڈا کی طرح صوبوں کے حاکم اعلیٰ تک اس کی توسیع کر دی گئی ہے۔ تاہم اس معاملہ میں اس کا یہ اختیار عام کی جگہ خاص خاص حالات تک کے لئے ہی محدود ہے، چنانچہ جس قانون کو ایک گورنر کو، گورنر جنرل کی رائے کے حصول تک ملتوی رکھنا چاہئے، اس کے لئے یہ شرائط ضروری ہیں کہ یہ مسودے (۱) نظام مالک زاری پر بہت اثر ڈالتے ہوں، (۲) کسی قوم کے کسی مذہب پر ان کا اثر پڑتا ہو، (۳) کسی چھوٹی پٹی کی ریل کی تعمیر یا کسی جدید جامعہ کی بنائے متعلق ہو۔ اس کے علاوہ ایسی تجاویز بھی ہو سکتی ہیں، جن کو گورنر خود اپنی قوت تمیزی کی بنا پر روک سکتا ہے، مثلاً ایسے مسودے جو (۱) کسی دوسرے صوبہ کے مفاد پر اثر ڈالتے ہوں، (۲) بعض مرکزی مسائل (۳) کوئی ایسا معاملہ جو شاہی ہدایت نامجات کے ماتحت گورنر کو خاص طور پر ذمہ دار کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح گورنر جنرل کو بھی اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ایسے قانون کو جسے کسی مقامی مجلس نے منظور کیا ہو

ساج کی منظوری کے لئے، روک دے۔ یہ مسودہ جات ان مسودوں کے علاوہ ہوں گے جو کسی مقامی حکومت نے اس کے ایما کے لئے روک دیئے ہیں اس قسم کے محفوظ مسودات کو وہ خود منظور کر سکتا ہے، اور اگر چھ ماہ تک اس پر اس کی منظوری حاصل نہ ہو سکی، تو وہ مسودہ بیکار ہو جائے گا، یا وہ اس مسودہ کو گورنر کے پاس لوٹا سکتا ہے، کہ وہ اسے نظر ثانی کے لئے دوبارہ مقامی مجلس مقننہ کے سامنے پیش کرے۔ مسودہ کو حکومت عاملہ کے بیان کے ساتھ دوبارہ پیش کرنا، اس قانون کا عطا کردہ نیا اختیار ہے، اور یہ اختیار گورنر جنرل ان قوانین کے متعلق جو دونوں مرکزی ایوانوں نے مقننہ نے منظور کیا ہو، یا گورنر اپنی صوبہ کی مجلس مقننہ کے متعلق استعمال کر سکتا ہے۔ اگر کوئی مسودہ ایسا ہو، جس کو دونوں مرکزی ایوان متحدہ طور سے منظور نہ کر سکیں، تو گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دونوں ایوانوں کا متحدہ اجلاس طلب کرے، اور اسی اجلاس کے موجودہ ارکان کی کثرت رائے پر اس مسودہ کا تصفیہ ہوگا۔

اب جبکہ ہم ان اختیارات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو جدید مجالس مقننہ کو مالیات کے متعلق حاصل ہوئے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ چونکہ مجلس مقننہ کو مرکزی یا صوبوں کے محفوظ محکموں کے متعلق مجلس عاملہ کے مقابلہ میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے، اس لئے گورنر دیا گورنر جنرل کو ایسے اختیارات دئے گئے ہیں، کہ وہ ان اخراجات کے متعلق جن کو وہ ضروری سمجھتا ہے مستند قرار دے کر ان کو اپنے خاص اختیارات کے ذریعہ خود ہی منظور کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ گورنر (گورنر جنرل) ان محکموں کو جو براہ راست اعلیٰ کے متعلق ہیں، اس وقت تک برقرار نہیں رکھ سکتا، جب تک کہ اسے ان کے قیام کے لئے مجلس مقننہ سے آزاد مالی اختیارات حاصل نہ ہوں، اور نہ اس کو اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے اس اختیار کے استعمال سے ذرا بھی تامل کرنا چاہئے۔ عموماً مندرجہ ذیل محکموں کے علاوہ تمام محکموں کے اخراجات مجلس مقننہ متعلقہ کی منظوری کے ماتحت ہیں لیکن مندرجہ ذیل اخراجات کے لئے کسی منظوری کی ضرورت نہیں یعنی :-

(۱) وہ اخراجات جن کی تفصیل گورنر جنرل باجلاس کونسل نے کی ہو، مثلاً (الف) کلیسانی اخراجات (ب) سیاسی اخراجات (ج) مدافعت (۲) قرضہ جات کے سود اور ذخیرہ ادائیگی (۳) ایسے لوگوں کی تنخواہیں، یا پنشنیں جن کو ملک منظم نے خود یا ان کی منظوری یا وزیر ہند باجلاس کونسل کی منظوری سے مقرر کیا گیا ہو، (۴) مقامی مجالس مقننہ کے متعلق صوبوں کی وہ رقم جو مرکزی حکومت کے محکمہ مال کو روانہ کی جاتی ہے، عام دستوری رسم کے مطابق آمدنی کا کوئی حصہ بھی مجلس عاملہ کی سفارش کے بغیر خرچ نہیں کیا گیا جاسکتا دوسرے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ مجلس مقننہ اس خرچ کو یا تو مسترد یا اس میں تخفیف کر سکتی ہے، لیکن اس کو اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسری مددوں سے رقم ٹھٹھا کر کسی ایک مد میں اضافہ کرے۔

یہاں پر اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ مختلف مذاات اخراجات میں موجود آمدنی کی تقسیم کو ان مالی تجارتی یعنی مالی سودوں سے تمیز کیا جائے جن کے ذریعہ سے جدید محاصل عائد کرنا قرار پائے اور جن کے لئے مجلس مقننہ کی منظوری بہت ضروری ہے۔ اس قسم کے نئے محاصل کی بابت تمام تحریکات کے لئے ضروری ہے کہ ان کو مجلس مقننہ متعلقہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ جائز علی صورت اختیار کرنے سے پہلے ان کی منظوری حاصل کر لی جائے۔ دوسرے سودوں کی طرح نئے محاصل کے اجرا کے لئے بھی دونوں ایوانوں کی متحدہ منظوری ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرکزی یا صوبہ داری اخراجات، مسودات کی جگہ ”مطالبات برائے منظوری“ کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں، یہ جمیعت مقننہ ہند کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور یہ وہ مجلس ہے جو اپنی کٹی تعلقہ اخراجات عامہ کے ذریعہ مرکزی حکومت کے احتساب و اخراجات کی تحقیق و تفتیش کرتی ہے۔ جدید محاصل کے اجرا یا موجودہ محاصل میں اضافہ یا قرضہ لینے کے اختیارات جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، مقامی حکومتوں کو بھی دیئے گئے ہیں۔

مالیات کی کم از کم دو مددوں کے متعلق ہندوستانی آراء کا بہت زیادہ

لحاظ کیا گیا ہے، اور امید ہے کہ ان سے دیرینہ اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مراعات وہ ہیں جن کو مشترکہ منتخب کمیٹی یا بت مسودہ اصلاحات کی سفارشوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اور چونکہ یہ کمیٹی پارلیمنٹ کے ممبروں کی مقرر کردہ ہے اس لئے جو اس کی سفارش ہے وہ پارلیمنٹ کی ہی سفارش تصور کرنا چاہئے۔ ان میں سے ایک محصول درآمد و برآمد اور اس کا تعلق مرکزی حکومت سے ہے، اور دوسرا لگان اراضی سے متعلق ہے، اور چونکہ اب جدید نظام کے ماتحت یہ آمدنی تمام تر صوبوں کے متعلق ہو گئی ہے اس لئے اس کی بابت تمام حقوق بھی مقامی مجالس مقننہ کو حاصل ہو گئے ہیں۔

محصول برآمد و درآمد کے متعلق مشترکہ منتخب کمیٹی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

”اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل یہی ہو سکتا ہے، کہ حکومت ہند کو اس بات کی کامل آزادی دیدی جائے کہ وہ ہندوستان کو برطانوی حکومت کا ایک لازمی جزو سمجھتے ہوئے، اس کی بیرونی تجارت کے متعلق جو مفید انتظام سمجھے کرے، اس لئے اس کمیٹی کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ حکومت ہند اور مجلس مقننہ کسی معاملہ میں متحد ہوں، تو وزیر ہند کو حتی الامکان اس میں مداخلت کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، اور کمیٹی کا خیال ہے، کہ اگر ایسی مداخلت کی جب کبھی ضرورت ہو تو اسے صرف ان معاملات کے تحفظ تک محدود رہنا چاہئے۔“

سلہ حقیقت یہ ایک دستوری رسم ہے، جو عام تر حالات پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔ گورنر جنرل کے شاہی ہدایت نامے میں اس کی توضیح کی گئی ہے، اور اسے صوبوں کے محفوظ محکموں کے متعلق مندرجہ ذیل طریقہ پر عمل پیرا ہونے کو کہا گیا ہے:۔

”۷۔ خاص طور سے یہ ہماری مرضی و خوشی ہے، کہ نگرانی ہدایت اور حکومت کے جو اختیارات ہمارے گورنر جنرل موصوف اور ہمارے گورنر جنرل باجلاس کونسل کو نہ کورہ مقامی حکومتوں کے متعلق دینے گئے ہیں، بشرطیکہ کوئی مفید صورت حال پیدا نہ ہو، تو ان اختیارات کو اس طرح استعمال کیا جائے، کہ ان سے ہمارے گورنروں کی حکمت عملی کو تقویت ہو، مگر شرط یہ ہے، کہ اس صوبہ کی مجلس مقننہ اکثریتی بھی اکی جانی ہو۔“

جو بین الاقوامی حیثیت سے ضروری ہوں، یا کسی ایسے مالی بند و بست کے متعلق ہوں، جس کا تعلق ملک منظم کی حکومت سے ہو۔“

دوسرے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے متعلق ذرا بھی شک کی گنجائش نہ رہے، کہ ہندوستان کی تجارت کی حکمت عملی برطانوی تجارت کے مفاد کے ماتحت و حادث ہال (دوقروریز ہند) کے قبضے میں ہے یا لنگا سائزر کے روٹی کے کارخانوں کے مفاد کے ماتحت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے مفاد ہمیشہ آزاد تجارت کے موافق ہو گا۔ گزشتہ سال (۱۹۱۱ء) ہندوستان کے قواعد جنگی کی، جو ذرا سختی سے ترمیم ہوئی ہے، اور جس کا اصلی مقصد محض آمدنی میں اضافہ کرنا تھا، وہ برطانوی نیک نیتی کا ایک مزید ثبوت تھا۔

مالگذاری کی جو رقم پہلے مرکزی و صوبہ داری حکومت کی مشترک ملکیت تھی، اب صرف صوبہ ہی کے متعلق ہے اور صوبہ کی آمدنی کا تقریباً سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس مفروضے کی بنیاد حکومت نے ہندوستان میں اپنے کو اعلیٰ ترین زمیندار کے بھی حقوق سے محروم کر دیا ہے، بعض لوگ مالگذاری کو ایک محصول تصور کرتے ہیں، اور اس کے برخلاف بعض اس کے معنی محض «لگان» کے لیتے ہیں۔ ہم اپنے موجودہ مقصد کے لئے، جو یہ ہے کہ اراضی کی رقم حاصلہ کا تعلق اس شخصیت کے ساتھ دکھائیں جو اس کا تعین کرتی اور اس کی منظوری دیتی ہے، اس کو محصول ہی کے لفظ سے تعبیر کریں گے۔ ملک کے بعض حصص میں، اور خصوصاً بنگال میں، اور اتر اٹھارہویں صدی میں یہ رقم ہمیشہ کے لئے مقرر کر دی گئی ہے، باقی اراضی میں حالات کی تبدیلی، اور خصوصاً ذرا عتی اراضی کی قیمت کے اضافہ کی وجہ سے، یہ رقم ہر ۲۰ یا ۳۰ سال کے وقفہ کے ساتھ متعین ہوتی رہتی ہے۔ اس بند و بست کا انتظام تجربہ کار حکام بند و بست کے ماتحت ہوتا ہے اور وہ اعلیٰ افسران مال کے ماتحت کام کرتے ہیں، اور انہی افسروں کے سامنے تشخیص کا اولین مراحضہ بھی ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کام نے اب ایک منظم عملی صورت اختیار کر لی ہے۔ بہر حال یہ واقعہ اپنی جگہ پر ہے، کہ یہ تشخیص مالگذاری حکومت عاملہ کے علم سے لگائی جاتی ہے، اور اسی کی منظوری سے

مقرر کی جاتی ہے، اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، یہ حکومت خود اختیاری کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔ اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ محصول محصول دہندوں کی منظوری سے مقرر ہونا چاہئے، اس کے ساتھ ہی اس کو علی جامہ ہنمانے کے لئے مجلس مقننہ کی منظوری لازمی ہے اس لئے کہ مقامی حکومت میں یہی تئب سے بڑی موثر ٹیکس لگانے والی قوت ہے، اور کسی ٹیکس میں اضافہ کرنے سے پہلے اس کے لئے اس کی منظوری لینا بسا ضروری ہے۔ صوبوں کی مجالس مقننہ کے ذریعہ لگان کے اضافہ کے عام اصولوں کی تجویز کو ستمبر ۱۹۰۶ء میں شاہی ماموریہ لامرگزیت نے ہی مقرر کر دیا تھا، اور اب اس تجویز کو جس کا مقصد نظام لگان کو قانونی صورت دینا تھا، مشترکہ منتخب کمیٹی نے اپنے تمام اختیارات کے ساتھ تسلیم کر لیا ہے کمیٹی کا خیال ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اب قانون میں ان بنیادی اصول کو شامل کر دیا جائے، جن کے ذریعہ لگان کا تعین، طریقہ تقررت، تشخیص رقم، عہد بند و بست آئندہ، مدارج اضافہ، اور دوسری ضروری کارروائیوں کا اصول قائم ہو سکے جو لگان دہندہ کے مفاد کے مطابق ہوں، اس زبردست اجرائے محصولات کے آلہ کار کو، نائنڈہ مجلس مقننہ کے قبضے میں لانے کا کام صوبہ مدراس میں شروع ہو چکا۔

(۶)

اگرچہ مجلس مقننہ ہند کی ہیئت میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی، اور سرکاری آراء کے مقابلہ میں رائے عامہ کو دونوں ایوانوں میں جو فوقیت دیدی گئی ہے، اس نے عموماً اور مالیات کی حیثیت سے خصوصاً اس کے اختیارات میں جو توسیع پیدا کر دی گئی ہے اس کو بہت بدلہ دیا ہے؛ لیکن مرکزی حکومت عامہ

لے دیکھو رپورٹ "شاہی ماموریہ لامرگزیت Royal Commission on Decentralization

پارہ ۲۵۱، "ہمارا خیال ہے کہ تشخیص کے عام اصول کو مثلاً یہ کہ آمدنی کا کون سا حصہ لینے کا حق حکومت کو ہوگا، اور بند و بست کا زمانہ کب ہوگا، حکومت عامہ کی جگہ صوبہ کی مجلس مقننہ کو ملے کر ناچاہئے اور ممبئی میں اس وقت ہی صورت حال ہے۔"

کا بنیادی اصول اب بھی اپنے جگہ پر عملی حالہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں گورنر جنرل باجلاس کونسل کو مجلس مقننہ ہند سے وہی تناسبی تعلق ہے، مگر گورنر بہ اجلاس کونسل کو مقامی مجلس مقننہ سے ہے۔ یعنی حکومت جموں و علیا تمام کاموں میں جماعت مقننہ ہند کے ماتحت ہے، لیکن چونکہ گورنر بہ اجلاس کونسل جماعت مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اس لئے نہ یہ جماعت گورنر کو ہٹا سکتی ہے، اور نہ اسے کسی کام کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔

مرکزی حکومت کے دائرہ بالکل یہی حال صوبہ کی حکومتوں کا محفوظ محکموں کے متعلق ہے، مجلس مقننہ سے جو تعلقات ہیں، ان کو گورنر جنرل کے شاہی ہدایت نامے میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :-

۸۰ - یہ ہماری مرضی و خوشی ہے، کہ ہمارا گورنر جنرل موصوف، ہمارے اور ہماری پارلیمنٹ کے متعلق اپنی تمام ذمہ داریوں کا خیال رکھتے ہوئے، ہماری ہندوستانی رعایا کے فلاح و بہبودی کے لئے پوری کوشش کرے، اور ہمارے گورنر باجلاس کونسل کو جو فرائض انجام دینے پڑتے ہیں، وہ ہماری رعایا کے لئے کوئی موافقت و رضامندی کا خیال رکھے۔ اور وہ مجلس مقننہ میں اس کا اظہار کرے، اور جہاں تک ہو سکے وہ اسے حقوق و منصفانہ سمجھے ۷

مرکزی حکومت کی تبدیلیاں بہت ہی معمولی ہیں۔ رکن قانون کے لئے ہندوستانی قانونی تعلیم، برطانوی تعلیم کے مساوی تسلیم کر لیا گیا ہے، مجلس عاملہ کے ارکان کی تعداد ۱۶ آئی متحدہ اٹھالی گئی ہے، معمولی اور غیر معمولی رکن کا اختلاف بھی ہٹا دیا گیا ہے۔ ایک اہم تبدیلی جو قانون اصلاحات سے بالکل علیحدہ عمل میں آئی ہے، یہ ہے کہ مجلس عاملہ میں (پہلے کی طرح) ایک یا دو منتخب کمیٹی کی سفارش کے بموجب (یعنی جگہ میں) ارکان ہندوستانی ہوں گے۔ اور اس وقت وائسرائے اور یہ سالہ ہند کو ملا کر مجلس عاملہ کے ۸ ارکان ہیں۔

اگرچہ اس بات کو برطانوی ہند کو عطا کردہ آئین سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے،

مگر یہ امر قابل غور ہے، کہ ایک مستقل ایوان دالیان ریاست (تندرینڈل) بھی قائم ہوا ہے، تمام بڑے بڑے دالیان ریاست اس کے رکن ہو گئے ہیں اور چھوٹے دالیان ریاست کی نمائندگی ایک چانسلر (ہمارا جہ پیکاٹیر) کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی مجلس عاملہ بھی بنائی گئی ہے۔ اس کے دو مقاصد ہیں:-

(۱) ہندوستانی ریاستوں کو حکومت ہند کے ساتھ اشتراک عمل کے لئے تیار کیا جائے اور (۲) ایسے معاملات برجن کا اثر دیسی ریاستوں کے مفاد پر مشترکہ طور پر پڑتا ہو، غور و فکر کی جائے۔ حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے مابین، ایک اور جدید مشترک تعلق وہ آئین ہے، جس کے ذریعہ سے (۱) کسی دیسی ریاست کے انتظام کی خرابی یا اس کے حکمران کی بد اخلاقی کی تحقیقات کے لئے کمیشن مقرر کیا جاسکتا ہے اور اس میں ایوان دالیان ریاست سے قائم مقام نشست کریں گے۔ اور (۲) ایسی ثالثی عدالتوں کی ترتیب دی جاسکتی ہے، جو دو ہندوستانی ریاستوں یا ایک ہندوستانی ریاست اور مرکزی یا صوبہ داری حکومت کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کریں۔

(۷)

محکمہ وزارت ہند کے نظام میں بہت ہی معمولی مادی تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔ اب بھی وزیر ہند کو تمام معاملات میں عموماً اور تقرری اور اخراجات کے معاملہ میں خصوصاً جن کی وہ دستوری حیثیت سے نگرانی کرتا ہے، ایک مجلس یعنی مجلس سبھ مشورہ دیتی ہے۔ اس کے ارکان کی تعداد میں اب دو کمی کر دی گئی ہے، ایسے لوگوں کی تعداد جنہوں نے ہندوستان میں ملازمت یا سکونت کی ہو، گھٹا دی گئی ہے؛ پہلے ان کی تعداد ۹ تھی، اور اب وہ پوری تعداد کا نصف کر دی گئی ہے اور یہ پوری تعداد کم از کم ۹ اور زیادہ از زیادہ ۱۲ پر مشتمل ہوتی ہے، اور زمانہ ملازمت کو بھی ۷ سال سے ۵ سال کر دیا گیا ہے۔ یہ انتظام ہندوستانی ارکان کے لئے جگہ نکالنے کے لئے کیا گیا ہے اور اس وقت درج ۲۲ ہیں ارکان کی مجلس میں ۱۰۳ ہندوستانی ہیں۔ قانون اصلاحات نے اس غرض سے کہ کام، محکموں کے ذریعہ

بلا واسطہ انجام پانے لگیں، وزیر ہند با اجلاس کونسل کے عام اختیارات کی گرفت کو بہت ڈھیلے کر دیا ہے، اور یہ طے کیا گیا ہے، کہ وہ اجلاس جو ہر ہفتہ ہوتا تھا، وہ ہینے میں ایک بار ہوا کرے۔ اگرچہ یہ تجویز اپنی جگہ پر باقی ہے، لیکن ہفتہ وار اجلاس اب بھی منسوخ ہوتے ہیں۔

قانون (اصلاحات) میں یہ بھی طے ہوا ہے، کہ وزیر ہند کی تنخواہ جو پہلے ہندوستانی روپیہ سے دی جاتی تھی، آئندہ سے برطانوی پارلیمنٹ کی منظور کردہ رقم سے دی جائے اور اس طرح اس کے تاہنوں اور مجلس ہند کے ارکان کی تنخواہیں اور دوسرے اخراجات بھی اس منظور کردہ رقم سے لئے جائیں۔ اس سے ایک طرف تو ہندوستان کی ایک دیرینہ شکایت دور ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف اب چونکہ وزیر ہند کی تنخواہ برطانوی موازنہ میں ہوگی اس لئے اس بات کا موقع ہوگا کہ جس طرح دوسرے محکموں کے وزراء کے متعلق دارالعوام کی مجلس اخراجات میں دلچسپی سے بحث ہوتی ہے، اسی طرح اب اس مجلس میں ہندوستان کے معاملات پر بھی تبادلہ خیالات ہو سکے گا۔

پارلیمنٹ میں ہندوستانی معاملات کے متعلق وہی دلچسپی پیدا کرنے کے لئے جو وہ اس وقت لیتی تھی، جب کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی مرئی و ناقد تھی، اور جو ششہ سے ایک بڑی حد تک کم ہو گئی تھی، ذیلی جماعت متعلق معاملات ہند قائم کی گئی اور اس مجلس کو ہر جدید اجلاس کے وقت منتخب کیا جاتا ہے۔ اس میں ۱۱ ارکان دونوں ایوانوں سے منتخب ہوتے ہیں، اور وہ ہر خیال کے لوگوں کے

۱۳۵۔ یہ طے پایا ہے کہ وزیر ہند اور اس کے پارلیمنٹی نائب ممبروں کی تنخواہوں کے علاوہ، برطانوی خزانہ دفتر ہند کو ۱۳۶۰۰ پونڈ یا کرینیکا، چنانچہ بجا۔۔۔ پونڈ کی سابقہ رقم کے اب ایسی رقم کی مجموعی رقم ۱۲۷۵۰۰ پونڈ ہوتی ہے۔ یہ رقم وزیر ہند کے تمام اخراجات کے لئے کافی ہے، البتہ ہائی کورٹ کے متعلق جو اخراجات ہیں وہ الگ ہیں۔

۱۳۶۔ دیکھو جائینٹ رپورٹ پارہ ۲۹۲ میں وزیر ہند کی تنخواہ کو برطانوی موازنہ میں شامل کرنے کی تحریک کی گئی تھی، اور اس بنا پر کہ یہ تبدیلی ہندوستان کے نظام حکومت کو مختلف المیال جماعتوں کا تحفہ شش بنا رہی، ایک بڑی اکثریت سے مسترد کر دی گئی تھی۔ دیکھو جائینٹ رپورٹ پارہ ۲۳۲۔

نمائندوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ مجلس ہر مشترکہ منتخب کمیٹی کی جگہ پر قائم کی گئی ہے جس میں ہندو اور
 کھٹی نے قانون (اصلاحات) اور اس کے تحتی ضوابط کے بنانے میں بڑی مدد دی
 تھی۔ اس جماعت کے سامنے مندرجہ ذیل چیزیں خاص طور سے پیش کی جائیں گی۔
 (۱) ایسے قوانین جن کو ہندوستان کے کسی صوبہ کا کوئی گورنر یا گورنر جنرل کسی
 مجلس مقننہ کے خلاف اپنے استناد مند کے ذریعہ منظور کرے گا، اور جن کا پالیٹک
 کے دونوں ایوانوں کے سامنے پیش ہونا ضروری ہے۔ (۲) ایسی تمام ترمیمات
 جو قانون حکومت کے قواعد کے جواب میں کی جائیں، جن کی ضرورت ہندوستان
 کے جدید دستور کے تجربہ اور ہندوستان کے سیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے
 وقتاً فوقتاً محسوس ہوتی رہے۔

قانون اصلاحات کی ایک اہم دفعہ وہ ہے جو اسے ہندوستان کے لئے ایک نئی کثیر
 (عامور اعلیٰ) کے مقرر کرنے کا اختیار دیتی ہے۔ اور یہ سلیٹے کہ وہ ہندوستان
 کو قلم و برطانیہ کے ایک جزو کی حیثیت سے اسے اور بھی زیادہ اہم اور خاص
 ورجہ دیتی ہے اس عہدہ دار کا بیروی کونسل کے حکم کے ذریعہ تقرر ہو چکا ہے
 اور اس کے ذمہ وہ کام دیا گیا ہے جو فرائض گماشتی کے نام سے، وزیر ہند حکومت
 ہند کے قائم مقام کی حیثیت سے انجام دیتا تھا، اب ہائی کمشنر حکومت کا جس کی ہدایات
 کے بموجب وہ کام کرتا ہے مصدقہ گماشتہ ہے، اور اس کا تقرر یا وہی درجہ ہے، جو
 دوسرے قلمروں کے مصدقہ نمائندوں کا۔ ان ہی لوگوں کی طرح وہ ہندوستان کے
 خاص سرکاری تجارتی نمائندہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔

۱۔ دیکھو دفعہ ۳۵ قانون (اصلاحات)۔

۲۔ ہائی کمشنر کے دفتر کے اخراجات تقریباً ۲ لاکھ پونڈ کو اصولاً ہندوستان اپنی آمدنی سے ادا کرتا
 ۳۔ مشرقی افریقہ میں بھی ایک ہندوستانی تجارتی کمشنر جس کے فرائض ایک مفصل کے فرائض
 جیسے ہوتے ہیں، مقرر کیا گیا ہے، اور ۱۹۱۹ء کے قانون ترک وطن کے ماتحت اس بات
 کا حق حاصل کیا گیا ہے، کہ جن نوآبادیوں میں ضرورت محسوس کی جائے، وہاں اس نوآبادی
 کی حکومت سے استصواب کر کے اس قسم کے امور مقرر کئے جائیں۔

پانچواں (۵)

عہد جدید کے بعض سیاسی مسائل

وزیر ہند نے اپنے ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء والے بیان میں جس حکمت عملی کا اعلان کیا تھا، اس کا ایک اہم ترین جز یہ ہے کہ ہر شعبہ انتظامی میں ہندو ستانیوں کی روز افزوں شرکت ہو گی، ہم اس سلسلے میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ حکومت کی ملازمتوں کے لئے جس کے وہ قابل ہوں ہندو ستانیوں کے استحقاق کے اصول کی بنیاد پر ۱۸۳۲ء کے قانون مشوری کے ذریعہ تصدیق ہو چکی تھی، اور اس کے بعد ملکہ وکٹوریہ کے ۱۸۵۷ء کے اعلان میں جس کی ان الفاظ میں تصدیق کی گئی :-

”اور یہ ہماری مزید خواہش ہے، کہ جہاں تک ہو سکے ہماری رعایا کو خواہ وہ کسی مذہب و ملت کی ہو آزادانہ اور بلا تفریق مذہب و ملت وہ عہد سے تفریق سے کئے جائیں، جن کے فرائض کے ادا کرنے کی تسلیم و یقوت وہ حامل کر سکی ہوں۔ اگر اہلیت و قابلیت کے سوال کو نظر انداز نہ بھی کریں تاہم ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ ان وعدوں کا پورے طور سے ایفا نہیں کیا گیا، اور نہ اس سے انکار کیا جاسکتا ہے، کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو ستانیوں کو اس بات کی حال میں شکایت پیدا ہوئی

ہے، وہ محکمات ایک بڑی حد تک بیجا بھی نہیں ہے، کہ ان کو سرکاری ملازمتوں میں
 دہرہ رہیں دیا گیا، جس کے وہ اپنے معاشرتی و ذہنی اوصاف کی وجہ سے مستحق تھے۔
 پہلے تو انڈین سول سروس کو نیچے پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعہ تقریباً تمام
 علاقہ اور علاقہ اعلیٰ عہدے اس ملازمت کے لئے مخصوص ہیں۔ اس لئے اس سے پہلے
 جس سال کہ یہ تخصیص کی گئی، اس سال تک ان ملازمتوں کا تقریباً نصف انڈیا کے نظارہ
 کرتے تھے۔ اس سال میں مجلس نظارہ کے قبضے سے یہ اختیارات جاتے رہے اور
 اس کی جگہ میں ایک عام امتحان مقابلہ لندن میں منعقد ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ اس
 سے ہندوستانیوں کے مفاد کو بہت صدمہ پہنچا، جس کی تلافی کے لئے متعدد تجربے
 کئے گئے۔ مثلاً ۱۹۱۶ء میں لارڈ لارنس نے جو اس وقت واپس آئے تھے، ہندوستانیوں
 کے لئے چند ایسے وظیفے مقرر کئے جن کے ذریعہ وہ انگلستان میں تسلیم پاسکتے
 تھے، اور اس طرح اس ملٹی ملازمت کے امتحان مقابلہ میں شریک ہو سکتے تھے،
 لیکن حکومت انگلستان نے اس تجویز کو پسند نہ کیا، اور کچھ عرصے کے تجربے کے
 بعد اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۷ء میں ایک قانون منظور کیا گیا، جس کے
 ذریعہ یہ طے پایا کہ مصدقہ لیاقت و قابلیت کے ہندوستانیوں کے لئے
 مزید سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے، ان کو امتحان مقابلہ کے علاوہ دوسرے
 طریقوں سے بھی اس ملازمت میں داخل کیا جائے، اس قسم کے تقرر کے
 متعلق قواعد ۱۹۱۷ء میں بنائے گئے، اور طے کیا گیا کہ ایسی ملازمتوں کے
 لئے جتنی آسامیاں خالی ہیں، ان میں سے پانچ کو حکومت ہندوستانیوں کی
 نامزدگی سے پر کرے۔ اس نامزدگی کے ذریعہ جو لوگ مقرر کئے جاتے تھے
 وہ قانونی سولین کہلاتے تھے لیکن اس ترکیب سے خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں
 ہوئے، اور ۱۹۱۷ء میں اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب سول سروس کی از سر نو
 تنظیم کی گئی اور اسے انڈین سول سروس کا نام دیا گیا، اور تمام اعلیٰ عہدوں
 کو اس میں شامل کر لیا گیا، اور اس وقت سے اس ملازمت کے تمام امیدوار

لے دیکھو قانون حکومت ہند کا تیسرا فیصلہ۔

ایک عام امتحان مقابلہ کے ذریعہ جو لندن میں ہوتا، بھرتی کئے جانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بعض اعلیٰ اہلکاروں کو ایک صوبہ واری سول سروس میں شامل کر دیا گیا۔ ان اہلکاروں کا تقرر ہندوستان میں ہوتا، اور یہ گویا ہندوستانیوں کے لئے مخصوص سمجھی جانے لگیں۔ کبھی کبھی اس صوبوی ملازمت کا کوئی نوکر، اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے اس جگہ تک بھی ترقی کر جاتا ہے، جو انڈین سول سروس کے اراکین کے لئے مخصوص ہیں۔ ۱۹۱۹ء میں دارالعوام نے یہ تجویز منظور کی کہ انڈین سول سروس کی بھرتی کے لئے انگلستان و ہندوستان دونوں جگہ ساتھ ہی ساتھ امتحانات مقابلہ لئے جائیں، لیکن عملی دوسرے اعتراضات کی وجہ سے اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اب اس حکمت عملی کے مطابق کہ تمام شہ جات حکومت میں ہندوستانی عنصر بڑھایا جائے، یہ طے کر لیا گیا ہے کہ انڈین سول سروس میں ہندوستانیوں کے داخلہ کے لئے سہولتیں ہم پہنچانی جائیں، جوائنٹ رپورٹ کی سفارشیں زیادہ تر پبلک سروس کے رائل کمیشن کی سفارشوں پر مبنی ہیں اور بعض امور میں تو ان

لے پبلک سروس کمیشن کے لئے جو اعداد و شمار یکم اپریل ۱۹۱۹ء کو انڈین سول سروس کی ملازمتوں کی تعداد کے متعلق بنائے گئے تھے یہ ہیں :-

میزان	ہندوستانی	یورپین	انڈین سول سروس
۱۳۷۱	۶۳	۱۳۰۸	(یعنی فیصدی)
-	۵	۹۵	صوبہ واری سول سروس
۲۲۳۲	۲۲۲۳	۲۰۹	(یعنی فیصدی)
۳۸۰۳	۹۱	۹	

۱۹۱۹ء میں وزیر ہند نے جو کمیٹی تفریق کی تھی اس نے بھی اس وقت اسی تجویز کی سفارش کی تھی۔
۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء

۱۹۱۹ء میں کمیشن نے فرم دیا اور ۱۹۱۹ء میں اس نے اپنی رپورٹ مکمل کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان حالات کو جانچ کر رپورٹ کرے کہ وہ کیا رکاوٹیں ہیں جو غیر یورپی اشخاص کے داخلہ ملازمت میں پیدا ہوتی ہیں۔

سفارشوں پر اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ہر سال میں جس قدر تقرر رہوا کریں گے ان میں ہندوستانیوں کے لئے ایک خاص تعداد مخصوص کر دی گئی ہے۔ ابتداءً یہ تعداد ۱۰ ہو گی، اور یہ رفتہ رفتہ اس طرح بڑھ سکے گی، کہ ۱۰ سال کے عرصہ میں ۱۰۰ تعداد تک پہنچ جائیگی۔ ہندوستانیوں کو مختلف طریقوں سے بھرتی کیا جائے گا، مثلاً (۱) اس عام امتحان مقابلہ کے ذریعہ جو اب تک لندن میں ہوتا ہے (۲) ایک امتحان مقابلہ کے ذریعہ جسے پبلک سروس کمیشن ہندوستان میں منعقد کرے گا (۳) ہندوستان میں نامزدگی کے ذریعہ (۴) و بوی ملازمت سے ترقی دے کر جیسا کہ اب تک ہوتا آیا ہے (۵) ایسے قانون دانوں کا جنہوں نے ہندوستان ہی میں پیشہ قانون میں خاص شہرت حاصل کی ہے، محکمہ عدالت کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کر کے۔

دوسری اعلیٰ ملازمتوں میں بھی اس قسم کی حکمت عملی پر عمل کیا جا رہا ہے، پبلک سروس کمیشن کی رپورٹ کے وقت ہندوستانی تعلیمی ملازمت میں ۱۰۰ اسامیوں پر رپورٹ مقرر تھے، آئندہ سے ۱۰۰ اسامیاں، ہندوستانیوں سے پُر کی جائیں گی، ان کا تقرر ہندوستان اور انگلستان دونوں جگہ ہوگا، اور براہ راست تقرری و ترقی کے ذریعہ لوگ ان درجوں تک پہنچائے جائیں گے۔ اسی طرح اگر لائق امیدوار مل گئے تو ہندوستانی جنگلاتی ملازمت میں بھی ۱۰۰ اسامیاں ہندوستانیوں سے پر کی جائیں گی۔ ہندوستانی کو توالی ملازمت میں ابھی کچھ عرصے تک اس بات کی ضرورت

۱۰۔ جن لوگوں کو ترقی دی گئی، ان کو عہدہ جات مندرجہ ذیل پر مقرر کیا گیا ان عہدوں کے متعلق قواعد ۱۹۱۵ء میں بنا لے گئے، اور سلسلہ میں ان پر نظر ثانی کی گئی جو بہت متفقہ کی ایک تحریک کی حکومت نے مخالفت کی جس میں ان جگہوں کو نہ صرف بڑھانے بلکہ مضاعف کرنے کی تجویز کی گئی تھی، مگر ۱۹۲۲ء فروری ۱۹۲۲ء کو حکومت کو ۳۴ کے مقابلے میں ۶۸ راولوں سے شکست ہوئی۔

۱۱۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں متفقہ بین حکومت کی طرف سے جو بیان پیش کیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) ہماکو نکال کر) ہندوستانی تعلیمی ملازمت میں ہندوستانیوں کا تناسب ۱۹۱۶ء فی صدی ہے، اور اس سے بڑھتا ہے، کہ جدید حکمت عملی پر پناہیت سختی سے پابندی کی جا رہی ہے۔ ہندوستانی تعلیمی ملازمت میں ان کا اوسط ۱۹۱۵ء کے ۵ فی صدی کے مقابلے میں اس وقت ۳۱ فی صدی ہے۔

کہ برطانوی عنصر غالب رکھا جائے، اور اس وقت ہندوستانیوں کی بھرتی کا تناسب ۱:۱ ہے، جس میں سے نصف براہ راست اور نصف صوبہ داری کو تو الی کی ملازمت سے ترقی دے کر بھرتی کی جائیگی، اس کے علاوہ بہت سی ایسی ملازمتیں ہیں جن میں اب برطانوی عنصر کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اور اب یہ ملازمتیں خالصتہ ہندوستانیوں سے پرکی جائیں گی اس قسم کی ملازمتوں میں محکمہ مالیات، محکمہ امور عامہ کا شعبہ تعمیرات، راہ و عمارات ہیں۔

ہندوستانیوں اور انگریزوں کے تناسب کی بحث و تنقید کے ساتھ دوسری جس چیز پر تنقید کی جاتی ہے وہ اعلیٰ سول سروس کے فرائض کی انجام دہی کا مسئلہ ہے، اور یہاں پر ہم، عاملانہ و عدالتی فرائض کی جداگانہ حیثیت پر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ حاکم ضلع، جو ایک ہندوستانی ضلع کا عاملانہ افسر ہوتا ہے، فرانسیسی صوبہ کے پرفیکٹ کے تقریباً مساوی ہے، اور اپنے عاملانہ فرائض کے علاوہ بعض عدالتی فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ دیوانی عدالتوں کا نظام سول سروس کا ایک جداگانہ شعبہ ہے، اس کے ساتھ ہی فوجداری عدالتوں کا کام عاملانہ افسروں اور محکمہ عدلیہ میں منقسم ہے۔ حاکم ضلع پولیس کی نگرانی رکھتا ہے؛ وہی سب سے بڑا عامل ہے، اور عموماً اپنے نائب عاملوں کے ذریعہ، فوجداری کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے۔ وہی اہم قسم کے مقدمہ گوشن جج کے پاس بھیجتا ہے۔ صرف کلکتہ، بمبئی، اور مدراس کے شہروں میں فوجداری عدالت بالکل الگ ہے، اور یہ ایک عدالتی افسر (جو پریسڈنٹی مجسٹریٹ کہلاتا ہے) اور عدالت عالیہ میں منقسم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہی افسر ضلع کے ہاتھوں میں عاملانہ و عدالتی کاموں کا رہنا، بہت ہی قابل اعتراض ہے، کیونکہ جب ایک شخص جو کہ پولیس کا نگران ہونے کی وجہ سے مقدمات کے چلانے کا ذمہ دار ہے، (خواہ یہ کام ایک ماتحت افسر ہی کے ذریعہ کیوں نہ انجام پائے) تو اسی کے قبضے میں اس کا فیصلہ نہ ہونا چاہئے اس مسئلہ کی اس صورت کو ایک درخواست میں تہا بہت پر زور طریقہ سے بیان کیا گیا ہے، جو کلکتہ میں وزیر ہند کو عدالتی و عاملانہ فرائض کی علیحدگی پر دی گئی تھی۔ اس درخواست پر بنگال و بمبئی کے سابق چیف جسٹسوں کے

دستخط بھی تھے۔ دوسری طرف حکومت کا بیان ہے کہ اس میں روپیہ کی بچت ہوتی ہے اور حاکم ضلع کو عامل اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے جو خاص و قار حاصل ہوتا ہے وہ دوسری صورت میں جاتا رہیے گا۔ اور ہندوستان کے بعض ضلعوں میں تو اگر حاکم ضلع عامل اعلیٰ نہ رہا، تو اس کی وہ عزت ہی باقی نہ رہیگی۔ ہم اب شاید اس نتیجہ پر اس بحث کو ختم کر سکتے ہیں، کہ ایک تمام تر آزادانہ و عمل محکمہ عدالت کی ترتیب کو ایک ماسلوم عرصے تک ملتوی نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن یہ سوال کہ ہندوستان کی موجودہ ارتقائی حالت میں اس کا وجود بسا ضروری یا صرف مناسب ہے ایک مستقل سوال ہے۔ نہ صرف مجلس مقننہ کے دونوں ایوان بلکہ تمام صوبوں کی مجالس مقننہ میں اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے، مگر اس کے علاوہ تقریباً تمام مجالس عدالت و عالیٰ فرائض کی علیحدگی پر متفق ہیں، اور انھوں نے اپنے اپنے یہاں اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کمیٹیاں مقرر کر دی ہیں۔ حکومت ہند نے اگرچہ مقامی حکومت کے اختیار تمیزی میں مداخلت کرنے سے انکار کر دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی علیحدگی کے اصول کو بھی تسلیم کر لیا ہے اور اس پر رضامندی ظاہر کی ہے کہ اگر صوبائی حکومت اس قسم کا کوئی نظام مرتب کر کے اس کے اخراجات کا سامان کرے، تو وہ باعث مقننہ ہند میں اس کے متعلق تحریک پیش کرنے میں معاون ہوگی علیحدگی میں سب سے بڑی رکاوٹ مالی مشکلات کی ہے۔

جس طرح سول سروس کے عہدہ داروں کے متعلق مختلف مسائل پیدا ہو رہے ہیں بالکل اسی طرح ہندوستانی فوج کے اعلیٰ عہدوں کے متعلق بھی مختلف امور زیر بحث ہیں۔ جنگ سے پہلے ان تمام عہدوں پر برطانوی اشخاص فائز ہوتے تھے۔ یہاں پر یہ بات بتا دینا چاہئے کہ ہندوستان میں فوج میں برطانوی و ہندوستانی

سلہ یہ مسٹر جسٹس (اب سر) عبدالرحیم رکن پبلک سروس کمیشن کی اقلیت کی رپورٹ میں شامل ہے۔ مشعلہ میں حکومت ہند اس مسئلہ کی طرف توجہ دیتی تھی لیکن اس وقت جو عمل پیش کیا گیا تھا، اس کو مقامی حکومتوں نے منظور نہیں کیا۔ اس کے بدلہ لارڈ ہارڈنگ کی حکومت نے بھی اس مسئلہ کو اٹھایا لیکن کوئی بہتر نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

فوج کا تناسب ۱:۲ ہے برطانوی فوجی عہدہ دار عموماً مستقل برطانوی فوج سے لئے جاتے ہیں۔ وہ وقتی طور پر سپہ سالار اعظم ہند کے ماتحت ہوتے ہیں، اور ان کی خواہش بھی ہندوستان کے خزانہ سے ریکائی ہیں؛ مؤخر الذکر فوج، ہندوستان کی "عربی" اقوام سے بھرتی کی جاتی ہیں (مثلاً سکھ اور دوسرے پنجابی، راجپوت اور مرہٹہ اور نیپال کے گورکھا) اب سے پہلے کوئی ہندوستانی بھی وائسرائے کے کمیشن سے بلند تر عہدہ پر مقرر نہیں ہوتا تھا؛ یہ عہدہ برطانوی کمیشن افسر سے نیچے اور ہندوستانی غیر کمیشن افسر سے اوپر بین میں ہے۔ جنگ کے ساتھ اس میں تبدیلی واقع ہوئی یعنی پچاس سے زیادہ ایسے اشخاص کو جنھوں نے میدان جنگ میں کارہائے نمایاں کئے تھے، شاہی کمیشن ملے، اب اختتام جنگ کے بعد سے ہر سال ہندوستان کی عربی اقوام کے۔ ان جوانوں کو انگلستان کے مدرسہ عربی سینٹر ہرسٹ کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، کہ وہ وہاں سے کامیاب ہو کر ہندوستانی فوج میں کمیشن عہدوں پر مقرر ہوں۔ - ملاحظہ فرمائیں (افوج ہند کی) ایسٹرن کمپنی کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے جمعیت متقنہ ہند نے یہ تجویز منظور کی کہ آئندہ سے ان شاہی کمیشن عہدوں میں جو سالانہ ہندوستانی فوج کے افسروں کو ملتے ہیں، ۲۵ فیصدی عہدے ہندوستانیوں اور اینگلو انڈین افسروں کو ملیں۔ اس تعداد میں سنڈ ہرسٹ کے سالانہ امیدوار، اور وہ افسر جن کو وائسرائے کے کمیشن عہدوں سے ترقی ملتی ہے، دونوں شریک ہیں۔ حکومت نے اس تجویز کی مخالفت نہیں کی، لیکن صورت حالات کے تناظر مطالعہ تک کے لئے اس کو عملی جامہ پہنانے سے ملتوی رکھا گیا ہے۔

یہ ایک نہایت ہی ناگزیر و اہم مسئلہ ہے، ایک طرف تو ایسے نوجوان ہندوستانی ملتا اور دشوار ہیں جو اپنے ذاتی اوصاف کی وجہ سے اس ملازمت کے لئے مناسب ہوں، بلکہ اس میں بھی شبہ ہے، کہ ہم نسل یا ہم طبقہ

۱۹۱۷ء کی عہد برطانیہ نے ڈیڑھ دو دن میں انگریزی پبلک سکل کے قسم کے ایک نئے کلائم ایجاد کیا یہاں تک کہ بالاقوام ہندوستانی لڑکے اس قسم کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، جو ان کو ہندوستان میں سنڈ ہرسٹ میں داخل ہونے کے لائق بنا دے گی۔ - ۱۹۱۷ء وہ ہندوستانی افسر جو وائسرائے کے کامیون یا چیکر ہیں اور عام ہندوستانی سپاہی اپنے زیر کمان افسر کی طبیعت و اخلاق حالت سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ -

افسروں کے علاوہ اور ایسے کتنے آدمی مل سکتے ہیں، جن میں صحیح جماعتی یکجہتی ممکن ہو۔ اور یہی چیز تمام جمہنی نظاموں کی ماہیہ الاتیاز خصوصیت ہے۔ ممکن ہے کہ اس مسئلہ کا حل اس شکل میں ہو کہ ہندوستانی فوج میں تمام تر ہندوستانی افسریہوں کو اس قسم کا انتظام افواج خدمت شاہی دامپیریل سروس ٹروپ میں ہے، یہ فوجیں بعض بڑی بڑی ہندوستانی ریاستوں سے متعلق ہیں، اور برطانوی فوج کی ایک امدادی شاخ ہیں۔ اسی طریقہ سے ایک خاص اسم باسمی قومی فوج کی بنیاد بھی ڈالی جائیگی۔ یہاں پر ہم کو ان امکانی مشکلات کا بھی (جن کا سول سروس) کے سلسلہ میں بھی مقابلہ کرنا ہو گا) ذکر کر دینا چاہئے جو موجودہ تبدیل شدہ حالات میں قابل برطانوی افسروں کے حصول میں پیش آئیگی۔ اس شکل کا ایک حل جو اچھے کامل طور سے تشفی بخش نہیں ہو سکتا، یہ ہو سکتا ہے کہ برطانوی افواج کے افسروں کا ہندوستانی افواج میں تبادلہ کیا جائے، اور اسی طرح ہندوستانی افسروں کا برطانوی افواج میں، یہی حل طبی تنظیموں، یعنی رائل آرمی میڈیکل کور اور انڈین میڈیکل سروس، ہندوستانی طبی ملازمت کے انتظام کا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے مسائل پر جو جنگ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں، ہندوستان کی فوج کی، ایڈمینیسٹریٹو کی رپورٹ میں بحث کی گئی ہے، لاڈل چیمفورڈ کی حکومت نے جو ایک نئی یا تراجیح کی تھی، وہ بھی قابل غور ہے، کہ اس سے جنگ کی پیدا کردہ روح جدید کا پتہ چلتا ہے، وہ نئی بات یہ تھی کہ ہندوستانی فوج کا ایک ممتاز ہندوستانی افسر بھی وائیس رائے کی مجلس مقننہ کے لئے، نامزد کیا گیا اور بقول جائینٹ رپورٹ کے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس ہندوستان کی اعلیٰ ترین مجلس

لہ یہ حکمت عملی جواب "ہندیانٹ" Indionization کے نام سے موسوم ہے۔ روز بروز مستحکم ہوتی جاتی ہے، اور اس کا ثبوت اس جواب سے ملتا ہے جو، رجنری ملٹری کالج کو جمعیت مقننہ ہند میں دیا گیا تھا۔

۱۹۰۷ء گذشتہ دو سال میں انڈین میڈیکل سروس میں مقننہ امیدوار بھرتی کئے گئے ہیں ان میں ۱۱ ہندوستانی ہیں۔

۱۹۰۸ء اس رپورٹ سے متعلق جو مباحثہ اور ان مقننہ ہند میں ۱۹۰۸ء مارچ ۱۹۰۸ء کو ہوا تھا اس کی روداد بھی پڑھو۔

۱۹۰۹ء دیکھو پارہ ۳۲۹۔

میں ہندوستانی فوج کو نمائندگی کا حق مسلمہ ہو جائے گا۔
قوانین اسلحہ ہند میں ترمیم کی وجہ سے ایک دیرینہ شکایت مٹ گئی۔ اس
شکایت کا یہ سبب تھا کہ اس قانون میں یہ نسلی امتیاز رکھا گیا تھا کہ یورپی اصحاب کو
آتشیں اسلحہ رکھنے کے لئے کسی حاکم ضلع کی منظوری کی ضرورت نہ تھی؛ اس لیے یہ
مخصوص مراعات داپس لے لی گئی ہے، اور اب اس قانون کے لحاظ سے
ہندوستانی دیوروی ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

علامتہ والی افواج جنہوں نے افواج مدافعت ہند کے شعبہ رضا کاران ہند کی
جگہ لے لی ہے جو دوران جنگ میں عالم وجود میں آئی تھیں بہت کچھ ریاستی افواج سے
مشابہ ہیں۔ ہندوستانیوں کو حصہ سے اس ریاست کی شکایت تھی، کہ ان کو کسی قسم
کی کوئی ایسی فوجی تعلیم نہیں دی جاتی ہے، کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت کر سکیں تاہم
دوران جنگ میں ان افواج مدافعت ہند کی ہندی شاخ کی بھرتی بہت ہی
بالوس کن تھی ہندوستانی فوج کی اس جدید شاخ میں سب سے امید افزا جماعتیں جلمانی
پلیٹوں کی ہیں اور امید ہے کہ کیشن والے ہندوستانی افسروں کے لئے یہ بہترین
تربیت گاہ ثابت ہوگی افواج مدافعت ہند کی ایک اور شاخ جو دوران جنگ
میں عالم وجود میں آئی یورپی اور انگریزی اینگلو انڈین لوگوں کی پلیٹن تھی، جن کے لئے
مدافعت وطن کی فوج میں داخلہ لازمی تھا؛ اس پلیٹن کو اب امدادی افواج کے ہول
پر رضا کارانہ طریقہ پر پھر از سر نو مرتب کیا گیا ہے، اور اس میں قابل داخلہ اشخاص
کی بڑی تعداد شامل ہے۔

اس وقت بحری فوج کے حقیقی معنی کے لحاظ سے، ہندوستان اس فوج سے
محروم ہے۔ امیر البحر لارڈ ڈیلکو نے حال ہی میں تجویز پیش کی ہے، کہ موجودہ چھوٹی
سی مقامی بحری قوت کو جو شاہی ہندوستانی بیڑے کے نام سے موسوم ہے، اور جو
زیادہ تر صرف رسل و رسائل کی خدمت انجام دیتی ہے، ترقی دیکر ہندوستانی
بحری قوت کے درجہ تک پہنچا دیا جائے، مگر موجودہ فوجی اخراجات کے ہوتے
ہوئے، جو ہندوستان اپنی بڑی مدافعت کے لیے برداشت کرتا ہے، اس
وقت یہ نامکن ہی معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستان اس تجویز کو خواہ وہ کیس قدر

بھی جو صلا افزا ہوا، اعلیٰ جاہد بنا سکے۔ اس وقت وہ تمام رقم جو بحریات کے نام سے عام طور پر سالانہ ہندوستان میں صرف کی جاتی ہے، تقریباً نصف ملین پونڈ ہے، اس میں ایک لاکھ پونڈ کی وہ رقم بھی شامل ہے، جو ہندوستان برطانوی محکمہ بحری کو ادا کرتا ہے وہ جس کے ذریعہ سے شاہی بحری قوت کے شرعی ہند کے بیڑے کے چند جہازوں کے اخراجات برداشت کرتا ہے، اور یہ جہاز حکومت ہند کی رضا کے بغیر ایک مخصوص حدود سے باہر استعمال نہیں کئے جاسکتے۔

اس عہد جدید میں ہندوستان کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح عوام کی جہالت دور کی جائے اور جدید انتخاب کنندوں کی سیاسی تعلیم کیسے ہو اور اعداد پر ایک سرسری نظر اس کی اہمیت کو دلالتیں کر دیتی ہے۔ ۱۹۱۷ء کی مردم شماری کے اعتبار سے یہاں کی جملہ آبادی کا ۶ فیصدی حصہ اور افراد ذکور میں ۱۰ فیصدی حصہ ایسا ہے کہ جس کو خواندہ کہا جاسکتا ہے۔ حال کے سرکاری اعداد کے مطابق مدرسہ جانی کی عمر (۵ سے ۱۰ سال) کے لڑکوں میں سے ہر تین میں ایک ابتدائی تعلیم پاتا ہے، اور اس عمر کی لڑکیوں میں سے ہر پندرہ میں ایک لڑکیوں کی تعلیمی ہستی کا سبب ایک حد تک وہ معاشرتی قیود ہیں، جن کے ذریعہ ہندو اور مسلمان دونوں قوموں میں عورتوں سے پردہ کرایا جاتا ہے اور گواہ اس رسم کی حتیٰ میں کچھ کمی ہو رہی ہے لیکن یہ نہایت ہی آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے، کہ یہاں کے برطانوی حکام نے سیاسی اسباب کی بنا پر ہندوستان کو تعلیم سے محروم کر رکھا ہے۔ جس معنی میں یہ الزام لگایا جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ بالکل ہی غیر منصفانہ ہے۔ واقعہ یہ ہے، کہ یہ صرف اوسط طبقہ ہی ہے، جو اپنے اندر سیاسی رجحان بھی رکھتا ہے، اور جس نے صحیح طور سے تعلیم کی خواہش کا اظہار کیا ہے، ان کا مطالبہ تعلیم سیاسیات سے زیادہ معاشیات کی بنا پر ہے، اور ان کے اس مطالبہ کو نہایت فراخ دلی سے پورا کیا

ہے۔ اس کتاب کے لکھے جانے کے بعد ہندوستانی بیڑے کی ایک علیحدہ شخصیت کر دی گئی ہے اور بیڑی کے بند گاہوں میں ایک جہاد ہندوستان میں کھڑی جہازوں کی کشتانی سکھانے کے لئے تین کر دیا گیا ہے۔

گیا ہے۔ اگر ہم ثانوی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں اور اس میں لڑکوں کی تعلیم کا حال دیکھیں، تو ہم کو نظر آئیگا، کہ ہر ۱۰۰۰ میں ۹۰ ثانوی تعلیم پاتے ہیں، اور یہ خود انگلستان کے تناسب سے کافی زیادہ ہے۔ تقریباً یہی حکم کالجوں پر بھی لگایا جاسکتا ہے اس وقت برطانوی ہندوستان میں اجامعات ہیں، اور وہ ۱۵۰ کالجوں پر مشتمل ہے اور ہنگال جیسے صوبہ میں جو اس لحاظ سے خاص طور سے بڑھا ہوا ہے، ایسے لوگوں کا تناسب جو پورے اوقات تعلیم میں شرکت کرتے ہیں، انگلستان سے دس گنا زیادہ ہے۔

اس الزام کو کہ حکومت نے ان لوگوں کو جن کے لئے تعلیم معاشی و سیاسی حیثیت سے مفید ہوتی، اس سے محروم کر رکھا ہے، نظر انداز کرنے کے بعد بھی اگر حکومت پر یہ الزام لگایا جائے کہ اس نے اس قدم آزادی و رواداری کے برتاؤ میں غلطی کی ہے تو بعید از انصاف نہ ہوگا اس کے دوتیمے ہوئے ایک طرف عزائم کی طرف سے خفلیت برتی گئی اور دوسری طرف اعلیٰ تعلیم کا اتنے وسیع میدان پر انتظام کیا گیا، کہ ہندوستان کے بعض حصص میں ایسے تعلیم یافتہ اشخاص کی اتنی بڑی جماعت پیدا ہو گئی ہے کہ انکو اقتصادی حیثیت سے ملک اپنے اندر نہیں کھپا سکتا،

۱۹۱۱ء میں مسٹر گوکھلے نے حکومت پر اس بات کا زور ڈالا کہ وہ ابتدائی تعلیم کا ذرا ہمت سے انتظام کرے، اور پھر مجلس متفکر ہند میں یہ تحریک پیش کی کہ تمام برطانوی ہند میں ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ مانی اسباب کے اعتبار سے حکومت اس تحریک کو قبول نہ کر سکی، لیکن گزشتہ دس برس میں مسٹر گوکھلے کے خیال کے موافق کافی ترقی ہو گئی ہے۔ اکثر صوبوں میں ایسے قوانین منظور کر لئے گئے ہیں، جن کے ذریعہ اگر مجالس بلدیہ چاہیں تو اپنے حلقوں میں لازمی تعلیم جاری کر سکتی ہیں،

۱۔ دیکھو ہندوستان میں اخلاقی و مادی ترقی کی رپورٹ صفحہ ۱۶۳۔

تہ ایضاً

انصاً

الیناً

۲۔ یہ تعداد بڑھ کر اب ۱۹۱۱ء میں ۷۰ تک پہنچ گئی ہے۔

اور صوبہ بھٹی میں تو یہاں تک کر دیا گیا ہے، کہ جو مجالس بلدیہ اس قسم کی کوئی کارروائی کرنا چاہیں وہ نصف اخراجات صوبہ کی حکومت سے لے سکتی ہیں۔ عام تعلیمی توسیع کی ابتدا کے لئے دو مشکلوں کے دور کرنے کی سخت ضرورت ہے، اولاً مالی (اور ہندوستان جیسے غریب ملک میں یہ وہ مشکل ہے جس سے معاشرتی مصلحین کو قدم قدم پر دوچار رہنا پڑتا ہے)، اور ثانیاً تربیت یافتہ معلمین کا فقدان کہ یہ مشکل بھی اسی قدر سخت ہے۔ اس وقت تمام مشیہ جات تعلیم میں صرف ایک ٹلٹ ایسے اساتذہ ہیں، جنہوں نے کسی نہ کسی قسم کی تعلیمی تربیت کرائی ہے۔ یہاں پر یہ باسٹ یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ اب جب کہ محکمہ تعلیم کو حکومت خود اختیاری مل چکی ہے۔ اس مسئلہ کے لئے تمام مساعی کا دار و مدار ہندوستانی وزیر ہے، اور اس کے متعلق جو بھی لائحہ عمل اختیار کیا جائے اس کے اخراجات قابل حصول صوبوی رقوم اور ایسے مزید خصوصوں کے ذریعہ پورے کئے جاسکتے ہیں جو عمر نامہ قانی طرہ سے وصول کئے جائیں گے۔

ابتدائی تعلیم کی توسیع کے مسئلہ کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کے صنعتی ارتقا کا سوال ہے۔ تعلیم کی طرح یہ بھی ایک ایسا سرکاری محکمہ ہے جسے صوبوی محکمہ بنا کر ذمہ دار ہندوستانی وزیر کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔ انڈین انڈسٹریل کمیشن مامور یہ متعلق ہندوستان ۱۹۱۶ء کی قابل قدر و مفصل رپورٹ کی بنا پر صوبہ میں ایک ناظم صنعت مقرر ہو چکا ہے۔ یہ ناظم وزیر صنعت و حرفت کے ماتحت حکومت کے جملہ فرائض انجام دے گا۔ اور لوگوں کو جدید صنعت و حرفت کے لئے ترغیب مشورہ اور امداد دیے گا۔ حکومت کے قدیم اصول غیر مداخلت کے خاتمہ کا نتیجہ شخصی کاروبار کی ترقی میں نمایاں ہوا ہے، اور دوران جنگ میں اون کو مزید وسعت و قوت حاصل ہو گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان نہایت سرعت سے ایک صنعتی ملک بن رہا ہے۔ اور اگرچہ اس راہ میں بعض رکاوٹیں بھی ہیں، لیکن پھر بھی نہ صرف ہندوستان کی غربت مختلف اقسام کے صنعتوں اور حرفتوں کی ترویج اور مصنوعات کے لئے صنعت بخش بازاروں کی تخلیق کے ذریعہ سے دور کرنے کے لئے و نیز باشندگان ملک میں اجتماعی و سماجی ذہانت پیدا کرنے کے لئے

اس سے مفہ نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تعلیم و صنعت کو دوش بدوش ترقی کرنا چاہیے۔ ان میں سے ایک کا دوسرے پر رد عمل ہوتا ہے یعنی صنعتی ترقی جس کے ساتھ اجتماعی ترقی لازمی ہے۔ ایک طرف تو تعلیم کا مطالبہ پیدا کرتی ہے، اور دوسرے مزید مادی ذرائع سے اس مطالبہ کی تکمیل کا سامان ہیا کرتی ہے۔

اگرچہ یہ سب کچھ صحیح ہے، پھر بھی ابھی عرصہ دراز تک ہندوستان دیہات اور چھوٹے گسٹوں ہی کا ملک ہونے پر مجبور ہے۔ اور ان کی سیاسی تعلیم محض ابتدائی تعلیم کی توسیع کا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر ہندوستان کے دیہات میں عمومی عوامیت کی جڑ مضبوط کرنا ضروری ہے تو اس کو صرف ملک کے حسب حال مجالس کے ذریعہ کرنا چاہیے، اور دیہاتی پنچایت اسی قسم کی ایک مجلس ہے۔ دیہات کی ان پنچایتوں کو زندہ کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں۔ پنچایت کا نظام دیہات اور مختلف ذاتوں دونوں میں پایا جاتا ہے۔ جماعت انتخابی ہوتی ہے، اس کے پانچ ارکان ہوتے ہیں، جو بیچ بکھلتے ہیں، اور ان کا صدر سرپرست ہے۔ یہ نظام تمام ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ جہد برطانیہ کے ابتدا ہی میں کچھ تو نظام حکومت کی مرکزیت کی وجہ سے اور کچھ دیہات کے معاشی علیحدگی کے خاتمہ کی وجہ سے اس نظام کو زوال آیا لیکن اب اس کے احیا کی سخت کوشش کرنا چاہیے، اور یہ نہ صرف اس لئے کہ مقامی معاملات کی لامرکزیت کا یہ بہترین ذریعہ ہوگا بلکہ علی عوامیت کے لئے یہ تجربہ گاہ مفید ثابت ہوگی۔ دیہات کے قدیم نظام حکومت کی خود اختیاری کے بحال کرنے میں مدد اس سب سے آگے ہے۔ پنگال نے بھی حال میں حکومت خود اختیاری دینے کا قانون ہانکل اسی طرز پر منظور کیا ہے، اور دوسرے صوبے ان کی تقلید کر رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں طریقہ عمل اختیار کیا گیا ہے یہ ہے کہ متعدد متصل دیہات کے مجموعہ کو ایک ایسی پنچایت کے ماتحت کر دیا جاتا ہے جو اس علاقہ کا اچھی طرح انتظام کر سکے، مگر اس کے ساتھ

لہ اس کے علاوہ ایک چیز اداوایمی کے بنک میں جو سال بسال ہندوستان کی دیہاتی زندگی میں مدحت اختیار کرتے جاتے ہیں۔

یہ بھی خیال رکھا جاتا ہے، کہ یہ علاقہ اتنا بڑا نہ ہو جائے، کہ مقامی رنگ غالب ہو جائے۔ اس علاقہ کو ایک ایسی انجمن مجلس، یا پنچایت کے ماتحت دیا جاتا ہے، جس کے اکثر ارکان منتخب ہوتے ہیں۔ یہ پنچایت سڑکوں، آب رسانی، مدارس، شفا خانوں اور اس قسم کے مقامی معاملات اور حاکم ضلع کی زیر نگرانی دیہاتی پولیس کا انتظام کرتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے فوجداری اور دیوانی مقدموں، اور پنچوں کے ذریعہ فوری اور بلا خرچ تصفیہ بھی اصولاً اس نظام کا ایک جز ہے۔ چونکہ اب محکمہ حکومت خود اختیاری ایک متقل محکمہ ہو گیا ہے، اس لئے اس معاملہ کی طرف بھی ہندوستانی وزرا کی توجہ مبذول ہے۔

پس دوسرے محکموں کا ذکر ہی کیا صرف ان تین میدان ہائے عمل یعنی تعلیم، صنعتی ترقی، اور دیہاتی حکومت خود اختیاری میں، اصلاح شدہ مجالس مقننہ اور ان کے ذمہ دار ہندوستانی وزرا کو اس کے کافی مواقع حاصل ہیں۔ کہ وہ شہریت اور عمویت کی وسیع و مضبوط بنیاد قائم کریں، اور اپنے تجربات کی روشنی میں نہایت بہادری سے اس کی تمیہ کر کے ان مسائل کو نہایت بہتر طریقے سے حل کر کے اپنے کو حکومت خود اختیاری کے مزید حقوق کا مستحق ثابت کریں۔

باب (۶)

اصلاح شدہ دستور حالت نفاذ میں*

اب جب کہ اصلاح شدہ دستور حکومت کی عملی زندگی کو عرصہ گزر چکا ہے، ہم اپنے اس عظیم آئینی تجربے کے بعض ابتدائی نتائج سے متعلق اظہار رائے کر سکتے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم پارلیمنٹری مجالس کی کارروائیوں کی طرف متوجہ ہوں مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ہم اس اولین انتخاب سے متعلق جو لو میڈیم سب سے زیادہ میں ہوا تھا کچھ کہیں۔ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ بعض قوم پرستوں کے لاکھ عمل کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ انتخابات کا مقاطعہ کیا جائے۔ اس حکمت عملی کو بڑے بڑے قصبوں میں عموماً اور صوبہ متحدہ پنجاب، اور بمبئی پریسیڈنسی میں خصوصاً زیادہ کامیابی حاصل ہوئی، جہاں تحریص و ترغیب کی متحدہ کوششوں سے امیدواروں اور انتخاب کرنے والوں دونوں کو عملی حصہ لینے سے باز رکھا گیا۔ ایسی ہی نشستوں میں سے جو انتخاب کے ذریعہ پر ہوئیں، صرف نصف درجن ایسی تھیں جن کے لئے ابتدا کوئی امیدوار پیش نہیں ہوا چنانچہ ان جگہوں کو انتخاب ثانی کے ذریعہ بعد میں پر کیا گیا اس کے علاوہ امیدواروں کے

چونکہ طوفان ہے کہ یہ کتاب ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی تھی۔

اجتناب اور اکثر ان رائے دہندوں کے احترام کی وجہ سے جنہوں نے تحریک ترک موالات سے متاثر ہو کر رائے نہیں دی ان جدید مجالس کی وہ شان نمائندگی پورے طور سے حاصل نہ ہو سکی تھی کی وہ متحقق تھی۔

۴، ۷ نشستوں میں ۵۳۵ میں مختلف امیدواروں میں مقابلہ تھا، اور ہر نشست کے لئے اوسطاً ۳، ۴ امیدوار پیش کئے گئے تھے اور اگر ایسی نشستوں کے جن کے لئے مقابلہ تھا تمام ملک کے رائے دینے والوں کا اوسط نکالا جائے اور پھر واقعی ان کا مقابلہ ان لوگوں کے اعداد سے کیا جائے جنہوں نے رائے دی تھی، تو مقامی مجالس بحیثیت مہتمم اور مجلس مملکت میں علی الترتیب ان کا اوسط ۳، ۲۵، ۱ اور ۵ ہو گا۔ یہ تعداد بہت بڑی ہوتی، مگر شہروں میں تحریک ترک موالات کا اثر غالب تھا۔ مدراس کے شہروں میں سب سے زیادہ رائیں دی گئیں، تمام غیر اسلامی شہری حلقوں میں اوسطاً ۵۰ فی صدی رائیں درج کرائیں گئیں۔ ان میں ایسے دو حلقے انتخاب بھی شریک ہیں جن میں ۱۰ فی صدی رائیں درج ہوئیں۔ دیہاتی حلقوں میں جہاں کے نتائج شہروں سے زیادہ تشکیک تھے، بہار و اڑیسہ جیسے پیمانہ صوبہ میں ۱۵، ۱۶، ۱۷ اور ۱۹ فی صدی رائیں درج ہوئیں اور صوبجات متحدہ میں تحریک ترک موالات کے باوجود ایک حلقہ میں سے ۶۶ فی صدی اور اسی ۵۰ فی صدی سے زیادہ رائیں درج ہوئیں۔ جب ہم ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہیں، کہ آسام، اور صوبجات متوسط اتنے ترقی یافتہ شمار نہیں کئے جاتے ساتھ ہی تحریک ترک موالات کا اثر بھی غالب تھا۔

سنہ تمام صوبوں میں عموماً مسلمان امیدواروں کا خاص طور سے فقدان محسوس کیا جا رہا تھا، اور شہروں میں اور صوبہ بھی اور پنجاب میں خاص طور سے یہ بات زیادہ نمایاں تھی۔ ترک موالاتی جماعت نے جس مقاطعہ کی تحریک کو شروع کیا تھا، اسے مسلمانوں نے برطانیہ کے ترکی طرز عمل پر صدائے احتجاج کے طور پر اختیار کر لیا تھا۔ دیکھو اعداد و شمار مطلقہ نتائج انتخابات تہیدی نوٹس مطبوعہ ۱۲۶۱۔

۱۵۲ و تقاضا تھا ترک موالاتی جماعت نہایت نچ قوم کے کسی شخص کو

وہاں ارکان اور حلقہائے انتخاب میں مفاد کی یکسانیت کا ارتقا تدریجی طریقہ سے ہوگا۔ اکثر جدید ارکان کی امور ملکی سے دلچسپی کا فقدان، اور یہ واقعہ کہ بعض ارکان اپنے وقت کی قربانی پر تیار اور راضی نہیں ہوتے، یہ وہ اسباب ہیں جو اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں، کہ بعض صوبوی مجالس مقننہ اور جمعیت مقننہ میں حاضر یوں کی تعداد اتنی کم کیوں رہی ہو گی، کیونکہ ہندوستانی زندگی میں پارلیمنٹی مجالس کی کامیابی کے لئے ارکان کی دلچسپی اتنی ہی زیادہ ضروری ہے، جتنا کہ رائے دہندوں کے لئے سیاسی ہنم، اور اس کی کوئی توقع نہیں ہے، کہ دونوں میں سے ایک بھی دفعہ عالم میں آجائے گی۔

بعض جدید مجالس میں خاص خاص مقاصد اور راہ نمائوں کی معرفت سیاسی فریق بندی کی جا چکی ہے، مثلاً بنگال کی مجلس مقننہ میں آزاد اعدال پسند جماعت تقریباً پچاس غیر سرکاری ارکان پر مشتمل تھی، اور وہ حکومت کے مقابل سب سے بڑی جماعت ہے، صوبجات متحدہ میں اعدال پسند اور تقاریر پسند جماعتوں نے ایک مقدمہ ارتقا پسند جماعت کی صورت اختیار کر لی تھی اور اس میں تقریباً ۲۰ ارکان تھے۔ جمعیت مقننہ میں بھی دو جماعتیں تھیں جنہی عمومی جماعت میں ۱۰۰ غیر سرکاری ارکان میں سے تقریباً ۱۵ ارکان شریک تھے۔ اس جماعت کے دو اہم مقاصد (۱) اخراجات میں کمی اور (۲) کال سواراج کی طرف ہنایت سرعت سے ترقی، دوسری قوم پرود فریق ہے۔ یہ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے کم اہم ہے، لیکن اس میں پارلیمنٹی ذہنیت کافی طور پر موجود ہے، اس کی عام حکمت عملی یہ ہے، کہ حکومت اور انتہائی تبدیلی پسند جماعت کے درمیان توازن قائم رکھے، اس کے لائحہ عمل کی ایک اہم دفعہ فوج اور ملکی ملازمتوں میں ہندوستانی عنصر کا اضافہ ہے۔

۱۱۰۔ مجلس مقننہ بنگال کے ایک ابتدائی جلسے کی حاضری اتنی کم تھی، کہ جلسے میں پیش ہونے والی ۱۰۰ تحریکوں میں سے ۵۰ سے شاید ہی بڑھی ہو، اور یہ مجموعی تعداد کی نصف سے کم بھی ہے، اس کے ساتھ جمعیت مقننہ کے ایک اہم محبت کے جلسوں میں ۱۱۸ ارکان میں سے صرف ۶۷-۶۶ فی صدی سے بھی کم، ارکان موجود تھے۔

مدراس کی مجلس مقننہ سیاسی فریقوں کی بجائے مذہبی اقوام کے اصول پر متقسم تھی عام توقع کے خلاف پہلے ہی انتخابات میں غیر برہمنوں نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کر لی، اور منتخب ارکان میں ان کی اکثریت مسلم ہو گئی۔ اسی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے گورنر نے مفوضہ محکموں کے انتظام کے لئے ایتنوں و زیروں کو غیر برہمن ارکان ہی میں سے منتخب کیا۔ گورنر کا یہ فعل 'ذمہ دار' حکومت کی تمام سابقہ نظائر کے عین مطابق تھا، کیونکہ وزراء سے اس بات کی توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ متفقہ طور سے اپنے فرائض انجام دیں، اور مجلس مقننہ میں ان کو اکثریت کی حمایت حاصل ہو، پھر بھی اس واقعہ سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، کیونکہ لوگوں کو عام حالات کی طرح اس وقت بھی یہی خیال تھا کہ گورنر سرکاری ملازمتوں کے اہوال کے مطابق ایتنوں جگھوں میں سے ایک غیر برہمن کو، ایک برہمن اور ایک مسلمان کو سپرد کر سکتے گا۔

دوسرے صوبوں میں اکثر وزراء، اعتدال پسند جماعت کے ارکان سے (جس نے اصلاحی اسکیم کی تائید کی تھی) لئے گئے تھے اور وائسرائے کی مجلس عاملہ و صوبہ کی مجالس میں جو ہندوستانی ارکان مقرر کئے گئے، وہ بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے یہ وہ لوگ ہیں، جو منظم آئینی ترقی کے خواہاں ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی پیکے قوم پرست ہیں؛ یہ وہ لوگ ہیں جو ہندوں کو قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے اصول پر برابر قائم رہے ہیں اور عرصہ دراز سے ہندوستانی سیاسیات میں خاص مرتبہ حاصل کر چکے ہیں۔ پنجاب کے مقرر شدہ وزراء میں ایک آنر ایبل مسٹر ہرکشن لال بھی تھے جو انتہا پسند سیاست داں تھے، مطلقہ کے فسادات پنجاب کے سلسلہ میں

لے غیر برہمن امیدواروں کے مفاد کی حفاظت کے لئے خاص انتظام کیا گیا تھا اور کچھ باب ۲۲ جو ۲۲ تھ یہ ہوا کہ ہندوؤں کی ۲۲ انتخابی جگھوں میں ۲۲ برہمنوں سے قبضہ کر لیا۔ اس میں ۲۰ نشستیں بھی شامل ہیں، جو ۶۵ غیر مسلم نشستوں میں سے ان کے لئے مخصوص ہیں ۲۰ نشستوں کی مجلس عاملہ کے ہندوستانی ارکان میں ایک برہمن ہے، اور ایک مسلمان۔ ۲۰ مسٹر ہرکشن لال پنجابی صنعت و حرفت کے خاص طبقہ، انتخاب کی طرف سے مجلس مقننہ پنجاب میں منتخب ہوئے تھے۔

ان کو سزا بھی مل چکی تھی اور سال کے آخر میں اصلاحات کے نفاذ کے ساتھ ہی جو عام معافی دی گئی تھی، اس میں رہا ہوئے تھے جس فیاضانہ تدبیر نے اس تقرر کی بہت دلائی اس کی وجہ سے لوگوں میں ایک عام اطمینان یہ پیدا ہو گیا۔

اب جدید پارلیمنٹی مجالس کی کارروائی کی طرف متوجہ ہو جیے ہم اصلاح شدہ مجالس مقننہ ہند کے اولین اجلاس (دفروری، مارچ ۱۸۵۷ء) ہی میں دیکھتے ہیں، کہ جدید مجالس مقننہ نے پر زور و سنجیدہ طریقے سے اور مفلوج مالی حالت کی وجہ سے حکومت جن افکار میں مبتلا ہو گئی تھی ان میں خلوص کے ساتھ شریک ہو کر ہمارے نزدیک ان حقوق کے صحیح استعمال کا ثبوت دیا جو اصلاحات کی وجہ سے ان کو ملے تھے۔

جمیعت مقننہ کے اولین اجلاس میں ۱۸۵۷ء میں پنجاب میں فوجی قانون کے نفاذ کے متعلق بحث ہوئی۔ اس تجویز کے ذریعہ گورنر جنرل یا اجلاس کو نسل سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ (۱) وہ اس بات کا اعلان کر دے کہ وہ ملل نسلی مساوات کے اصول کی سختی سے پابندی کرے گا، اور ہندوستانی جائیں، اور عورت برطانوی جانوں اور عزت کی طرح مقدس سمجھی جائیں گی، (۲) اس بات پر اظہار افسوس کرے کہ فوجی قانون کا اس طریقہ سے نفاذ کیا گیا تھا، جس سے ہندوستانی آبادی کے احساس خودداری کو سخت صدمہ پہنچا تھا، (۳) ایسے افسروں کو ختم کرنے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا ہے، عبرت انگیز سزا دی جائے اور (۴) خود اس بات کا اطمینان کرے، کہ جو لوگ جلیا تو الہ باغ میں یا کسی دوسری جگہ مقتول یا زخمی ہوئے ان کے اعزاء کو اسی نسبت سے معاوضہ دیا گیا ہے، جس نسبت سے ان یورپیوں کو دیا گیا ہے جس کو فسادات کے دوران میں کوئی صدمہ پہنچا، یا مقتول ہوئے۔

حکومت نے اس سرکاری بیان کے بعد کہ جن افسروں کا طرز عمل قابل الزام تھا ان کے خلاف کارروائی کی جا چکی ہے، اپنی تحریک کی تیسری دفعہ واپس لے لی؛ باقی دفعات کو حکومت نے قبول کر لیا، اور اس طرح سے ترمیم شدہ تجویز متفقہ طور سے منظور کر لی گئی۔ سرکاری وغیر سرکاری یورپی ارکان نے نہایت صفائی سے ہندوستانی نقطہ خیال کو تسلیم کیا اور اسی طرح سے ہندوستانی ارکان نے فہم و تمکین سے

سے درگزر کر کے ہنایت ہی صاف طریقہ سے اپنے زاویہ نگاہ کو ظاہر کیا اور اس طرح اس تجویز کے متعلق جو تخی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا وہ دور ہو گئی۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، ایک اور معاملہ جس کے متعلق ہندوستانیوں کو بعض ہنایت تشدد آمیز قوانین کی وجہ سے سخت شکایت تھی۔ مجلس مملکت کے پہلے ہی جلسے میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی، اور سٹر (اب رائٹ آفیسر) نے اس شائستگی نے تحریک کی، کہ ایسی ذیلی جماعت مقرر کی جائے، جو اس مسئلہ کی تحقیقات کرے۔ حکومت نے اس تجویز کو منظور کر لیا، اور ایک ہفتہ بعد خود حکومت نے جمعیت متفقہ میں اس مضمون کی ایک تحریک پیش کی، کہ ایک ایسی جماعت مقرر کی جائے، جو قانون مطالع کے متعلق رپورٹ پیش کرے۔ ان دو ذیلی جماعتوں نے اپنی روادا میں پیش کیں جن میں ریر بحث قوانین کی تیسخ کے موافق رائے دی۔ البتہ انھوں نے دو قانونوں کو اس وقت کے لئے جب تک کہ سیاسی حالات بہتر نہ ہو جائیں، قانونی صورت میں رہنے دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور اس طرح اس خوش فہمی کی راہ سے جس پر اس بڑی آئینی تجربہ کی کامیابی کی بنیاد ہے ایک اور رکاوٹ دور ہو گئی۔

لہذا یوک آف کنٹاٹ نے مجالس متفقہ ہند کے رسمی افتتاح کے وقت سے جو قابل یادگار الفاظ کہے تھے اس رواداری میں بہت کچھ عمدہ و معاون ہوئے۔ انھوں نے کہا تھا کہ اگر تیسری، سیاری ہندوستان کے چھوٹے پر بد نام داغ لگائے ہوئے ہیں۔ اس وقت میں ایک ذاتی درخواست کرنے پر مجبور ہوں اور یہ درخواست ان سادہ الفاظ میں ہوگی جو میرے دل سے نکل رہے ہیں، اور امید کرتا ہوں کہ ان کو سرد دہری و تنقید کے نذر نہ کر دیا جائے گا۔ میرا تجربہ مجھے بتاتا ہے کہ غلط فہمی کے معنی عموماً جاہلین کی غلطی کے ہوتے ہیں ہندوستان کے ایک رفیق ریرینہ کی حیثیت سے میں ہندوستانیوں اور یورپیوں دونوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ عہد گزشتہ کی تمام غلط فہمیوں اور غلطیوں کو ہمیشہ کے لئے وٹن کہ اس غلطی بگڑے ہوئے کام میں، تھکے ہو جائیں، اور ان توقعات کے حصول کے لئے جو آج پیدا ہو رہی ہیں ایک ساتھ مل کر کام کریں۔ تھکے دیکھو صفحات ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔

اصلاح شدہ مجالس مقننہ نے اپنے پہلے ہی اجلاس میں ایک اور ایسے معاملہ کے متعلق بھی جس کا ہندوستان کے قومی مفاد اور خود داری پر گہرا اثر پڑتا ہے اپنی رسلے کا حکومت پر اثر ڈالا؛ یہ ہندوستان کی فوجی ضروریات سے متعلق تھا، اور ہندوستان کی فوج سے متعلق ایشر کمیٹی کی رپورٹ سے پیدا ہوا تھا۔ کمیٹی کی روداد سن ۱۹۲۲ء کی خزان میں شائع ہوئی تھی، لیکن حکومت نے اس کی اہم سفارشوں کو اس وقت تک عملی جامہ پہناتے سے روک دیا تھا، جب تک کہ جدید مجلس مقننہ اولن پر غور نہ کر لیں، روداد کے بعض مبہم جملوں نے ہندوستانیوں کے جذبات کو برائیت کر دیا تھا، مثلاً یہ کہ ہندوستان کا سپہ سالار برطانوی محکمہ جنگ کا ماتحت ہوگا، اور ہندوستان ایک ایسی فوج تیار کرے گا جو ہندوستان کی ضروریات کے بجائے شہنشاہی مدافعت کے ضروریات کے مطابق ہوگی، اور اسی کو اس فوج کے تمام اخراجات برداشت کرنا پڑینگے۔

اس موضوع پر جمیعت مقننہ کی دوسری نشست میں بحث ہوئی، اور مندرجہ ذیل ترمیم شدہ تجویز کو حکومت نے قبول اور مجلس نے متفقہ طور سے منظور کر لیا؛ ”کہ ایشر کمیٹی کی رپورٹ میں جو کچھ بھی لکھا ہو، اس کے باوجود ہندوستان کی فوج ہمیشہ ہندوستان کے ہی ماتحت ہوگی، اور انگلستان کے محکمہ جنگ کے اقتدار یا مداخلت سے آزاد رہے گی، اور سلطنت برطانیہ کے مختلف حصص کے باہمی تعلقات سے متعلق جو اشتراک عمل ضروری ہوگا، اس کے متعلق تمام امور ایسی کانفرنس میں طے پائینگے، جن میں ہندوستانیوں کی کافی نیابت ہوگی“ اس مباحثہ کی دوسری منزل وہ تھی جب کہ ایک مرتبہ پھر حکومت کی منظوری اور اتفاق کے ساتھ جمیعت مقننہ کے ارکان کی ایک نمائندگی مقرر کی گئی، جس کے ذمہ یہ کام دیا گیا، کہ وہ ایشر کمیٹی کی رپورٹ پر مجموعی طور سے غور کر کے سفارشات کرے؛ بعد میں یہی سفارشات سجاوین کی صورتوں میں ایوان کے سامنے پیش کی گئیں۔ ایشر کمیٹی نے یہ جملہ استعمال کیا تھا، کہ ہندوستان کے حربی ذرائع کو اس طرح ترقی

دیجائے کہ وہ شہنشاہی ضروریات کے مطابق ہوں، سرکاری خیال کے مطابق اس کے مننی یہ تھے، کہ ہندوستان کی فوج کو ان طریقوں پر منظم مسلح کیا جائے جن پر سلطنت برطانیسی دوسری افواج کو منظم مسلح کیا جاتا ہے۔ لیوان نے اس تاویل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور اس فقرے کو ہی ساقط کر دیا جو ان کے جذبات سے متعلق کئے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی طے کیا گیا کہ شہنشاہی حفاظت کے متعلق تجاویز میں ہندوستانیوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی جائیں گی، وہ کسی صورت میں بھی سواراجی قلمروں کی ذمہ داریوں سے زیادہ سخت نہ ہوں گی اور ان ہی قلمروں کے شرائط کے مطابق عائد ہوں گی اس کے علاوہ متعدد سفارشی تجاویز با ترمیم یا بغیر ترمیم بھی منظور ہوئیں، ان میں سے بعض کو حکومت نے رسمی طریقہ سے منظور بھی کر لیا، ان میں سے ایک سفارش جس کی طرف میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے یہ تھی: کہ ہندوستان کی فوج میں کیشن کا عہدہ اب پہلے سے زائد تعداد میں ہندوستانیوں کو دیا جائے۔

اس اجلاس کی دوسری خصوصیت مقننہ کی (اور یہاں ہماری مراد خالص سے جمعیت مقننہ سے ہے) وہ ذہنی سنجیدگی تھی جس کے ساتھ وہ ایک طرف تو اپنے جدید مالی اختیارات کو کام میں لائے اور دوسری جانب حکومت کی مالی تجاویز کی دلی تائید کی۔

۱۹۲۱ء کے مالی سال کی ابتدا میں وزیر مال نے دیکھا کہ سال ختم ہونے میں اگر ۷۵ لاکھ روپے کی کمی ہے، اور موجودہ محاصل کی بنا پر آئندہ سال یہ کمی ۸۰ لاکھ روپے ہو جائیگی۔ ۱۹۲۱ء کی متوقع آمدنی کی کمی کی ایک وجہ تو شرح تبادلہ کا اتار تھا، اور دوسری (اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے) سرکاری ریلوں کی خالص آمدنی میں کمی تھی؛ متوقع اخراجات کے اسباب وہ مصارف تھے جو شمال مغربی سرحد پر فوجی کارروائیوں اور جدید سرحدی حکمت عملی

۱۔ دیکھو پارہ ۱، حصہ اول رپورٹ زیر بحث۔

۲۔ دیکھو باب (۵)۔ سابق۔

جس کے باعث وسط و زیرستان پر قبضہ کرنے کی وجہ سے برداشت کرنا پڑے۔ اس طرح سے جو حقیقی ملکداروں کو روٹا لاکھ روپے ہوئی، اسے زر کاغذی اور قرضے کے ذریعہ پورا کیا گیا۔ اب یہ بات ظاہر تھی، کہ آئندہ سال کی ۸ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے کی مالیات کے اعلیٰ ترین اصول سے گریز کرنے کے بغیر پوری نہیں کی جاسکتی تھی، چنانچہ رکن مالیات نے جدید محاصل کی تجویز پیش کی جس سے ۱۹ کروڑ روپے کی مزید آمدنی کی توقع تھی اس میں سے تقریباً نصف رقم حصول درآمد و برآمد کی نظر ثانی کے ذریعہ، اور باقی نصف ریلوں کے کر ایجے اچھول آمدنی، محصول بالائی (Super Tax) اور محصول ڈاک میں اضافہ ہونے کی تمہیکاسی گئی۔

بعض معمولی ترمیمات کے ساتھ (ب سے زیادہ مخالفت ڈاکخانہ کے محصول کے اضافہ سے متعلق تھی، اور جو تمام جدید محصولوں میں سب سے زیادہ غیر مقبول تھا) اس جدید مالی لائحہ عمل کو ایک واحد مالی مسودہ کی صورت میں دونوں ایوانوں نے منظور کر لیا البتہ جمیعت مقننہ نے بعض رقوم میں کمی اور بعض رقوم کو نامنظور کر کے اپنے اس اقتدار کا ثبوت دیا۔

پہلے موازنہ اور مالی مسودہ کے سلسلہ میں جو بعض دستوری نکات پیدا ہوئے ان کا بیان یقیناً دلچسپ ہو گا۔ مجلس مملکت نے مالی مسودہ میں ترمیم کے حق کو ہٹا کامیاب طریقے سے استعمال کیا۔ یہ مسودہ بجز ان مسودوں کے جن کی ابتدا

سلہ مثلاً یہ تجویز کہ پچیس ہزار روپے کی ایک رقم جو ایک امرین مقرر کے اخراجات کے لئے تھی ہندوستان آئے والا تھا اسلئے مسترد کر دی گئی کہ ہندوستان کو اس سے کسی قسم کے مادی فائدہ کی امید نہیں۔

۳ مجلس مملکت نے مالی مسودہ کی دو دفعات میں ترمیم کی اگر جمیعت مقننہ ان ترمیمات کو منظور نہ کرتی تو ایک ہنایت ناگوار صورت پیدا ہو جاتی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے، کہ اس مسترد ترمیم کو دونوں ایوانوں کے متحدہ اجلاس میں دوبارہ پیش ہونے کے لئے کم از کم ۶ مہینے گزار جانے چاہئیں جب بھی مجلس مملکت عمومی ایوان کی مخالفت کے باوجود اپنا حق ترمیم استعمال کرے گی تو یہ صورت حال پیدا ہو جائیگی چنانچہ اسلئے کہ مسودہ مال کے سلسلہ میں جھکاؤ پر ذکر ہو چکا تھا

ایوان زیرین کی طرف سے ہوتی ہے۔ تمام دوسرے مسودوں ہی کی طرح ہوتا ہے۔ مجلس مملکت نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اسے موازنہ پر مبنی حیثیت سے بحث کرنے کی اجازت دی جائے لیکن خود اس کے موجودہ قواعد کارروائی کی وجہ سے وہ اس خواہش پر عمل نہ کر سکی یہاں یہ بیان کر دینا چاہئے کہ جمعیت مقننہ نے دوسرے ایوان کے خلاف بہت رشک و حسد کا اظہار کیا۔ مجلس مملکت نے جو ترمیمات کی تھیں، ان پر اور اس تحریک پر کئی ترمیمات دونوں ایوانوں کی متحدہ منتخب کمیٹی کے سامنے پیش ہوں، دونوں ایوانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، اور جمعیت مقننہ کی یہ تجویز کہ دونوں ایوانوں کے ارکان بچتے اور اعزازی خطابات کے لحاظ سے مساوی درجہ پر رکھے جائیں، ایک اصول ناک مباحثہ کے بعد منظور ہو گئی۔

حکومت نے مسودہ مالیہ سے متعلق ایک اہم آئینی اصول کو بھی منظور کر لیا اور وہ یہ تھا کہ درآمد و برآمد کے اخراجات کے علاوہ جن کا غیر متفقین رہنا مناسب نہیں تھا، محصولات کے متعلق حکومت کو جو اختیارات دیئے جائیں، وہ صرف ۱۲ مہینوں کے لئے حاصل ہوں گے، اس طرح اس اصول کی بنیاد پڑتی ہے کہ تمام مالی مسودات سالانہ پیش کئے جائیں گے۔

ایک اور نئی اصلاح، جس کا مقصد یہ تھا کہ مالیات سے متعلق جمعیت مقننہ اپنے اختیارات کو بہتر طریقے سے استعمال کر سکے، یہ تھی، کہ حکومت نے ایک مستقل ذیلی مجلس مالیہ مقرر کر دی، اس مجلس کا صدر، رکن مالیات ہوتا ہے، اور اس کے تمام ارکان کو (نیابت متناسبہ کے اصول پر) جو جمعیت مقننہ منتخب کرتی ہے۔ اس مجلس کے اجلاس ہر سال میں کئی مرتبہ ہوتے ہیں اور کئی کئی دن تک ہوتے رہتے ہیں۔ محکمہ مال کی منظوری سے پہلے اور قبل اس کے کہ مختلف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) اس صورت حال کے پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا لیکن حکومت نے اپنی سرکاری راپور کو استعمال کر کے دونوں ایوانوں کے تضادم کو روک دیا۔

لے آئی ہیں۔ خطاب صرف مجلس مملکت کے ارکان کو حاصل ہے، اور جمعیت مقننہ کے ارکان اپنے ناموں کے بعد فراہم ایل سے استعمال کرتے ہیں۔

نہ است آئندہ موازنہ میں شریک کئے جائیں رکن مال اپنے غیر سرکاری رفقا کو جلد اخراجات کی تجاویز میں (جس میں فوجی، اخراجات اور دوسرے ناقابل رائے دہی مدات ہوتے ہیں) اپنا شریک راز بناتا ہے۔ وہ ان رقوم کی تجاویز پر بھی جو تخمینہ موازنہ کے بعد ضمیمہ مالی اخراجات سے متعلق ہوں، ان کے ساتھ مشورہ کرتا ہے۔ اصولاً یہ مجلس محض ایک جماعت شعوری ہے۔ مگر تا حد امکان رکن مال ان کی رائے کو قبول کر لیتا ہے، اس مجلس کی حقیقی اہمیت یہ ہے، کہ وہ عوام کے اختیارات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع دیتی ہے، اور اس کے ساتھ ہی ارکان جمعیت مقننہ موازنہ کے ابتدائی مدارج ہی میں اس سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

اب ہم مجالس مقننہ ہند کے دوسرے اجلاس دسمبر ۱۹۰۷ء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ اس نے اجلاس اول کی توقعات کو مشکل سے پورا کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جمعیت مقننہ نے اس بات کا صاف ثبوت دیا، کہ وہ ملک کی سیاسی بے چینی سے متاثر ہے۔ اس وقت جب کہ انقلابی تحریک جڑ پکڑ رہی تھی بجائے اس کے کہ اس کے ارکان ان کامیابیوں سے فائدہ اٹھاتے جو انہوں نے پہلے اجلاس میں حاصل کئے تھے انہوں نے اپنے کو موجودہ حالات کے عمیق و پر فریب بھنور میں ڈال دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا رائے دہندوں اور قانون سازوں کی سیاسی تعلیم کی ضرورت اب باقی نہیں رہی ہے اور موجودہ اصلاحات کے تمام منافع ان چند ہمنوں میں ختم ہو چکے ہیں چنانچہ اب اس رائے کا اظہار کیا جانے لگا کہ نجات اور بچاؤ کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ دستور ترقی کے متعلق جو مدارج قائم کئے گئے ہیں ملک ان سے نہایت تیزی سے گزر کر منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ اس رائے کی حامیوں میں سے ایک ممتاز شخص نے ایوان مقننہ

لے اس طرح اس کی حدیث مجلس باات مدائنی کوئی آن پبلک کاؤنٹس سے (جو ایک شعوری مجلس ہے) بالکل جدا گانہ ہے، جس مجلس کا فرض صرف یہ دیکھنا ہے، کہ رقوم کو واقعی اس طرح ترقیح کیا گیا ہے، اور دیکھنا ہے کہ جو

میں کہا کہ ملک ساحل انقلاب تک پہنچ چکا ہے، اور اگر فوراً کچھ نہ کیا گیا، تو منسلک کانگریس خلاف ورزی قانون کے اصول کو منظور کر لے گی۔ اور تمام ملک میں نراج کار و راج ہو جائے گا، حقیقت یہ ہے، کہ ان حالات کے اثرات ہمس قدر پریشان کن تھے، کہ اس اجلاس کا بڑا وقت یوں ہی برباد گیا، اور جمعیت مقننہ کی تمام قوت غیر مفید و بیجان آفریں مباحث میں صرف ہو گئی۔

نہجیلا اس قسم کی متعدد تجاویز کے ذیل کی تحریکوں پر بھی بحث ہوئی :-
(۱) یہ کہ سلسلہ کی ابتدا ہی میں صوبوں کی حکومتوں میں کامل آزادی اور حکومت ہند کے فوجی خارجہ اور سیاسی محکموں کے علاوہ تمام دوسرے محکموں میں ذمہ دارانہ حکومت مروج کی جائے، اور سلسلہ کی ابتدا میں نوآبادیات کے قسم کا سوراخ منظور کیا جائے (یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہ سال ہے، جسے قانون حکومت ہند میں پہلے لقیشتی پارلیمنٹی مامور یہ کے تقرر کے لئے مقرر کیا گیا ہے)۔

(۲) یہ کہ ہندوستانوں کو فوجی، بحری، تعلیمی، خارجی، سیاسی اور امور عامہ کے محکموں میں معتمد، نائب معتمد، شریک معتمد، کی اسامیوں پر مقرر کرنے کی حکمت عملی کا آغاز کیا جائے (یہ تجویز مجلس مملکت میں پیش ہوئی تھی)۔
(۳) یہ کہ فوجی خارجی اور سیاسی محکموں کے علاوہ، دوسرے محکموں کے لئے بھی جمعیت مقننہ کی منتخب شدہ مستقل ذیلی جماعتیں قائم کی جائیں (یہ تجویز ستمبر کے اجلاس میں پیش ہوئی تھی، لیکن بعد میں ملتوی کر دی گئی)۔

(۴) یہ کہ بعض اعلیٰ عہدوں مثلاً گورنر جنرل، جسٹس وغیرہ پر ہندوستانوں اور یورپیوں کی تعداد کو مساوی بنانے کی کارروائی کی جائے۔

(۵) یہ کہ صنعتی قسم کی چند مخصوص تکنیکل ملازمتوں کے علاوہ تمام ملکی ملازمتوں کی اسامیاں ہندوستان ہی میں پر کی جائیں۔
پہلی تحریک پر دو دن تک مباحثہ ہوتا رہا، اور ترمیم کے طور پر یہ تجویز پیش کی گئی۔

۱۶۔ یہ مباحثہ سوراخ کے نام سے مشہور ہے۔ (۲۳ و ۲۹ ستمبر ۱۹۱۳ء)۔

کہ یہ تمام معاملہ تحقیقات کے لئے ایک مجلس کے سپرد کر دیا جائے۔ بالآخر رکن ہونڈا کی تحریک پر ایک مصلحانہ ترمیم تسلیم کر لی گئی اور ایوان نے منظور کیا، کہ ہندوستان نے حکومت خود اختیاری کی راہ میں جو ترقی کی ہے، وہ اس بات کی مقتضی ہے، کہ موجودہ آئین پر مسئلہ سے پہلے نظر ثانی کی جائے۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے، کہ حکومت نے اپنے رویہ سے اس بات کا یقین دلادیا کہ وہ تجویز کی موجودہ شکل کی حامی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے خود اس کے رروش کے متعلق بہت کچھ غلط فہمی پیدا ہونے لگی تھی کہ اسمبلی تجویز کے محرک نے اپنی جوابی تقریر میں تو حکومت کو اس بات پر مبارکباد بھی دیدی، کہ اس نے اس بات کو صحیح و بافتح سمجھا، کہ وہ پارلیمنٹ سے قریب ہی کے زمانے میں ایک ماموریہ روایت کرنے کی سفارش کرے۔

چونکہ پانچویں تجویز پر (جو اہمیت کے لحاظ سے پہلی کے بعد ہے) بحث اس اجلاس ستمبر کے بالکل آخری وقت میں شروع ہوئی۔ اس لئے اس پر دوسرے اجلاس میں دینی ۱۱ فروری ۱۹۱۹ء کو بہت کچھ بحث ہوئی۔ محرک نے اپنی تجویز نہایت ہی اعتدال آمیز الفاظ میں پیش کی کہ وہ ملازمتوں کے ہندیانے کی تجویز کو جتنی قوی حیثیت سے ضروری سمجھتے ہیں، ویسے ہی معاشی حیثیت سے بھی اس تجویز کے مباحثہ میں بھی رکن داخلیہ نے ایک ترمیم کے ذریعہ تجویز کو منظور کرانے کی کوشش کی، اور وہ ترمیم یہ تھی۔ کہ بہت جلد اس قسم کی تحقیقات شروع کی جائے، جس سے اس مسئلہ کی تجویز کو کہ تمام ملکی ملازمتوں میں ہندوستانیوں کی تعداد بڑھائی جائے، مزید عملی جامہ پہنایا جاسکے اور اس بات کا انتظام کیا جائے کہ ہندوستان میں اس قسم کی تسلیم دی جائے جس سے ہندوستانی ٹیکیکل ملازمتوں میں زیادہ تعداد میں داخل ہو سکیں۔

میں نے جو تین اور تجاویز درج کی ہیں، اگرچہ کم اہم ہیں لیکن ان سے بھی بہت

۱۹۱۹ء کی اس مسئلہ کی جس تجویز کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے، اس پر جس حد تک عمل کیا جا چکا ہے اس کا حال باب (۶) کی ابتدا میں دیا جا چکا ہے۔

چلتا ہے، کہ ان میں بھی جدید آئین کی ترمیم کی ضرورت کا اظہار کیا گیا اور ساتھ ہی اس خواہش کو بھی پیش کیا گیا کہ حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر برطانوی اشخاص کی جگہ ہندوستانی مقرر کئے جائیں تیسری تحریک کی جسے جنوری ۱۹۱۹ء کے ابتدائی جلسوں ہی میں زیر بحث لایا گیا تھا، حکومت نے مخالفت کی، اور اس کی وجہ یہ بتائی، کہ اس طرح کام کرنے میں، محکمہ حکومت کے افسروں کو جو پہلے ہی سے کثرت کاری کی وجہ سے پریشان ہیں، اور زیادہ کاموں کا بار پڑ جائیگا، اور غیر سرکاری ارکان کے وقت کا مطالبہ اس کے علاوہ ہے۔ اس بحث میں اس تنقید کا حوالہ دیا گیا، جو لارڈ برائس نے مالک متحدہ امریکہ کی مجالس ایوانات (ریڈوس کمیٹی) کے متعلق کی تھی لیکن اس نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی، کہ ایک ایسی کمیٹی بنائی جائے، جو تجویزات قانونی کی جانچ کر سکے۔ یہ تحریک ۱۹۳۰ء کے مقابلہ میں کم کثرت سے منظور ہو گئی۔ دوسری تحریک میں بھی جو مجلس ملک میں پیش ہوئی تھی، حکومت کی تحریک پر ترمیم کر دی گئی، اور وہ بلا اختلاف رائے منظور کر لی گئی چوتھی تحریک کثرت رائے سے مرد کر دی گئی۔

اس اجلاس میں جمیٹ مقننہ نے ضمنی منظوریوں کے مطالبہ کے سلسلے میں ذمہ دارانہ تنقید کر کے اپنی امر شناسی کا ثبوت دیا ضمنی یعنی اخراجات کو پیش کرتے ہوئے رکن مال نے کہا کہ ہر رقم کو مجلس عالیہ نے منظور کر لیا ہے لیکن ایوان نے ۲۷ ریلوں کے مقابلہ میں ۲۶ ریلوں سے دلا کھرو پے کی رقم نامظور کر دی، جو اس کام کے لئے تھی کہ لٹن کمیشن، ہندوستانی طلبہ مقیم انگلستان سے متعلق مقرر ہوا تھا، وہ جب ہندوستان میں تحقیقات کے لئے آئے، تو اس کے اخراجات میں صرفہ بجائے۔ اس قابل لحاظ استثنائے کے علاوہ تمام مطالبات عمل طور سے

۱۔ اس اجلاس کے آخریام میں اس مضمون کی ایک تحریک پیش کی گئی تھی کہ حکومت کے ارکان کو جو مختلف محکموں کے ذمہ دار ہیں، مدد دینے کے لئے پارلیمنٹی ماتحت متعقد مقرر کئے جائیں، لیکن وہ سزا کر دی گئی۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ یہ خوف پیدا ہو گیا تھا، کہ ان اسیوں کو پر کرنے کے لئے جن لوگوں کو منتخب کیا جائے گا، وہ سرکاری آدمی ہو جائیں گے، اور اس طرح اپنی آزادی کھو بیٹھیں گے۔

منظور کرنے گئے۔

اب ہم جنوری تا مارچ ۱۹۱۹ء کے اجلاس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یہ اجلاس اہم واقعات سے پر اور مختلف جہتوں سے بہت نازک اجلاس تھا اور اجلاس ستمبر کے مقابلہ میں قانون سازی کے اعتبار سے بہت مفید تھا۔ بین الاقوامی معاہدوں کی تکمیل کی غرض سے جس پر ہندوستان کے بھی دستخط تھے، ایک قانون عورتوں اور بچوں کی بدکارانہ تجارت کے انسداد کے لئے منظور کیا گیا، اور قانون کارخانجات میں بہت سی ترمیمیں کی گئیں۔ کتاب قوانین میں جن دوسری اہم باتوں کا اضافہ ہوا، ان میں قانون ترک وطن، قانون آمدنی کی ترمیم اور قانون متعلقہ قیام چاہ دہلی قابل ذکر ہیں۔ ایک غیر سرکاری اہم تجویز بدستمتی سے منظور نہ ہو سکی، یہ ڈاکٹر گوڈ کا مسودہ متعلق قانون مناکحت غیر مذہبی تھا جو مختلف مذاہب اور فرقوں کے اشخاص کی شادیوں میں مزید سہولت بہم پہنچانے سے متعلق تھا لیکن کٹر عقائد والوں کی مخالفت اس کے لئے مانع ثابت ہوئی اور مسودہ نامنظور رہا۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حکومت نے اپنی سخت ترین مذہبی غیر جانبداری کو قائم رکھا۔

اس اجلاس کی دوسری خصوصیت وہ تائید تھی، جو حکومت کو تحریک عدم تعامل کے دبانے کے ذرائع سے متعلق دونوں ایوانوں سے حاصل ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی حکومت نے جس تحمل سے کام لیا تھا اس سے حکومت کو اس بات کی توقع تھی، کہ غیر سرکاری ارکان رائے دینے میں اپنی تائید کو اقتدار مشروط نہ بنا سکیں۔ مجلس مملکت کی ایک تحریک کہ دونوں ایوانوں کا ایک مشترکہ اجلاس اس غرض سے منعقد کیا جائے کہ جماعت تارکین موالات سے صلح کی جائے، ۱۰ ریلوں کے مقابلہ میں ۲۲ ریلوں سے نامنظور ہوئی وہی طرح ایک نئی نیشنل کانفرنس سے متعلق ترمیم بھی نامنظور ہوئی۔ ٹھیک اسی دن (۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء) جمعیت مختلف میں تشدد کی حکمت عملی کو فوراً ترک کر دینے پر، مباحثہ ہوا، اس تحریک کی مخالفت میں بعض قابل لحاظ تقریریں کی گئیں اور ان تقریروں کا دور اس وقت اور بڑھ گیا، جب رکن داخلہ نے حکومت کے گزشتہ سال کے طریقہ عمل پر اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”ہمارے سامنے کبھی بھی کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جو چاہے

سامنے آیا ہو اور ہم نے ایمان دارانہ طریقہ سے اس میں جمعیت متفننہ کے اعتدال پسند ارکان سے متحدہ رائے ہونے کی کوشش نہ کی ہو، تاکہ ہم اعتدال پسند فریق کو ملکی یہودی کے لئے ایک عملی قوت نہ بنادیں، ہر حال تجویز ۲۳ راپوں کے مقابل میں ۵۳ راپوں سے مسترد ہو گئی۔ اقلیت کی تعداد پر غور کرتے ہوئے ہمیں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے، کہ دصوبوں (بنگال اور بہار اڑیسہ) میں اس قسم کی حکومت پر عدم اعتمادی کی تجویز بہت زیادہ کثرت رائے سے منظور ہو چکی تھیں، اس اجلاس کے آخری زمانے میں حکومت نے قانون وامن کی حفاظت کے لئے جو کارروائی کی تھی اسے جمعیت متفننہ نے متعدد مرتبہ صحیح تسلیم کیا۔

تاہم نہایت اہم اور تجیر آفریں واقعات موازنہ کی بحث کے وقت پیش آئے۔ جنوری میں ایوانہائے متفننہ کے اجلاس کے شروع ہونے کے ساتھ ہی معلوم ہو گیا تھا کہ گزشتہ مارچ میں جو محاصل منظور کئے گئے تھے ان کے باوجود حکومت کو بہت زیادہ کمی سے سامنا کرنا ہے اور ساتھ ہی اخراجات کی معتد بہ کمی کی کوئی امید بھی نہیں۔ اس کے ساتھ اس واقعہ نے کہ تمام صوبہ داری حکومتیں بھی اس مالی کمی کا شکار ہو رہی تھیں، صورت حال کو نازک تر بنا دیا، حکومت نے اس سلسلہ میں یہ کارروائی کی کہ ایک خاص افسر مقرر کیا اور اسے ہر محکمہ میں ہر قسم کی تخفیف کا اختیار دے دیا، نیز اس افسر کے ساتھ دونوں ایوانوں کے دو دو غیر سرکاری ارکان بھی شامل کر دیئے لیکن جمعیت متفننہ کو اس سے تسکین نہ ہوئی اس لئے کہ اس کی خواہش یہ تھی کہ ایک ایسی ذیلی جماعت مقرر کی جائے جو انگلستان کی گیدز کمپنی Geddes Amc کی طرح ایک آزاد تبرہ تخفیف کا یہاں ہندوستان میں بھی عمل کرے، اس مفہوم کی ایک تحریر یک نام غیر سرکاری ارکان کی رائے سے جن میں یورپی عنصر بھی شریک تھا منظور ہو گئی۔ اسی قسم کی ایک اور تجویز بھی منظور ہوئی (اور اس کی بھی حکومت نے مخالفت کی)

۱۔ ایک ہم قانون پر جس کے ذریعہ پولیس میں بددلی پیدا کرنے والوں کے لئے سزا مقرر کی گئی تھی تنہا شدہ کمیٹی کے ارکان میں جس کے حوالہ پر مودہ کیا گیا تھا، اختلاف پیدا ہو گیا، اور حکومت اس قانون سے متعلق کوئی کارروائی نہ کر سکی۔

جس کے مطابق کم از کم اس سال کے لئے فوجی اخراجات داور دوسرے ناقابل راہی اخراجات) کو اچھی قیمت منقنہ کی رائے کے ماتحت کر دیا جائے۔ اس مسئلہ پر حکومت انگلستان کے قانونی مشیروں سے استصواب کیا گیا، انہوں نے بتایا کہ اگرچہ قانون ہند ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۲۵ (۳۲) میں اس بات کا موقع حاصل ہے کہ گورنر جنرل کی رضامندی پر، ان تخمینوں پر جماعت منقنہ میں بحث کی جائے، لیکن سوائے پارلیمنٹ کے کسی کو اس بات کا حق حاصل نہیں، کہ وہ اس قسم کے اخراجات کو جو قیمت منقنہ کے قبضہ اختیار سے باہر ہیں، اس قسم کے اخراجات میں جو قیمت منقنہ کے زیر اختیار نہیں تبدیل کر دے۔ رکن مال نے موازنہ پیش کرتے ہوئے اس فیصلہ کا اعلان تو کر دیا، لیکن اس سے اس کے کام میں مشکلات ہی کا اضافہ ہو گیا۔

یکم مارچ کو جو سالانہ مالی بیان پیش کیا گیا اس نے صورت حال کو مفصلہ ذیل طرز پر ظاہر کیا سال ابھی ختم ہوا اس میں شرح تبادلہ کے خطرناک نقصانات سرکاری ریلوں کے عملی اخراجات میں زیادتی، اور سرحد پر فوجی کارروائیوں کے وجہ سے ۱۱ کروڑ ۴۰ لاکھ روپیہ آمدنی سے زیادہ خرچ ہوئے، تجارت کی مرد بازاری سے جو سیاسی بے چینی سے بہت کچھ متاثر ہوئی ۱۲ کروڑ روپیہ کا نقصان ہوا، ان اسباب کی وجہ سے جملہ کی ۴۳ کروڑ کی ہوئی جو قرضے اور استقاع زر کی وجہ سے پوری کی گئی۔ اور گزشتہ چار برسوں کی کمی سے ملکر یہ قعدا ۹۰ کروڑ روپے تک پہنچ گئی۔ آئندہ سال کے لئے ایک ارب ۴۳ کروڑ روپے کے معنی اخراجات کا سامان کرنا تھا اس کے مقابلہ میں ۱۹۲۲ء کا نظرنانی کردہ تخمینہ ایک ارب ۴۳ کروڑ روپیہ کا تھا (جس میں فوجی اخراجات ۶۲ کروڑ روپے ہی رہے) موجودہ محاصل کی صورت میں اس سال کی آمدنی کا اندازہ ایک ارب۔ ۱ کروڑ روپیہ کیا گیا تھا (درآخالیکہ آمدنی کا تخمینہ ایک ارب ۹ کروڑ ۵۰ لاکھ تھا)۔ رکن مال اپنی تقریر میں مزانبہ کے خاتمہ پر یہ کہنے میں حق بجانب تھا کہ عہد ماضی میں ہندوستان کا مالی اعتبار دنیا میں بہت بلند رہا ہے، اگر اسے

لے دو لوں قسم کے اخراجات کے فرق کے لئے دیکھو ص ۱۱۷ ماہق۔

اپنی یہ بلند اعتباری قائم رکھنا ہے، اور اگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنے سیاسی اعتبار کو بھی جو اتنا ہی اہم ہے، باقی رکھنا چاہتا ہے، تو اسے وہ علاج کرنے میں جو اس کے لئے ضروری ہے ذرا بھی پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔“

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے رکن مال نے جدید محصولوں کا ایک سلاخ پیش کیا اس سے تقریباً ۲ ارب ۹۰ لاکھ روپیہ کی آمدنی اور پھر ۳ کروڑ کی کمی رہ جاتی تھی۔ اس کی تجویز تھی، کہ ریل کے کرایہ میں ۲۵ فی صدی کا اضافہ کر کے ۶ کروڑ اور محصول نمک کو جو اس وقت دو پیسے فی روپیہ تھا، ڈگنا کر کے ۵ کروڑ حاصل کر لیے جائیں؛ باقی رقم اس طرح حاصل کی جائے کہ ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑوں پر قیمت کے مطابق ۱۲ فی صدی کے بجائے ۱۶ فی صدی محصول لیا جائے۔ اور درآمد برآمد کے محصول کو حسب قیمت ۱۱ سے ۱۵ فی صدی تک بڑھا دیا جائے۔ مثلاً شکر میں ۲۵ فی صدی اور سامان عیش و آرام میں ۳۰ فی صدی اضافہ ہو) اس کے ساتھ ہی ڈاکخانہ کے محصولوں کو بڑھا دیا جائے، اور بڑی بڑی آمدنیوں پر مزید محصول لگایا جائے۔

رکن مال نے اعلان کیا، کہ حکومت ایوان مقننہ کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ایک آزاد تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرے گی؛ اس کے بعد آخر میں اس نے یہ بھی کہا، کہ اس کو امید ہے کہ اس کمیٹی کو فوجی دہلی دونوں کے اخراجات پر غور کرنے کا حق ہوگا۔ اس کے علاوہ اس نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ حکومت اس کوشش میں مصروف ہے، کہ وہ شمالی مغربی سرحد کے مشکلات کے متعلق ایک مستقل حکمت عملی اختیار کرے خاتمہ پر اس نے یہ بھی بیان کیا، کہ چونکہ قبل از جنگ تعداد فوج میں ۲۹۰۰۰ آدمیوں کی کمی کی جا چکی ہے اور اس وقت چونکہ خود ہندوستان اور سرحد میں عام بے چینی پھیل رہی ہے، اس لئے حکومت فوج کے تخمینہ میں کسی کمی پر غور نہیں کر سکتی۔

لے لیکن میرا لارڈ فوج کے قول کے مطابق یہ کمی اس شرط پر لگائی گئی تھی، کہ موجودہ فوج کو بہترین تمام اسلحہ سے مسلح کیا جائے لیکن یہ شرط اب تک پوری نہیں ہوئی ہے، اور اس کی تکمیل میں بھی بارہ مہینے اور گیس کے،

ان سبی بخش باتوں نے بھی جمعیت مقننہ کے اس فریق کو جو ہر حال میں تخفیف کی حامی تھی، مطمئن نہیں کیا، اور اس نے احتجاج کے طریقے پر خاص طور پر جو فوجی مقننہ سے متعلق تھا، ملکی اخراجات کی اکثر مدوں پر ۵ فی صدی کمی کا مطالبہ کر دیا، اور جہاں اس نے اکر وڈ ۹۰ لاکھ روپیہ کے جدید محصولات کی منظوری دی، وہیں انس نے مندرجہ ذیل عنوانوں کے ماتحت۔ اکر وڈ کی جدید آمدنی کو مسترد کر دیا وہ مات ۳۰ ہیں، محصول نمک اور روٹی کے پینے ہوئے کپڑوں پر محصول درآمد کا اضافہ کہ اس سے عوام کو سخت تکلیف ہوگی (روٹی اور دشتری کلون کی درآمد کے محصولات کا اضافہ کہ اس سے ملکی صنعت کو صدمہ پہنچے گا۔) اس طرح رکن مال کے یہاں اکر وڈ ۳۰ لاکھ کی یا اگر ہم ان کیوں کو بھی لے لیں جو ملکی محکموں میں کہ گئی تھیں، تو اکر وڈ ۲۰ لاکھ کی الٹی رہ گئی۔ آخر میں ایک ایسی تجویز پیش کی گئی، جسے حکومت نے بھی قبول کر لیا، اور جس کے ذریعہ آمدنی کی ایک نئی صورت پیدا ہو گئی، اس آمدنی کی رقم ۳ کروڑ تھی، اور اب کمی ۹ کروڑ کی رہ گئی۔ آخر میں حکومت نے محصول نمک کے دو گئے کرنے سے متعلق جس دفعہ کو مجلس مملکت نے دوبارہ بحال کر دیا تھا، اس کے منظور کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح جمعیت مقننہ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس نے اس بات کا عملاً اقرار کیا کہ ایوان بالا کو ایوان عام کی ظاہر کردہ مرضی کے خلاف مالی مسودہ میں ترمیم کا حق نہیں ہے۔

مصالحت کے ذریعہ ایک دستوری خطرہ کو جس میں گورنر جنرل کو اپنے فرائض حقوق استعمال کرنے پڑتے مثال دیا گیا۔ جمعیت مقننہ کے اس رویہ سے جو اس نے حکومت کے بیان کے خلاف اختیار رکھا تھا، ہندوستان کی مالی سائیکھ کو جو صدمہ پہنچا، اس کا اندازہ صرف آئندہ سال کی مالی حالت بتا سکتی ہے۔

لے کیونکہ اس بات کو نظر انداز کرنا چاہیے، کہ ایوان مقننہ نے آئندہ دوسرے سال کے لئے اکر وڈ ۹۰ لاکھ روپے کے جدید محاصل کی منظوری دی تھی۔

تہ ان اختیارات کے حالات کے لئے دیکھو صفحات ۳-۲-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴۔

اجلاس کے خاتمہ سے قبل ایوان مقننہ نے ایک ارب ۵۰ کروڑ کے اخراجات کی منظوری دی اور یہ طے کیا کہ یہ رقم قرضہ سے حاصل کی جائے، اور اسے ہندوستانی ریلوں کی ترقی کے لئے پانچ سال میں خرچ کیا جائے جس کی ضرورت کی طرف ایک کوڑھ ریلوں کی کھٹی نے اپنی گزشتہ سال کی رپورٹ میں توجہ منطقت کرانی تھی۔

یہاں پر ہم ان دو محضوں کا بھی ذکر کر دینا چاہتے ہیں جن کو جماعت مقننہ ہند اور حکومت ہند نے حال ہی میں پیش کیا ہے۔ کیونکہ ان کا اثر بیرونی ہند کے ہندوستانیوں کے قومی مفاد و جذبات پر پڑتا ہے، اور ان سے اہم ترین آئینی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کا خارجی مرتبہ نہ صرف فیثیقن ہے، بلکہ ایک بڑی حد تک خود اپنی صدر ہے؛ ایک طرف تو اسے حکومت برطانیہ کی مجلس میں "شریک و مساوی" کی حیثیت سے داخل کر لیا گیا ہے، اور دوسری طرف برطانوی وزیر خارجہ نے نہایت ہی صحیح طریقہ سے اس کے مرتبہ کو "حکومت تحت" کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ ہندوستان کا حقیقی درجہ جو بھی ہو، اب جب کہ ہندوستانی عنصر بڑھ گیا ہے، اور حکومت ایوانہا نے مقننہ کی بڑی حد تک محتاج ہو گئی ہے، تو ہندوستانیوں کے قومی جذبات کی ترجمانی کے ناقابل اعتراض طریقہ کو اپنا مسلک بنا لیا ہے۔

ان میں سے اولین محضہ برطانوی مشرقی افریقہ کے ہندوستانیوں کے مرتبہ سے متعلق تھا جسے جمعیت مقننہ نے حکومت ہند کی تائید کے ساتھ مندرجہ ذیل تجویز منظور کر کے اسے بذریعہ تار وزیر ہند کے پاس بھیجا تھا، کہ گورنر جنرل ایوانوں کو نسل ملک معظم کی حکومت ریونی برطانوی کابینہ کے سامنے یہ پیش کرنا چاہتا ہے کہ اگر ملک معظم کے کئی افریقی مقبوضہ میں ہندوستانیوں کے ملک معظم کی دوسری دعایا کی طرح مساویانہ حقوق کے قانونی مطالبہ کو تسلیم نہ کیا گیا تو یہ ہندوستانیوں کے حقوق شہریت کی بہت بڑی تخریب سمجھی جائے گی، کیونکہ اس حق کو حال ہی میں مسئلہ کی شہنشاہی کانفرنس میں تسلیم کیا گیا ہے اور اس کی

تصدیق کی گئی ہے،

دوسرا محضر اس اعلان کی شکل میں تھا، جسے حکومت ہند نے صوبہ داری حکومت کی ذمہ داری کے وزراء کے (منظوری کے ساتھ شائع کیا تھا، اور اس میں ہنایت صاف طریقے سے اس بات پر زور دیا تھا، کہ ترکوں کے ساتھ جو صلح نامہ ہوا تھا اس پر نظر ثانی کے وقت ہندوستانی مسلمانوں کی رائے کا لحاظ رکھا جائے اس اعلان کے شائع کرنے کا نتیجہ یہ ہوا تھا، کہ مسٹر مائیکو کو جو وزیر ہند تھے، فوراً استعفا دینا پڑا کیوں کہ انھوں نے برطانوی کابینہ سے استصواب رائے کے بغیر اس کی اشاعت کی اجازت دیدی تھی۔

اب جبکہ ہم صوبہ داری حکومتوں اور مجالس مقننہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو فطرۃً یہ سوال ہمارے سامنے آتا ہے، کہ عملاً یہ دو عملی حکومت کیسی ثابت ہوئی۔ اس سیکلے پر غایت احتیاط سے زائد از زائد یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس دو عملی نے جس کا تخیل اس کے بانیوں کے دلوں میں تھا، ابھی تک عملی جامہ پہنا ہی نہیں ہے، اس ابتدائی مرحلہ میں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ صوبوں کے اصلاح شدہ انتظام حکومت میں یہ دو عملی صرف ایک دھندلا سا بچیدلا لائحہ عمل ہے اور بس بہت سی ایسی چیزیں موجود تھیں جو اس دو عملی کے پس پشت رہنے میں

سلہ اگر ہم آئینی نقطہ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ برطانوی مشرقی افریقہ کے مقبوضات میں جو براہ راست برطانوی محکمہ نوآبادیات سے متعلق ہے، ہندوستانیوں کو سیاسی و اقتصادی دشواریاں ہیں، وہ جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے حالات سے بالکل مختلف ہیں بلکہ اس کی شہنشاہی کا نفرین میں جنوبی افریقہ کے علاوہ تمام نوآبادیوں کی حکومتوں نے داخلہ تارکان وطن کو محدود کرنے کے حق کو محفوظ رکھتے ہوئے اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ وہ ان ہندوستانیوں کو جو قانوناً نوآبادیات میں آباد ہیں، مساویانہ شہری حقوق دیں گی۔ جنوبی افریقہ سے متعلق جمیٹ مقننہ نے حکومت ہند کی تائید کے ساتھ گزشتہ ستمبر میں یہ منظور کیا ہے، کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے لئے مساویانہ حقوق حاصل کرنے کی جلد از جلد کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں جنوبی افریقہ کی حکومت سے خط و کتابت ہو رہی ہے۔

معاون ہوئیں کم از کم ایک صوبہ کے گورنر نے تو صاف صاف اس بات کو ظاہر کر دیا، کہ وہ وحدت حکومت کے طرز کو فوقیت دیتا ہے، یہ سال انتہائی مباحی بے چینی کا تھا، اور ایسے حکام نے جو قیام امن و امان کے ذمہ دار تھے، ایک سے زائد صوبوں میں نازک ترین مواقع پر وزیر کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی تو کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ صوبجات متحدہ میں ایک وزیر نے مقامی مجلس مقننہ سے اس مباحثہ میں جو اس کا رد و انی سے متعلق تھا جس کے ذریعہ کاشتکاروں کے بعض بلوں کو روکا گیا تھا، عملاً مداخلت کر کے اس بات کی کوشش کی کہ اس تجویز کو جو ایک محفوظ محکمہ کے طریقہ عمل کے متعلق ہے واپس لے لیا جائے۔ خیال کیا جاتا ہے، کہ اس قسم کی حکمت عملی سے عموماً دو قسم کے افسوسناک نتائج پیدا ہوتے، اولاً اس سے وزیر اپنی خود احساس آزادی کے صحیح ارتقا کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اور نہ وہ اس اجتماعی ذمہ داری کو جو محکمہ جات مفوضہ کے انتظام کے متعلق ان پر عائد ہوتی ہے محسوس کرتے ہیں؛ دوسرے یہ خود وزیر کی حیثیت کو ایک غلط انداز سے ظاہر کرتی ہے۔ اگر یہ عام خیال پیدا ہو گیا، کہ وزیر اپنے اپنے کو ناقابل برخواست عاملانہ جماعت سے ملا لیا ہے تو ان سب کے لئے یہ ناممکن ہو جائیگا، کہ وہ مجلس مقننہ سے قریبی تعلقات پیدا کر سکیں؛ اور مجلس مقننہ کے ان قائم مقاموں، یعنی "ذمہ دار" وزیر کو "سرکاری آدمی" سمجھا جانے لگے گا، اور وہ اپنے سرکاری رفقا کی طرح عام مخالفت کا نشانہ بن جائیں گے۔

۱۷۔ سر ہارٹ کورٹ بشمر نے صوبجات متحدہ کی مجلس مقننہ کی افتتاح کرتے ہوئے کہا، ہا میری حکومت کا معاملہ تو میں نے ایسے لوگوں کو اپنا رفیق منتخب کیا ہے، جو سیاسی اعتبار سے قوی اور آزاد ہیں، مجھے معاملہ میں ان پر کامل اعتماد ہو گا۔ اور میری خواہش ہے، کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے ہم متحد ہو کر ایک واحد حکومت بنالیں۔

۱۸۔ لارڈ ونگٹن نے قانون اور پولیس کے محکموں کو مجلس عاملہ کے ایک ہندوستانی رکن کے قبضے میں دے کر جو دلچسپ تجربہ شروع کیا ہے، وہ ایک دوسرے دستور اصول پر مبنی ہے۔

۱۹۔ سر ولنگٹن چرول نے اپنی حال کی تصنیف ہندوستان قدیم و جدیدہ (انڈیا اولڈ اینڈ نیو)

واقفہ یہ ہے کہ صوبہ کی مجلس مقننہ کسی رکن کے لئے یہ کام آسان نہیں ہے کہ حکومت کے نصف عمومی اور نصف سرکاری کے درمیان مجلس مقننہ سے تعلقات اور بنائے تعلقات، و اختلافات کے اصول کو سمجھ سکے۔ ایک سے زائد صوبہ کے گورنروں نے یہ امر صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مالک متوسطہ کے گورنر نے اپنی کونسل کا افتتاح کرتے وقت کہا کہ ”مفوضہ حکموں کا انتظام آپ کے ذمہ کیا جاتا ہے، محفوظ حکموں میں بھی آپ کو بہت کچھ اختیارات حاصل ہیں، اور حکومت کی خواہش ہے، کہ محفوظ حکموں کا انتظام بھی مجلس مقننہ کی مقبول رائے کے مطابق کیا جائے“ گورنر بنگال نے مجلس مقننہ کے اولین اجلاس کی اختتامی تقریر میں اس اصولی اختلاف پر جو تمام شعبوں میں عموماً اور مالیات میں خصوصاً مجلس مقننہ کو محفوظ و منتقل حکموں کے سلسلہ میں جو حقوق حاصل ہیں، ان کے متعلق اظہار خیال کیا۔

بہر حال اس بات کی کسی کو توقع نہیں ہو سکتی تھی، کہ ذرا اور ایک سال کے اندر ہی ایسے لائحہ عمل پیش کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ جو عوام اناس کے دل کو لگے اور جو عام توجہ کو ان حکمہ جات مفوضہ کی تعلیم، صحت عامہ، مقامی حکومت خود اختیاری کی طرف متوجہ و منحطف کر سکیں۔ عملاً بھی حالات بہت کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳)۔ میں اس مسئلہ سے متعلق مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے (۲۳۸) ”ممبروں گورنروں نے اپنی حکومتوں کے دونوں بازوؤں کو، حکومت کے مشترک کاموں میں مساویانہ طریقے سے شریک کرنے کی جس ماقلاہ حکمت عملی کو اختیار کیا ہے، اس نے محفوظ و مفوض حکموں کے امتیاز کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ سنا کہ اگر حقیقتاً ایسا نہیں ہوا ہے، لیکن پھر بھی اس سے اس حاسدانہ ناگوار صورت کا جو لفظ ”دو عملی“ سے پیدا ہوتی تھی، خاتمہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایک صوبہ کے گورنر نے مجھ سے کہا: کہ ”ہم نزل دو عملی پر سے جت کر رہے ہیں۔ میرے نزدیک اصل واقفہ یہ ہے کہ اب تک حکومت حقیقی دو عملی کے درجہ تک جس میں ایک حقیقی ذمہ دارانہ حکومت شامل ہے نہیں پہنچی۔“

لے اس حیثیت سے کہ اس کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہاں غیر نہیں درزا اور مجلس مقننہ کی کثرت رائے میں جو اتحاد خیال و مقصد تھا اس وجہ سے دونوں ایک دوسرے کی تائید پر مجبور ہو گئے اور یہی تائید تھی جو دوسری جگہ مفوضہ نظر آتی ہے۔

مخالفت تھے۔ سب سے پہلے یہ بیان کر دیا کہ اصول کے مطابق بعض صوبوں نے تعلیم و حکومت خود اختیاری کے سلسلہ میں قابل تعریف ترقیاں کی ہیں، لیکن اس سے زیادہ حوصلہ مندانہ تجاویز عام مالی مشکلات کی وجہ سے عالم وجود میں نہ آسکیں۔ اس کے علاوہ ہر شخص کے خیالات تحریک ترک موالات یا عدم تقابل کے مدد جزر کی طرف مرکوز تھے، وزیر اعلیٰ کی حکمت عملی اور ان کے تجزیے عدم توجہ کا شکار ہوتے رہے اور ان کو ایک بڑی حد تک پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ بد قسمتی سے ایک ایسا محکمہ جو وزراء کے ماتحت تھا، اور جس کے خلاف سخت طوفان مخالفت برپا تھا آجکاری کا محکمہ تھا۔ ناقابل عبور عملی مشکلات کا خیال کئے بغیر اور منشیات کی ممانعت سے صوبہ کے مالیات پر جو بڑا اثر پڑتا، اس پر غور کئے بغیر، ایک سے زائد صوبوں میں اس بات کا سخت مطالبہ تھا، کہ منشیات کی بالکل ممانعت کر دی جائے چنانچہ اپنی غیر ہرگز نری میں آجکاری کا محکمہ بھی پولس سے کسی طرح کم نہیں رہا۔ اگرچہ بعض غیر معمولی صورتوں میں وزیر اعلیٰ کو مجلس مقننہ میں شکستیں ہوتیں لیکن اس معاملہ کوئی وزیر بھی مستعفی نہیں ہوا، البتہ ایک وزیر آئرلینڈ مسٹر ماڈسون داس وزیر بہار ڈائیسے، نے مجلس مقننہ کو صاف صاف اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر اس نے اس کی تائید کی تو وہ ہمدہ سے الگ ہو جائیں گے۔

اب اگر ہم یہ سوال کریں کہ ان مجالس مقننہ نے اپنے فرائض کس طرح انجام دیئے تو اس کا جواب مختلف جماعتوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہو گا۔ یہاں یہ بھی ہم کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ تحریک عدم تعامل کے اثر سے ان مجالس کی نیابتی حیثیت مکمل نہ تھی۔ قانون پیشہ سیاست دان اپنی مناظرانہ ذہنیت اور مسلمہ عقائد پرستانہ و استیصالانہ خیالات کے ساتھ کثرت سے صوبوں کی مجالس مقننہ میں موجود تھے۔ لیکن بعض مجالس میں زمیندار طبقہ کی آراء کو غلبہ حاصل تھا۔ اول الذکر صورت حال بنگال و بہار و ڈائیسے میں تھی، اور مورخہ لڈکر صوبجات متحدہ اور پنجاب میں۔ اس بات کا پتہ اس رویداد سے چلتا ہے، جو مجالس مقننہ نے حکومت کے خلاف عدم تعامل کے متعلق اختیار کر رکھا تھا۔ مجلس مقننہ بنگال، حکومت کی حکمت عملی کو اس قدر سخت نقادانہ نظر سے دیکھتی تھی کہ کم از کم تین مرتبہ

ایک تجویز جو تجویزِ ملامت کے ہم معنی تھی، کثرت رائے سے منظور ہو گئی۔ اس کے ہمسایہ صوبہ بہار و اڑیسہ کی مجلسِ مقننہ میں بھی اس قسم کی تجویز کثرت رائے سے منظور ہو گئی؛ لیکن دوسری طرف پنجاب میں اس قسم کی تجویز کم از کم دو مرتبہ پیش ہوئی، اور دونوں مرتبہ حکومت کے حق میں فیصلہ ہوا، صوبہ جاک متحدہ میں بھی تین چار مرتبہ ہی صورت حال پیش آئی۔

جیسا ہم دیکھ چکے ہیں، ہر اس کی مجلسِ مقننہ میں غیر برہمنوں کی مستحکم اکثریت تھی، اور اس چیز نے بدقسمتی سے متعدد مباحث کو نہ صرف مقصد کا شکار بنا دیا بلکہ مجلسِ مقننہ کے زاویہ نگاہ کو بھی تنگ کر دیا کیونکہ ہر مسئلہ پر وسیع طریقے سے غور کرنے کے بجائے برہمن و غیر برہمن نقطہ نگاہ سے بحث ہوتی۔ اسی طرح صوبہ جاک متحدہ کی مجلسِ مقننہ کی زمیندار جماعت بعض عام سوالات کو بہت تنگ نظری سے دیکھتی تھی؛ یہ تنگ نظری سوڈہ ترمیم قانون لگانا اودھ کی بحث میں بہت نمایاں تھی، کیونکہ ٹھیک اس وقت جبکہ ایک ویرینہ زراعتی مسئلہ کا تشفی بخش حل ممکن تھا زمینداروں نے اسے شکست دیدی؛ اس کی وجہ یہ نہ تھی، کہ زمیندار جماعت مراعات دینے پر تیار نہ تھی، بلکہ وہ اس قدر زیادہ مراعات نہیں دینا چاہتی تھی، جتنی اس وقت کی صورت حال کے مناسب ہوتی،

ان نازک ایام میں جملہ صوبہ داری مجالس مقننہ پر مالی مشکلات کے بادل چھائے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں صرف ایک یاد و صوبہ اپنے موازنہ کے آمد و خرچ کو برابر کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اور اگر تمام صوبوں کے جملہ آمد و خرچ کو ایک دوسرے سے سہا کیا جائے تو آمد سے خرچ بقدر کہ وڑ روپیہ کے زیادہ رہا۔ اکثر مجالس مقننہ نے جدید محصولات کے نفاذ کی منظوری دینے میں سخت ترین ناراضگی کا اظہار کیا؛ ہر اس میں مقامی ضروریات کے لئے ایک مقامی محصول کے اجیار کی تجویز مسرد کر دی گئی۔ یہی میں قانون کاغذاتِ جمہور (۱۸۷۳ء)

۱۷ ایک دوسرے موقع پر ہر اس کی مجلسِ مقننہ نے ۱۰ کے مقابلے میں ۶۲ راؤں سے اس مضمون کی ایک تحریک منظور کی، کہ اس صوبہ میں بند و بست دوائی کیا جائے۔

ترمیم آمدنی میں اضافہ کی خاطر کی گئی، لیکن محصول تماشہ کا سود پہلی ہی خواندگی میں مسترد کر دیا گیا۔ صوبجات متوسطہ اور صوبجات متحدہ میں قانون رسوم عدالت کی اس ترمیم کو جس کے ذریعہ آمدنی میں اضافہ ہو سکتا تھا پہلی ہی خواندگی میں منظور کر دیا گیا لیکن دوسری طرف بنگال میں اسی قسم کی محصولی تباہ و زجر جن میں محصول تماشہ بھی شامل ہے منظور کر لی گئی۔ لوگوں کی توجہ تخفیف کی طرف منطقت بھی اور متعدد صوبوں میں تخفیف کھیٹیاں (اور بنگال میں پولیس کی تخفیف کھیٹی) مقرر کی گئیں۔ بعض جگہوں پر موازنہ میں غیر ذمہ دارانہ انداز سے کمی کی گئی، اس میں سب سے زیادہ بنگال میں ہوا جہاں اخراجات پولیس میں ۳۳ لاکھ روپے یعنی مطالبہ کا پانچواں حصہ) کمی کر دی گئی لیکن بعد میں ضمنی رقوم کی شکل میں یہ رقم منظور کر لی گئی۔ بعض صوبوں میں جہاں مجلس مقننہ نے محفوظ محکموں کے اخراجات کی منظوری سے بھی انکار کر دیا تھا، گورنر کو اپنے خاص اختیارات کے ماتحت ان رقوم کو بحال کرنا پڑا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کو آٹھ صوبوں سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، تو ہم کو نظر آتا ہے کہ ایسی حالت میں تیسیم رائے ایک خطرناک چیز ہوگی پھر بھی اجمالاً اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان صوبہ داری مجالس مقننہ نے اب تک سیاسی و مالی حقائق کے معلوم کرنے میں بہت کم صلاحیت کا اظہار کیا، ان کی قوت فیصلہ میں توازن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸) اس کے معنی یہ ہوئے، کہ اب تک آمدنی کا ایک ایسا ذریعہ ناقابل قبول ہو جائے جس میں کمی یا زیادتی کی کافی صلاحیت ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ خود بنگال میں اس بات پر غور کیا جا رہا ہے کہ کیا خود مجلس مقننہ کو (یعنی اتھارٹا عام استعمال کر کے) اس بات کا حق حاصل نہیں کہ صوبہ کے درہندہ وائی بندوبست کو منسوخ کر دے۔

۱۷۷ بنگال میں لارڈ رائلڈ شے نے مجلس مقننہ کی توجہ سودہ قانون اصلاحات کی متفقہ منتخب کمیٹی کی رپورٹ کے مندرجہ ذیل جملہ کی طرف منطقت کر دی تھی، اس بات کو واضح طور سے بتا دینا چاہی کہ یہ اختیار حقیقی ہے، اور اس کے استعمال کو غیر معمولی یا غیر دستوریت نہ سمجھنا چاہئے۔

بہت کم تھا، اور ایسے دور از کار مباحث میں پڑ کر جو فرقہ وارانہ رنگ میں رنگے ہوں گے اصل موضوع سے دور ہو جانے کا امکان تھا؛ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے مرکزی جماعت مقننہ کے مقابلہ میں اپنے فیاض کی ادائیگی میں بہت کمی کی واقعہ یہ ہے کہ جہاں ملک کے اکثر بہترین دماغ مرکزی جماعت مقننہ میں پائے جاتے ہیں، وہاں ایسے ارکان کی صوبہ داری مجالس میں بہت کمی ہے جو محنت و لیاقت میں ان کے مساوی ہوں۔ قبل اس کے کہ اس بات کا دعویٰ کیا جائے، کہ صوبہ پورے خود مختاری کے لائق ہو گئے ہیں، ہم کو اس کمزوری کا علاج اور اس کمی کی تلافی کرنا پڑے گی۔

باب (۷)

تحریک عدم تعاون و ترک موالات

ہم دیکھ چکے ہیں، کہ ۱۹۱۵ء کی اصلاحات کی اسکیم کے شائع ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ، قوم پسندوں میں تفریق پیدا ہو گئی؛ اعتدال پسند انڈین نیشنل کانگریس سے الگ ہو گئے۔ اور انھوں نے نیشنل لیبرل فیڈریشن کے نام سے اپنی الگ مجلس قائم کی جس کا پہلا سالانہ اجلاس ۱۹۱۵ء میں ہوا اس کے دوسرے سالانہ اجلاس میں، جو کہ قانون ہند ۱۹۱۹ء کے منظور ہو جانے کے چند دنوں بعد ہوا مندرجہ ذیل تجویز منظور کی گئی:۔

”یہ کانفرنس اعلیٰ حضرت ملک معظم کی خدمت میں، اپنی انتہائی عقیدت اور احسان مندی کی نذر پیش کرنا چاہتی ہے، کہ ان کے ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کے اعلان نے برطانوی ہند کی تاریخ میں ایک جدید باب کا اضافہ کر کے ذمہ دارانہ حکومت کے آغاز کا دروازہ کھول دیا ہے۔“

”اگرچہ یہ کانفرنس مرکزی حکومت میں کسی قسم کے ذمہ دارانہ حقوق کی تردید کے فقدان پر افسوس کا اظہار کرتی ہے، پھر بھی ۱۹۱۹ء کے قانون ہند کا اس حیثیت سے خیر مقدم کرتی ہے، کہ وہ ترقی پذیر ذمہ دارانہ حکومت

کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہ کانگریس ملک کے تمام فرقوں یورپی و ہندوستانی سرکاری و غیر سرکاری سے درخواست کرتی ہے، کہ وہ اس قانون کو کامیاب بنانے کے لئے دل سے تعاون کریں۔

اعتدال پسندوں کے اس اعلان کے بالکل منسایر وہ تجاویز ہیں جو اسی زمانے میں انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے اجلاس امرتسر میں منظور کیں۔

وہ یہ ہیں:—
 ”یہ کانگریس اپنے گزشتہ سال کے اس اعلان کو کہ ہندوستان مکمل ذمہ دار حکومت کے قابل ہے، پھر دہراتی ہے، اور اس بیان کے خلاف جو کچھ بھی فرض کیا جائے یا بیان کیا جائے اس کی تردید کرتی ہے“

”یہ کانگریس اپنی اس تجویز پر قائم ہے جو اس نے تین اصلاحات سے متعلق دہلی کانگریس میں منظور کی تھی۔ اور اس کا خیال ہے کہ قانون اصلاحات مکمل غیر اطمینان بخش اور یابوس کن ہے۔“
 ”یہ کانگریس اس بات کا بھی مطالبہ کرتی ہے، کہ پارلیمنٹ کو چاہئے کہ وہ اصول خود ارادیت کی بنا پر جلد از جلد ہندوستان میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی طرف قدم بڑھائے“

”اس کانگریس کو امید ہے کہ اس وقت تک کے لئے کہ ذمہ دار حکومت رائج ہو جائے، موجودہ قانون پر اس طرز سے عمل کیا جائے گا۔ کہ جس سے مکمل ذمہ دار حکومت قریب تر آجائیگی اور یہ کانگریس رائٹ آریبل ایڈون ہائٹنگو کا اس کوشش کے لئے شکر یہ ادا کرتی ہے جو انھوں نے اصلاحات سے متعلق کی ہے“

”آخری تجویز سخت بحث رہی۔ ایک جماعت کی خواہش تھی، کہ وہ قانون اصلاحات سے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے مسٹر ہائٹنگو اور ان کی تمام مساعی سے انکار کر دے؛ دوسری جماعت نہ تو وزیر ہند کی اعتدال پسندانہ ہمدردی کو کھوسنے پر رضامند تھی، اور نہ یہ چاہتی تھی۔ کہ جو اصلاحات حکومت میں عنقریب رائج ہونے والی ہیں ان سے علیحدگی کی ذمہ داری لے۔ ان دو جماعتوں کے اختلاف رائے کی جھلک دوسری اور تیسری تجویز میں بھی موجود ہے۔“

کی تجویز دہلی میں جس کی پہلی تجویز کے ابتدائی حصہ میں دوبارہ تصدیق کی گئی، پیتل کانگریس نے مطالبہ کیا تھا، کہ صوبوں کو فوراً سواراج دے دیا جائے اور اس بات کی دستوری ضمانت دیجائے، کہ پندرہ سال بعد ہندوستان کو مکمل خود مختارانہ حکومت دیدی جائے گی؛ دوسری جماعت کا خیال تھا، کہ حکومت کے جدید نظام سے کام نکالا جائے اس لئے کہ وزیر ہند اور پارلیمنٹ پر اثر ڈالنے اور ان سے اپنے مطالبات منظور کرانے کا یہی موثر ذریعہ ہے لیکن تیسری تجویز جو خود ارادیت کے اصول پر زور دیتی ہے، ایک ناقابل مفاہمت شکل پیش کرتی ہے، اور یہ فی الواقع ان اصولوں سے جو پارلیمنٹ نے قانون اصلاحات کی تہید میں بیان کئے ہیں، بالکل جداگانہ شے ہے۔ عملاً یہ تجویز پارلیمنٹ سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے، کہ وہ ہندوستان کے مرتبہ کے سوال پر از سر نو غور کرے، اور سیاسی مستقبل کے تعین کے معاملہ کو خود ہندوستان پر ہی پھینک دے۔ جس جماعت کی یہ رائے ہے، اس کے خیال میں قانون اصلاحات کو قبول کرنا، اور اصلاح شدہ نظام حکومت میں حصہ لینا اس بات کا مترادف ہے، کہ کانگریس نے اپنی تجاویز کے ذریعہ جس سیاسی عقیدہ کا اظہار کیا، اس سے انکار کر دیا جائے۔

کچھ دنوں کے لئے تو ہندوستان کے لئے اصول خود ارادیت کے حامی خاموش رہے؛ لیکن ستمبر ۱۹۲۱ء میں کانگریس کے اجلاس نے آئندہ انتخابات کے مقاطعہ کا فیصلہ کر دیا، اور دسمبر کے سالانہ اجلاس ناپور میں دستور کانگریس کی اہم ترین دفعہ میں ایک ایسی تبدیلی کی گئی، جس سے اس جماعت کے سیاسی عقیدہ کے متعلق تمام شبہات دور ہو گئے۔ اب یہ طے کر دیا گیا، کہ

۱۹۱۶ء کے سالانہ اجلاس ہی میں اغیار یعنی پارلیمنٹ کے اس دعویٰ کی تردید کر دی تھی کہ ان کو اس بات کا کوئی حق بھی حاصل ہے کہ وہ ان مراتب کا تعین کرے جس کے ذریعہ حکومت خود اختیاری حاصل کی جائے گی؛ کیونکہ یہ سلسلہ اصول ارادیت کے سرسرفنی کے مترادف ہو گا۔

انڈین نیشنل کانگریس کا مقصد یہ ہے، کہ "تمام جائز و پرامن ذرائع سے ہندوستانی اپنے ملک کے نئے سواراج حاصل کریں" نہ صرف یہ کہ برطانوی سلطنت میں ہندوستان کے دستوری مرتبہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا، بلکہ اس سے بڑھکر یہ ہے کہ سابق دستور میں اس بات کا جو اعلان تھا، کہ "کانگریس کا مقصد موجودہ نظام حکومت میں تدریجی اصلاح کے ذریعہ" حاصل کیا جائے گا وہ بالکل حذف کر دیا گیا۔ ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ناگپور کے اجلاس میں اکثریت نے اقلیت کے ساتھ کسی قسم کی رواداری کا ثبوت نہیں دیا۔

انڈین نیشنل کانگریس دوسرے سال کے آخر تک انقلابی جماعت نہیں بنی۔ اب نومبر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جو کانگریس کی اعلیٰ ترین مجلس عاملہ تھی، ہندوستان کی تجویز منظور کی۔
 "چونکہ اس قومی ارادہ کی تکمیل میں کہ سال بھر کے اندر سواراج قائم کر لیا جائے، ایک ہیمنہ سے زیادہ نہیں رہا ہے، اس لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی ہر صوبہ کو اس بات کا اختیار دیتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر جس میں محصلوں کی عدم ادائیگی بھی شامل ہے، اس صوبہ کی کانگریس کمیٹی کے مجوزہ بہتر طریقہ پر قانون شکنی کر سکتا ہے۔"

ساتھ ہندوستان کی تجویز بھی منظور کی گئیں۔ پہلی تجویز میں ان مساعی کی اجازت دی گئی جو ہندوستانی فوج کی وفاداری کو بر باد کرنے کے نئے کی جا رہی تھیں دوسری دلچسپ تجویز ترکی اور افغانستان جیسی اسلامی ریاستوں کو پیش نظر رکھ کر اس مطالبہ پر مبنی تھی کہ ہندوستانیوں کو اپنے ملک کے خارجی امور کی نگرانی کا بھی اختیار ہونا چاہئے۔

"آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی رائے ہے، کہ ہر شہری کا یہ قانونی حق ہے، کہ وہ سپاہیوں اور ملکی ملازموں سے اس بات کی درخواست کرے کہ وہ ایسی حکومت سے جس نے ہندوستان کی آزادی کی شہریت کے اعقاد کو مٹھو دیا ہے قطعاً تعلق کر لیں۔"

"آل انڈیا کانگریس کمیٹی تمام بیرونی مملکتوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتی ہے کہ

اس قرارداد کے چند ہفتوں بعد ہی کانگریس کے سالانہ اجلاس اجرا آباد میں اس تجویز کی توثیق کی گئی، اس کے علاوہ دو اور قراردادیں بھی منظور کی گئیں اور انھوں نے اس تبدیلی کو مکمل کر دیا۔ ایک تجویز کا مقصد یہ تھا، کہ کانگریس اپنے تمام دوسرے کاموں کو ملتوی کر کے صرف "قانون شکنی" ہی کے فرائض انجام دے خواہ یہ قانون شکنی جماعتی ہو یا انفرادی، اقدامی ہو یا دفاعی، دوسری تجویز کے ذریعہ جہاں تک اندھی راہوں کے قید ہو جانے کی صورت میں ان کے نامزد کردہ جانیشن (کو غیر محدود عدالتوں پر اختیار دینے کے لئے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ قابل ذکر شرط بھی لگا دی گئی کہ کانگریس کے خصوصی اجلاس کے استصواب کے بغیر، حکومت ہند یا برطانوی حکومت سے کسی قسم کی "شرائط صلح" طے نہیں کی جاسکتیں۔

اب ہم یہ دیکھ چکے، کہ قوم پرستوں کی اصلاحات کی مخالفت نے تدریجاً اپنے کو مروجہ حکومت کے خاتمہ کی تحریک کی صورت میں بدل دیا، اب اس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ اس تحریک نے دستوری ترقی کی منظم رفتار میں (جو ہماری کتاب کا موضوع ہے،) کیا کیا خرابیاں پیدا کیں۔

سب سے پہلے اس بات کو واضح طور سے ذہن نشین کر لینا چاہئے، کہ دستوری انقلابی قوم پرستوں میں تفریق ہو چکی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اول الذکر اصحاب میں سے بعض نے نہایت پر زور الفاظ میں اس بات کا مطالبہ کیا کہ ہندوستان کو سوراخ دینے کی رفتار کو تیز کر دینا چاہئے، لیکن اس کے اسباب مختلف تھے۔ بعض تو ایسا انداز سے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ موجودہ بے چینی کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے، بعض انقلابی جماعت کے تکلیف دہ دباؤ کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، اور بعضوں کا اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۴)۔ جب ہندوستان کو سوراخ حاصل ہو جائیگا تو وہ اپنی خارجی حکمت عملی میں

ہمیشہ ان کے مذہبی خیالات و جذبات کا لحاظ رکھے گا۔

لہ قانون شکنی کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے بعض ابتدائی شرائط کی تکمیل لازمی تھی، لیکن یہ زیادہ تر خیالی ہی تھے قسم کے تھے۔

سوا کوئی مقصد نہیں تھا کہ حکومت کی موجودہ پریشانی سے انتہائی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ لیکن اگرچہ اس وقت صورت حال ایسی ہی تھی لیکن اعتدال پسند گروہ نے ہندوستان کے آئینی ارتقاء کے لئے بعض اصول جماعتی حیثیت سے پیش کئے ہیں۔ اور وہ مفصل ذیل میں ہیں:

(۱) ہندوستان کی آئندہ حکومت، موجودہ حکومت کی ہی تبدیل شدہ صورت ہونا چاہئے۔

(۲) ہر مرتبہ استسما کی تبدیلی کے وقت پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کو ہی کام میں لانا چاہئے۔

(۳) اگر ہندوستان کو سواراج کی راہ کو سلامتی سے طے کرنا ہے تو نظام حکومت کے برطانوی عنصر کو سرعت کے ساتھ فنا کرنا چاہئے۔

لہذا ہندوستان کے ایک اعتدال پسند اخبار کے حال کے لکھے ہوئے، ایک مقالے کے مندرجہ ذیل اقتباس سے اس جماعت کے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے متعلق جو خیالات ہیں ان پر استدراج و واضح و کافی روشنی پڑتی ہے کہ میں اس زاویہ نگاہ کو بیان کرنے کے لئے یہاں سے نقل کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں:-

”کیا وہ ہندوستانی جو ۱۲ سو برس سے غلام چلے آئے ہیں، چند سال اور بھی انتظار نہیں کر سکتے اور کیا برطانوی عزت، برطانوی شہنشاہ اور پارلیمنٹ کے حتمی وعدوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے، جنہوں نے ہنایت و اضع الفاظ میں ہندوستان کی آزادی کے پیدائشی حق کو تسلیم کر لیا ہے تو کیا اس کا یہی بدلہ ہے کہ ہم اہل برطانیہ کو اپنا دشمن سمجھیں، اور کیا اسی لئے ایک ایسے ملک سے اعلان جنگ کیا جائے، کہ اس کے لایق فرزند ہندوستان کی آزادی کے حصول کے لئے مصروف رہے، اور انہوں نے ہی ہندوستانیوں کے دلوں میں آزادی و خود اختیاری حکومت کے خیالات پیدا کئے ہیں، اور ان کی حکومت کی تاریخ تمام تر اسی منزل مقصود کی طرف گام زن ہے؟“

ان دونوں جماعتوں کی خلیج اختلاف، اصولی سیاسی اختلاف سے بھی زیادہ عیسیت تھی۔ انقلابی قوم پرستوں کے پیش نظر نہ صرف ایسا ہندوستان تھا جو تمام دسوری علاقوں میں برطانوی سلطنت سے بالکل آزاد ہو، بلکہ وہ اسے تمام مغربی اثرات سے بھی آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ قوم پسندوں کے اس عقیدہ کی روشنی میں ہندوستان کی اقتصادی نجات یہی ہے کہ قدیم چرخہ کو رائج کیا جائے اور ان کے نزدیک ہندوستان، خانہ ساز کپڑا بن کر ایک مرتبہ پھر مغربی سرمایہ داری کے جوئے کو پھینک سکتا تھا۔ ہاں تا گاندھی کے آتش زدہ ولایتی کپڑوں کے ڈھیر اس کا منظر ہیں۔ اس کے علاوہ اس خیال کے لوگوں کے نزدیک ہندوستان کی روحانی نجات اور اس کی مغربی مادیت کے پھندے سے آزادی صرف اسی طرح حاصل کی جاسکتی ہے، کہ نظام تعلیم میں جو بیرونی عنصر ہے اسے نکال دیا جائے لیکن اگر انقلابی قوم پرست اس طرح سے متحد تھے تو ان کے مقابل معتدل قوم پرستوں کے عقیدہ میں بھی۔ اتفاق تھا، چنانچہ ان کے خیال میں ہندوستان کا ایسا ہی مستقبل علیحدگی کے بجائے، برطانوی شہنشاہیت کے تمام مالک کے ساتھ مساویانہ اشتراک عمل کے اتحاد میں مضمر تھا، ان کے خیال میں ملک کا معاشی و روحانی مستقبل قرون وسطیٰ کی طرف مراجعت کی جگہ مغربی طریقہ کار کی مردانہ تقلید پر مبنی تھا صنعتی ترقی اور ذہنی وسعت کے لئے ہندوستان کو مغرب سے ملنے کی ضرورت تھی، پس اگر ہندوستان کو اپنا مکمل قومی مرتبہ

لے ڈاکٹر بندر ناتھ ٹگور نے قومیت کی اسی حیثیت کے متعلق کہا ہے کہ تمام دنیا اس ہی ذہنیت کے ظلم کے خوف سے کانپ رہی ہے، اور اپنے ایک خط میں دو جہاں میں ایک بنگالی رسالہ پر باسی میں شائع ہوا ہے، لکھا ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ ہاں تا گاندھی بھی ہماری خودی کو اس بات سے منع کر رہے ہیں، کہ وہ انگریزی نہ پڑھیں تو مجھے نظر آنے لگا کہ ملک کے چاروں طرف ایک دیوار کھینچی جا رہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے معنی ہونے کہ ہماری نجات اس میں مضمر ہے، کہ ہم اپنے گھروں کو قید خانے بنادیں، ہم نے بیرونی دنیا کی تمام رکستی کو نکال کر اپنے گھر کی تابی کی پرستش شروع کر دی ہے۔“

حاصل کرنا تھا، اور تمام دوسری ہمسایہ قوموں سے بلند تر ہونا تھا، تو اعتدال پسندوں کے خیال کے مطابق نہ صرف انتظام حکومت میں اہل برطانیہ اور ہندوستانیوں کو ساتھ رہنا تھا، بلکہ ہندو ریلوے، انجنیئرنگ، سرمایہ داری سماجی اور تعلیم میں بھی ان کا اشتراک عمل بسا ضروری تھا۔

مختصر یہ کہ اختلاف ان دو جماعتوں میں تھا، جن میں ایک نہایت پر جوش طریقہ سے مغربی اثر کو دور کر کے ایک خالص ہندوستانی تمدن کو جاری یا رائج کرنا چاہتی تھی اور دوسری کا خیال تھا، کہ اگر ہندوستان کو تاریخ عالم کے اس موقع پر کسی ایسے تمدن کا جو اس کے نام کے شایان شان ہو، مالک ہونا ہے، تو مغرب و مشرق دونوں کو اس کی تمیر میں مل کر کام کرنا چاہئے۔

پس پہلی چیز جو ہم کو یاد رکھنا چاہئے یہ ہے کہ انقلابی تحریک کی کھیتی خصوصیت عام سطح کے پیچھے تھی، اور جب تک ہم اسے اس عمق میں تلاش نہ کریں گے، ہم کبھی اس کو پا نہ سکیں گے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ ہمارا نزدیک انقلابی قوم پسندوں کی اپیل کے مخاطب عموماً جاہل عوام اناس تھے۔ ہمارے نزدیک اکثر تعلیم یافتہ طبقوں نے جو برطانوی تعلق کی قدر و قیمت سے واقف تھے، اور ایک مستحکم حکومت کی ضرورت کے قابل تھے، ان کی درخواستوں پر مطلق توجہ نہ کی۔ لیکن ہم یہ علم آنے والی نسل پر نہیں لگا سکتے تھے اور یہ واقعہ مستقبل کے لئے ایک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

انقلابی تحریک نے ہمارا گاندھی، گلگتہ کے مشہور قانون دان مسٹری آرداں پنجاب کے لالہ لاجپت رائے، اور صوبجات متحدہ کے پنڈت موتی لال نہرو کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا مشہور رہنما پیدا نہیں کیا۔ رہے کانگریس کے قدیم رہنما، ان میں سے بعضوں نے تو اپنے تعلقات منقطع کر لئے اور بعض انھوں سے اوجھل ہو گئے۔

اسے معلوم ہوتا ہے کہ انقلابی قوم پرستی جو مخالف برطانیہ جذبات میں ڈوبی ہوئی تھی ایسے ہندوستانی طلبہ میں زیادہ تر سرایت کئے ہوئے ہے جو غیر مالک یا مثلاً برطانیہ کی اور امریکہ میں تعلیم پارہے ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے ہے۔

تعلیم یافتہ طبقوں کو اپنے ساتھ لجانے میں ناکامیاب رہنے پر انقلاب پسند قوم پرستوں نے عوام کو اپنا مخاطب بنایا، اور عرصے تک وہ تمام ملک میں (شہروں میں اور بعض دیہات میں) انھیں کو عدم تعاون و تعاون کا سبق پڑھا رہے ہیں، اور جہاں کہیں بھی موقع ملتا ہے موجودہ حکومت سے ان کو ٹکرانے کے لئے آمادہ کر دیتے ہیں۔ جوائنٹ رپورٹ کے مصنفین نے ایک جملہ میں جو اکثر نقل کیا جاتا ہے لکھا ہے کہ ”عوام کے پرسکون قناعت کی وہ زمین نہیں ہے جس میں ہندوستانی قومیت کا درخت جڑ پکڑ سکے، اور اس سکون کو عہدِ اوٹو کریم ہندوستان کی بہبودی کی اعلیٰ خدمت انجام دے رہے ہیں؟ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں ”اگر ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کو اس الزام سے بچنا ہے، کہ وہ صرف اپنی جماعتوں کے مفاد کی نمائندگی کرتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنے ملک کے عوام ہی کو اپنا مخاطب بنائیں، اور انھیں کو اپنا مقصد سمجھائیں۔“ یہ بھی عجیب نیرنگی واقعہ ہے، کہ اس راہ کی طرف جو پہلا قدم اٹھایا گیا، وہ اس جماعت کا تھا، جو عہدِ موجودہ حکومت کو بدنام مفلوج و مزول کرنے کی کوشش کر رہی تھی!

اس تحریک کو جو کامیابی حاصل ہوئی، خواہ یہ وقتی کیوں نہ ہو۔ اس کا اندازہ اس عام ہڑتال سے ہوتا ہے جو شمالی ہند کے اکثر مقامات پر اس دن کی گئی جب کہ شہزادہ ولیم ہند برطانیہ بمبئی پہنچے؛ (۷ نومبر ۱۹۱۹ء) کا یہ مظاہرہ صرف بڑے شہروں تک محدود نہ تھا۔ ماننا کہ یہ اپیل عوام کے سریعہ الاعتقاد طبقہ سے ہی کی گئی تھی، اور ان کو بتایا گیا تھا، کہ اس سال کے خاتمے سے پہلے سواراج کا اعلان ہو جائے گا، اور اس کے ساتھ ہی غلہ اور کپڑا سستا ہو جائے گا، ریل کے پاس ”مفت ملنے لگیں گے۔“ لگان نہ سہی دوسرے محصول تو یقیناً معاف ہو جائیں گے۔ یہ واقعہ کہ انقلابی تبلیغ میں بعض مرتبہ تحریف و تحریص اور ہر قسم کی معاشرتی سزا کا عنصر

شامل تھا ہمارے موجودہ مقصد کے حصول میں مدد نہیں۔ اس وقت ہمارا مقصد اس تحریک اور صرف اس تحریک سے اور اس عوام کامیابی سے جو اسے حاصل ہوئی، اور البتہ ہے اور یہ سیاسی عنصر اپنے اندر بہت کچھ اہمیت رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں ہر طبقہ کی ہندوستانی خواتین میں سخت ترین ایسی قومی روح کا سرایت کرنا جو یورپیوں کے خلاف تھی ایک دوسرا عظیم الشان خطرناک اہم واقعہ ہے۔

اب اس کی اصلاحات کی تمام تر کامیابی حکام و جن میں اب ہندوستانیوں کو بھی شامل کرنا چاہئے، اور محکموں کی باہمی مفاہمت اور اعتماد کی موجودگی پر منحصر ہے اگر محکوم کو یہ سمجھایا جائے کہ وہ ایک خارجی حکومت کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں تو ایسی حالت میں کوئی مستحکم اور ترقی پذیر حکومت اگر بالکل ناممکن نہیں تو بے انتہا مشکل ہو جائیگی۔ اس زمانے کے پر آشوب ہینوں میں پولیس نے ملک کے ہر حصہ میں ہنایت ہی نازک ترین مواقع پر

سہ مجلس خواتین میں جو راندین نیشنل کانگریس کی ایک شاخ ہے، اور جو دسمبر ۱۹۱۲ء میں احمد آباد میں منعقد ہوئی تھی، ۶۰۰۰ ناٹبات نے شرکت کی تھی، حیدرآباد کی ممتاز شاعرہ منسرہ جینی نائیڈو جیسی خطیب و پرجوش سیاست داں بی بی اس تحریک کی رہنما تھیں۔

۱۹۱۲ء اگر ہم تارکان مولات کے مطالبات کو واضح طور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اس کا مقصد یہ تھا برطانوی اقتدار اور برطانوی فوج ہندوستان سے بالکل ہٹ جائے، مختصر یہ کہ ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے ہونا چاہئے۔ یہ بات بڑی حد تک قابل بحث ہے کہ شمالی مغربی سرحد کی طرف سے جو خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے، اس کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی کیا ایسی حالت میں جب کہ خود اندرون ملک اس قدر انفرق ہو اور جس کی وجہ سے ہندوستان کی حکومت ایک لایخل مسئلہ بنا ہوا ہو، موجودہ حکومت کے عوض ایک ایسی قومی حکومت جو راہ عام پر مبنی ہو، ایک دن بھی قائم رہ سکتی ہے۔ پھر دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا دیسی ریاستوں کے طرز کی شخصی قسم کی حکومت، اشتراک عمل اور مناسب حالات میں مستحکم اور ترقی پذیر نہیں ہو سکتی؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے لئے ایسی حالت میں جب کہ

بھی اپنی قابل تعریف وفاداری و دوراندیشی کا ثبوت دیا، اور ہندوستانی فوج کا بھی بالکل یہی حال تھا۔ لیکن ان سے ان کی استعداد سے زیادہ کی توقع نہ رکھنا چاہئے۔ پولس کو ہمیشہ ایک حد تک غیر برد لغزیزی سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن ایسے سپاہیوں کے اہل و عیال پر تشدد کرنا جو ملازمت کی وجہ سے غیر حاضر ہوں اور اس قسم کی دوسری کارروائیاں بالکل ہی دوسری چیز ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے، کہ یہاں کی حکومت کے انتظام کا تمام بوجھ برطانوی حکام پر ہے، اور اس بات کا خوف لگا رہتا ہے، کہ ان میں سے اکثر غمنا اور حکام اذیت خیز خصوصاً تنہا اور دور دراز مقامات میں رہ کر اپنے فرائض کی انجام دہی کو انسانی قوت سے باہر نہ پائیں۔

اس کا نتیجہ بہت صاف اور واضح ہے۔ ہندوستان کا سیاسی مستقبل اس جماعت پر منحصر ہو گا جو عوام کی متحمل علیہ ہوگی تو کیا پھر ان کو انقلابی قوم ہونے کی تبلیغ کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے، یا پھر ان کو کوئی پرائیڈ اور اس سے زیادہ تعمیری ذریعہ سے کیوں نہ اپنی طرف متوجہ کیا جائے؟ اگر مؤخر الذکر صورت قابل قبول ہے تو اعتدال پسندوں کو عوام کی سیاسی تسلیم کا انتظام کرنا، اور عدم تعاون کے دلدادوں سے مقابلہ کرنا چاہئے بلاشبہ حکومت بھی کا شکاروں اور مزدوروں کی شکایات کو ہوشیاری و بھرپوری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) حکومت کی مخالف تحریک کامیاب ہو جائے، یہ صورت بھی پیش کی گئی تھی، کہ برطانوی صوبوں کو دیسی ریاستوں میں شامل کر دیا جائے، یا ہندوستانی والیان ریاست کے تحت دیدیا جائے۔ ملے ہوئے بہار و اڑیسہ اور مدراس پریسیڈنسی کی پولیس میں کچھ بدولتی پیدا ہو گئی تھی، لیکن اس کا سبب سیاسی نہیں بلکہ حاشی تھا۔ بنگال میں تحریک خلافت کے زیر اثر بعض مسلمان ارکان پولیس نے استعفا دیدیا تھا، ہندوستانی فوجی سپاہی کو جب کہ وہ عملاً اپنی پلٹن کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہا ہو، اس قسم کے نامناسب اثر سے آسانی سے بچایا جاسکتا ہے۔ لیکن مبلغین نے ان کو ان کے گھروں پر تھپیل کے موقع پر جالیا، اور اسکی وجہ سے باغیانہ رویہ کے چند واقعات پیش آئے۔

کے ساتھ دور کر کے بہت کچھ کر سکتی ہے، لیکن مصمم الارادہ و مخلص رہنما اس سے کہیں زیادہ کر سکتے ہیں۔ یہ ہندوستان کی اوقیت کی ایک لنت ہے کہ لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے، کہ حکومت ہر کام کر سکتی ہے، اور اسے کرنا چاہئے، اور عام لوگوں سے جو کچھ توقع ہو سکتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ وہ اس کی واضح تنقید کر سکیں۔ اعتدال پسندوں کو اس خیال کو چھوڑ دینا پڑے گا کیونکہ یہ ان کا فرض ہے، کہ قانون کے نفاذ اور امن کے قیام میں وہ حکومت کا ہاتھ بٹائیں، پولیس کے خطرناک و صبر آزمائش کی ادائیگی میں ہمت افزائی کریں، اور مفاہمت و رواداری اور نیک نیتی کی فضا پیدا کریں، اس لئے کہ صرف انہیں حالات کے اندر وہ ہندوستان کے تجربہ کار برطانوی حکام کی خدمات کو اس مشکل ترین عہد تغیر میں باقی رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

اعتدال پسندوں کے لئے یہ کام آسان نہ ہوگا اور اس سے ان کو عام ہردلعزیزی حاصل نہ ہو سکیگی۔ انہیں اس مسئلہ کے لئے جسے وہ ایک قومی مسئلہ سمجھتے ہیں، غلط فہمیوں، بدذہانیوں اور معاشرتی تشدد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اصلاحات کی مکمل کامیابی اب تمام تر اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کامیاب ثابت ہوں، اور اپنے اپنے اپنے وطن کو اس بات کا یقین دلادیں، کہ ان کے زاویہ نگاہ میں نہ صرف عقل اور سمجھ بلکہ جملہ امیدیں جمع ہیں۔ اس کے مقابلہ میں جو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں وہ صرف یہ ہیں، کہ کسی نہ کسی قسم کے استبداد (خواہ وہ ہندوستانی ہو، یا برطانوی) کی طرف پھر عود کیا جائے، یا پھر ملک میں بد امنی اور نراج پھیل جائے۔ انقلابی تحریک کے حال کے مختلف مدارج کی وجہ سے عام حالات میں جو تبدیلی پیدا ہو گئی ہے، ان کی گزشتہ پاروں میں تحلیل کرنے کے بعد اب صرف اس کی تاریخی حیثیت بتانی جاتی ہے، چنانچہ تحریک عدم تعاون کے واقعات سے جو اب ہم بیان کرتے ہیں یہ کمی پوری ہو جائیگی۔ ہاتھ گا ندھی نے ابتداءً ۱۹۲۱ء میں اولین مرتبہ مشہور پر جو سٹس مسلمان بھائیوں یعنی مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی سے تعلقات

پیدا کر کے تحریک عدم تعاون کی رہنمائی اپنے ذمہ لی، اور دسمبر میں انڈین نیشنل کانگریس کے ایک خاص اجلاس کے ذریعہ کثرت رائے سے ترک موالات کے لائحہ عمل کو منظور کرایا، اور پھر نائیکپور کے دسمبر کے اجلاس میں اس کانگریس پر پورے طور سے تسلط جما کر اس لائحہ عمل کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ کر لیا۔

ہاتھاما گاندھی کی ممتاز شخصیت کے متعلق ہم کو دو ایک لفظ کہنے چاہئیں۔ وہ جنوبی افریقہ میں ایک بیرسٹر کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد ۱۸۸۵ء سال کی عمر میں تقریباً ۲۰ سال کے غیاب کے بعد آخر سلاسلہ میں ہندوستان واپس آئے۔ اس وقت تک وہ مثال اور ٹرانسوال کے ہندوستانی مزدوروں اور تاجروں کے ایک بکے اور سچے رہنما تھے۔ ان کو انھوں نے تقابلیت کے لئے منظم کیا تھا، اور انھوں نے ان کی اس مقادمت میں رہنمائی کی تھی جو انھوں نے سیاسی مجبوریوں اور قومی امتیازات کے جس کے وہ شکار ہو رہے تھے ہٹانے کے لئے کی تھی یہ طویل کشمکش جو سلاسلہ میں شروع اور سلاسلہ میں ختم ہوئی، عدم تشدد کی حکمت عملی اور قانون کی علانیہ خلاف ورزی کی وجہ سے مشہور آفاق ہو گئی۔ یہی وہ تحریک تھی جسے اب گاندھی جی نے ہندوستان میں رائج کرنے کا تہیہ کر لیا۔ وہ جب لوٹے تو ان کو اس بات کا کامل یقین تھا، کہ ہندوستان کو مغربی تمدن کے اثرات سے بچانے کے لئے بسا ضروری ہے، کہ ہندوستان کو سوراخ ل جائے اور انھیں اس بات پر ایمان تھا، کہ جب دوسرے تمام وسائل ناکامیاب ثابت ہوں، تو اس قسم کی خلاف ورزی قانون یقیناً موثر ثابت ہوگی۔ ہاتھاما گاندھی ہی کی وہ ہستی ہے، جس نے ایک روحانی میٹار پر پورا اترنے کے لئے اپنے تمام دنیاوی فوائد کو ترک کر دیا ہے۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں ایک درپوش صفت ہیں، اور کسی دوسری غرض کے بغیر محض تحمل مصائب کو ایک روحانی دولت سمجھتے ہیں۔ ہندوان کی اپنی اسباب کی بنا پر عام طور سے عزت رکھتے ہیں، اور ان کے پیرو صرف سیاسی عقائد کی وجہ سے نہیں، بلکہ بڑی حد

مذہبی جذبات کی وجہ سے بیرونی کرتے ہیں۔ وہ عدم تشدد یا "ہنسنا" کی انتہائی شکل اور ہر عام شخص میں نیکی کی موجودگی کے عقائد میں گویا ٹائٹلسٹائی کے بحیال ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کے لئے ان میں اپنی قوم کے افراد کی سی ذہانت موجود ہے، اور انھیں کسی مدبر کے شوق اقتدار کے ساتھ قانون داں کی لفاظی اور منطقی بحث و مباحثہ سے بھی ایک خاص مسرت ہوتی ہے۔

ہاتھ پائی گاندھی ابتدا سے جنگ کے بعد ہی ہندوستان واپس آئے اور دوران جنگ میں انھوں نے ہندوستان کی جنگی مساعی میں حکومت کا سلسلہ ساتھ دیا۔ انھوں نے ۱۹۱۷ء کے بعد سے مزدوروں اور کاشتکاروں کی شکایتوں کے دور کرنے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں جو مخلصانہ کوششیں کیں، ان کی وجہ سے وہ قوم کے سیاسی رہنما کی حیثیت سے دیکھے جانے لگے۔ ۱۹۱۷ء کی ابتدا میں انھوں نے اس سال کے راولٹ قانون کو جسے وہ ہندوستان کی قومی تذلیل سمجھتے تھے، منسوخ کرانے کے لئے سیناگرہ کی تحریک جاری کی۔ جن لوگوں نے سیناگرہ کا عہد کیا تھا، ان کو اس بات کا وعدہ کرنا پڑتا تھا، کہ وہ آخر تک صداقت کی بیروی کریں گے، اور کسی کے جان و جسم و مال کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں گے۔ اور اس کے ساتھ وہ ایسے قوانین کی، جن کو متحدہ خلافت ورزی کے لئے منتخب کیا جائیگا، اطاعت سے انکار کریں گے۔ اس تحریک کی ممتاز خصوصیت بڑتال تھی، اور اسی سے لوگوں کو تخیلیف و بدامنی کا موقع ملتا تھا گو گاندھی جی کو طرح طرح کے مشورے دئے گئے لیکن انھوں نے ایک نہ مانی اور برابر بڑے قہبات کے سر بیچ الاثر عوام کے سامنے نہایت پر جوش انداز سے تقریریں کیں۔ دہلی کلکتہ، اور دہلی خود مسٹر گاندھی کے شہر، احمد آباد میں فسادات و خونریزیاں ہوئیں اور وہ آخر کار پھیل کر پنجاب کے عام ہنگامہ تک پہنچ گئیں۔ گاندھی جی کو اپنی غلطی کا جسے انھوں نے عظیم الشان غلطی کے واضح الفاظ میں بیان کیا، اقرار کرنا اور یہ بات تسلیم کرنا پڑی کہ انھوں نے شیطانی قوت کا بہت کم اندازہ کیا تھا۔ آخر کار سیناگرہ کی تحریک

ملتی کر دینا پڑی۔

بزمستی سے پنجاب کے (جس نے دوران جنگ میں اپنے کو ہندوستان کے تمام صوبوں سے ممتاز کیا تھا) عام ہنگاموں کے فسر و سرسنے کی جو کارروائیاں کی گئیں وہ قومی منافرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور سختیوں نے بعض مرتبہ بربریت کی صورت اختیار کر لی۔ ران میں سے ایک ممتاز موقع پر امرتسر میں جنرل ڈائر نے جو کارروائی کی، اس نے تمام برطانوی روایات کو پس پشت ڈال دیا۔ لارڈ مینٹر کی کھٹی کی روداد تک (جو واقعات متعلقہ سے ایک سال بعد شائع ہوئی) کسی کو امرتسر کے واقعات کا کمال علم نہ تھا۔ سن ۱۹۱۹ء کے واقعہ کی وجہ سے ہندوستانوں کے مذاہبات کو سخت صدمہ پہنچا۔ اولاً واقعات کی اشاعت میں بہت تاخیر کی گئی۔ دوسرے حکومت نے روڈ اور مذکور کے نتائج سے متعلق جو کارروائی کی تھی، اسے اس کی نیم دلی پر جمو ل کیا گیا۔ اور سب سے آخر میں اور سب سے زیادہ افسوسناک جو بات تھی، وہ یہ کہ دارالامراء نے جنرل ڈائر کی کارروائی پر صاف کر دیا، اور آنگلستان اور ہندوستان کے انگریزوں نے چندہ دے کر ایک کیے زر اور ایک اعزازی تلوار اسے پیش کی۔ سیرے نہ دیکھ اس میں کوئی شک نہیں ہے، جلیا نوالے باغ کے افسوسناک واقعات کی وجہ سے جو قومی منافرت پیدا ہوئی، وہی قومی تحریک کی سب سے بڑی قوت مہیج تھی۔

موسم بہار ۱۹۱۹ء میں شمالی ہندوستان میں، اس علم ہیجان کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں غیر معمولی اخوت کے مناظر دیکھنے میں آئے، اور اسی وقت سے دونوں قوموں کے انقلابی رہنماؤں کے سیاسی اتحاد کا آغاز ہوتا ہے۔ ڈسمبر ۱۹۱۹ء میں شوکت علی و محمد علی جو دوران جنگ میں اپنی علانیہ ترک برستان حکمت علی کی وجہ سے نظر بند کر دیے گئے تھے، آزاد کر دیئے گئے۔ آزاد ہوتے ہی انہوں نے فوراً اپنے کو تحریک خلافت کا سردار بنا لیا۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ سلطان روم کو اسلام کے روحانی پیٹھوں کی حیثیت سے قبل از جنگ والا مرتبہ

دلا دیا جائے۔ اگرچہ حکومت ہند نے مسلمانوں کے مذہبی وقار کو جو صدمہ پہنچا تھا، اس کے لئے پھر دی کا اظہار کیا۔ اور اگرچہ اس بات کی کوشش میں کہ ترکوں کے ساتھ صلح کرنے میں ان کے معقول مطالبات کو پورا کیا جائے، کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی، لیکن پھر بھی مخالفین برطانیہ پر جوش علی برادران کی زیر قیادت تحریک خلافت کو بہت کچھ فروغ پہنچا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شمالی ہند کے مسلمانوں کی بے چینی نے ۱۹۱۹ء کی موسم گرما میں امیر افغانستان کو اس بات کی ہمت دلائی، کہ وہ برطانوی راج پر حملہ کریں، اور شمالی مغربی سرحد پر مسلسل لڑائی ہوتی رہی وہ اسی عام بے چینی کا مظاہرہ ہیں۔ تحریک ہجرت اس انقلابی تحریک کے اعمال میں سب سے زیادہ افسوس ناک بات تھی اور یہ اسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ ہزاروں ہمارین جو عموماً سندھ اور صوبہ شمال مغربی کے غریب لمان کسان تھے۔ سرحد عبور کر کے افغانستان میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہوئے، اور ان میں سے سیکڑوں بھوک اور تکان کی وجہ سے کابل کی راہ میں ختم ہو گئے۔ یہ ۱۹۱۹ء کی موسم گرما کا واقعہ ہے۔ ۱۹۱۹ء کے اگست میں موبلوں کی بغاوت رونما ہوئی اور اس کی وجہ سے تمام ملیبار میں موت و غارتگری پھیل گئی، یہ ایک نظم بنادتھی۔ ”سلطنت خلافت“ کے نام سے ایک حکومت قائم کی گئی تھی۔ ان باغیوں کی بربریت تمام تر ہندوں کی طرف مرکوز تھی، جن میں سے بہتوں کو تو زبردستی مسلمان بنا لیا گیا اور کئی سو قتل کر دیئے گئے۔

۱۹۱۹ء برطانوی حکومت پر ایک حد تک صحیح طور پر، وعدہ شکنی کا الزام لگایا گیا ہے۔ ۱۹۱۹ء کی ابتدا میں سر لڈ جارج نے جو وعدہ کیا تھا، اس کے متعلق سمجھا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ دربر اعظم انگلستان نے ترکوں کو ان کے وطن پر علیٰ حال قائم رکھنے کا وعدہ کیا ہے، لیکن صلح کی دفعات سے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ سلطان ایک حقیقی قیدی کی طرح قسطنطنیہ میں رہیں گے، اور سمرنا اور مشرقی تھریس یونان کو وکیر اس کے ملک کو منتشر کر دیا جائے گا۔ چند وستان کے ہر مسلمان کو یہ نظر آنے لگا، کہ یہ صرف برطانوی وعدوں کی تردید ہی نہیں ہے بلکہ توئی اور سلطان کے واسطے سے خود اسلام پر ضرب لگائی گئی ہے۔

ترکی صلحنامہ کی شرائط کی اشاعت کے بعد ہی ہیاتا گاندھی نے تحریک خلافت کے رہنماؤں کے ساتھ خریف ۱۹۲۰ء میں اپنی تحریک ترک موالات کا آغاز کیا اور انڈین نیشنل کانگریس کے ستمبر کے خاص اجلاس میں مندرجہ ذیل امور کو عملی جامہ پہنانے کے متعلق تجاویز منظور کی گئیں :-

- (۱) خطابات کی واپسی،
- (۲) سرکاری ملازمتوں سے استعفا،
- (۳) سرکاری یا امدادی تعلیم گاہوں کا مقاطعہ،
- (۴) عدالتوں کا مقاطعہ اور قانون پیشہ اصحاب کا اپنے پیشہ سے علیحدگی،
- (۵) آئندہ انتخابات کا مقاطعہ،
- (۶) بیرونی ایشیا خصوصاً روئی کے کپڑوں کا مقاطعہ،
- (۷) پولیس اور فوجی ملازمتوں سے استعفا،
- (۸) محاصل زخصوصاً لگان کی ادائیگی سے انکار۔

بیرونی ایشیا کا مقاطعہ تدریجی قرار دیا گیا، اور آخری دو باتیں اس تحریک کی آخری منزل طے پائیں ہم انتخاب کے مقاطعہ پر اس سے قبل بحث کر چکے ہیں، بری ملک کے نظام تعلیم کے خلاف کارروائی جو خود رہنماؤں نے کی تھی وہ بھی ناکام رہی۔ یہ سچ ہے کہ گاندھی جی جہاں کہیں بھی جاتے وہاں لڑکے ان بچوں کی طرح جو ہیلن کے باجے والے کے ہلتے ہو جاتے تھے اپنے مدارس چھوڑ کر ان کی پیروی کے لئے تیار ہو جاتے، لیکن جو ہی وہ اس جگہ سے کسی دوسری جگہ کے لئے روانہ ہوتے، اور ان کے لقمہ کی آواز موقوف ہو جاتی، تو ان میں سے اکثر پھر اپنے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ علی برادران کو مشہور مسلم تعلیمی مرکز: علی گڑھ میں اور خود گاندھی جی کو ہندو جامہ کی شہر بناس میں، نہایت سخت رکاوٹ سے دوچار ہونا پڑا۔ "قومی" اسکولوں اور کالجوں کی تعمیر ملک کے اکثر حصوں میں بری طرح ناکام ثابت ہوئی، اور وقتی طرز پر سخت ترین انتشار اور بہت سے ہونہار شیعہ کی آئندہ زندگی کی تخریب کے بعد یہ تحریک مقاطعہ

رفتہ رفتہ ختم ہو گئی۔ یہی دو دفعات (۱) و (۲) اور (۴) تو ان میں تو اس سے بھی زیادہ مکمل آنا کامی ہوئی، اور جن جماعتوں کا ان میں تذکرہ کیا گیا تھا، ان کو مخاطب کرنا ہی چھوڑ دیا گیا۔

نومبر سن ۱۹۱۷ء میں حکومت ہند نے اپنی ایک قرارداد شائع کی، جس میں تحریک ترک موالات سے متعلق اپنے عام رویے کا اظہار کیا گیا تھا۔ مقامی حکومتوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ صرف ان اشخاص کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے جو اپنی تحریروں یا تقریر کو فساد پھیلانے کے لئے استعمال کریں یا پولیس یا فوج کی وفاداری کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کریں۔ حکومت نے جن اسباب کی بنا پر اس تمام تر غیر آئینی تحریک کے خلاف عمل برداشت کی حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی وہ یہ ہیں:

(۱) حکومت نہیں چاہتی تھی، کہ ٹھیک ایسے وقت جب کہ ہندوستان حکومت خود اختیاری کی طرف قدم بڑھانے والا ہو، اس وقت اس کے مطالب و تقریروں کی آزادی میں مداخلت کی جائے۔

(۲) اس بات کا علم کہ جن لوگوں کے خلاف کارروائیاں کی جائیں گی وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو شہید ملت بنانے کا موقع نکال لیں گے۔ اور اس طرح ایک مغلط ہمدردی حاصل کر کے اپنے پیروؤں کی تعداد بڑھائیں گے۔

(۳) اس بات کا یقین کہ ملک تحریک ترک موالات کو ایک خیالی اور طغیانانہ تجویز سمجھ کر خود ہی مسترد کر دے گا، کیونکہ اس تحریک کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ تمام ملک میں عام بد امنی سیاسی اضطراب اور ان لوگوں کی جن کا ملک سے مفاد و اہلیت ہے، بنا ہی کے اباب پیدا ہو جائیں۔ اس لئے کہ اس تحریک کے مخاطب یا توجاہل تھے یا مستصحب اور اس کے مقصد میں تعمیری ذہنیت کا فقدان تھا۔

جنوری اور پھر جون ۱۹۱۷ء میں اس حکمت عملی کی مزید توثیق کی گئی لیکن اس کے ساتھ ہی مقامی حکومتوں پر زور ڈالا گیا کہ وہ تمام خطرناک

انقلاب پسند اشخاص کے خلاف کارروائی اور عام طور سے قانون کے نفاذ کی کوشش کریں؛ صحیح شکایات کو دور کرنے کے لئے، اصلاحی قانون بنائیں اور اس تحریک کے خلاف تبلیغ و اشاعت کا سامان کریں۔ جدید وائسراے لارڈ ریڈنگ نے مئی میں یعنی اپنے ہندوستان میں آنے کے تقریباً چھ مہینے بعد دومرتبہ مہانتا گاندھی سے طویل ملاقاتیں کیں اس کے بعد ہی علی برادران نے اپنی حال کی تقریروں کے لہجے کے متغیّر معافی چاہی۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ قسمی وعدہ کیا کہ جب تک ان کا تعلق گاندھی جی کی تحریک سے رہے گا، اس وقت تک وہ فساد کی حمایت کریں گے، اور نہ فسادات کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ لارڈ ریڈنگ نے ولیم ہند برطانیہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دینے کا گاندھی جی کے ملاقات سے بعد ہی فیصلہ کیا۔ آخر جولائی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ہندت مدفن ہن مالویہ اور دوسرے اراکین کی مخالفت کے باوجود شاہی سیاحت کے مقاطعہ کا فیصلہ کر لیا۔

۱۹۲۱ء کی ابتدا اور صبحات متحدہ میں کاھتکارانہ ہتکاموں اور طویل ہڑتالوں سے ہوئی جن میں وقتاً فوقتاً فسادات تک ذمہت پہنچ جاتی تھی۔ اور انقلابی کارکنوں نے اس موجودہ معاشی بے چینی سے فائدہ اٹھانے اور قومی مناڈرت کے جذبات مشتعل کرنے کی پوری کوشش کی۔ ابتدا موسم گرما میں محض اس غرض سے کہ آسام کے یورپی کاشتکاران چائے کو تباہ و برباد کر دیا جائے، ان چائے کے باغوں کے ہزاروں تلیوں میں انتشار پیدا کر دیا گیا، (اور اس کے بعد ان کو نہایت اشد سناک حالت میں ان کی قسمت پر چھوڑ دیا گیا) اور اس کے ساتھ ہی آسام بنگال ریلوے میں ہڑتال کرا دی گئی۔ آگے چلکے موسم گرما میں دلائی کپڑوں اور شراب کی دکانوں کا مقاطعہ نہایت زور کے ساتھ شروع کیا گیا۔ (پہیں باڈر کھنسا چاہئے کہ بعض حصص ملک میں موخر الذکر کارروائی منشیات سے بچنے کے صحیح جذبات پر مبنی تھی، لیکن اس کا مقصد حکومت کو آمدنی ابھاری سے

مخروم کرنا بھی تھا) ان مقاصد کے لئے جو ذریعہ اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ رضا کاروں کی انجمنوں کے ذریعے سے ووکانوں پر پہرا دیا جاتا تھا اور لوگوں کو ہرکایا جاتا تھا۔

سلاطین میں ایک جدید اضطراب انگیز عنصر کا اضافہ، وسط پنجاب کے سکھوں میں خوفناک منافرت۔ کب پیدا ہونے سے ہوا۔ فروری میں ننکانا صاحب میں اکالی دل کے ۱۵۰ سے زیادہ سکھ ایک مشہور سکھ گردوارہ پر قبضہ کرنے کی کوشش میں نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے تھے، اس کے متعلق اس غلط خیال کو پھیلانے کے لئے یہ سرکاری حکام کی سازش کا نتیجہ ہے، حکومت سے دشمنی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس تحریک میں جو تحریک ترک موالات سے بہت ملتی ہوئی تھی، سیاسی اور مذہبی مسائل کو ملا کر اس طرح ایک کر دیا گیا تھا، کہ حکومت کے لئے یہ بہت مشکل ہو گیا، کہ وہ سکھوں کے دو مقابل فرقوں کے مذہبی اختلاف میں حصہ لینے کے الزام سے بچتے ہوئے اس پر قابو پایا سکے۔

خریف سلاطین میں حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ شاہزادہ ویز کی آمد پر ہندوستان میں جو ہڑتال ہوئی تھی، اس نے آبادی کے وفادار عنصر کی بے اثری اور انقلابی جماعت کی ملک پر مضبوط گرفت کو سب سے زیادہ واضح طریقہ سے ظاہر کر دیا۔ آخر اس کے صبر کا یہ لہر نہ ہو گیا۔ حکومت نے اپنی پچھلی حکمت عملی کو چھوڑ دیا، اور اس کے مقابلہ میں سخت کارروائی کے لئے آگے بڑھی۔ اس سے پہلے ہی یکم نومبر کو علی برادران اور بعض دوسرے خلافتی رہنماؤں کو اس وجہ سے سزا مل چکی تھی کہ انھوں نے مجلس خلافت کی مرکزی مجلس عاملہ میں ایک ایسی تجویز کی منظوری میں حصہ لیا تھا جو مسلمان سپاہیوں کی وفاداری میں نقص پیدا کر سکتی تھی۔ شاہزادہ کے ساحل بلجی کے اترنے کے ساتھ سخت ترین فساد شروع ہو گیا ۳۵ آدمی قتل، اور ۷۰۰ زخمی ہوئے، اس کے چند دنوں بعد متعدد مفتاحی حکومتوں نے تعزیرات فوجداری کے ترمیمی قانون کے حصہ دوم کے

تحت) رضا کاروں کی ایسی مجالس کو جو انقلابی تحریک میں شریک ہوں، اخلاقی قانون قرار دیدیا، اور مقامی رہنما جن میں سی۔ آر۔ داس، موٹی لال نہرو، اور لملالہ لاجپت رائے بھی شامل تھے، گرفتار کر لئے گئے،

رہا اس تحریک کے روح رواں ہما تھا گاندھی کا معاملہ، سو حکومت اب تک ان کے متعلق اپنے ہاتھ کو روکے ہوئے تھی اگرچہ گاندھی جی ہمیشہ کا وعظ کہتے رہے، لیکن وہ ملک کے مختلف حصوں میں سفر دراز دستیوں کو نہ روک سکے۔ انھوں نے اس وقت تک تحریک ترک موالات کے لائحہ عمل کی ان دفعات کو عملی جامہ پہنایا تھا جن کا لازمی نتیجہ فیاد تھا، مثلاً پولیس اور فوج میں بددلی پیدا کرنا، اور لگان نہ ادا کرنے کی تحریک پینٹی کے ہلکے ہنگاموں کے بعد جن میں گاندھی جی نے نہایت بہت سے قیام امن میں حکومت کا ساتھ دیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ ان کو تنبہ ہو گیا ہے۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں ایک گول میز کانفرنس کے متعلق بہت زوروں سے بحث ہو رہی تھی، لیکن یہ سچی مصالحت ناکام ثابت ہوئی۔ اسی جہینہ میں احاطہ مدراس کے ضلع سنٹور میں عدم ادائیگی لگان کی تحریک پہلے پہل ایک حد تک وسیع پیمانہ پر شروع کی گئی، اور فروری کے ابتدائیں خود گاندھی جی نے یہ بات طے کی، کہ اسی قسم کی تحریک بھی پریسڈنسی کے ضلع سورت کی ایک تحصیل یعنی (بروولی) میں شروع کریں۔ اب حکومت نے یہ طے کر لیا کہ انھیں گرفتار کرنا ضروری ہے، اس مرتبہ ان کے پیروؤں نے صوبجات متحدہ میں چوری چورا کے مقام پر جو زیادتیاں کیں، اور رضا کاران کانگریس کے ہجوم نے ایک پوری جماعت کو جس میں دو سب انسپکٹ بھی شامل تھے جس بے رحمی سے قتل کر ڈالا، ان کی وجہ سے گاندھی جی کو اپنی کارروائی ایک مرتبہ پھر ملتوی کر دینا پڑی اور حکومت نے بھی ایک مرتبہ پھر اس بات کا

۱۰۔ جنوری ۱۹۳۱ء کو گورنر جنرل کی مجلسِ حاکمہ کے رکن داخلی نے جمیٹ معنی میں تقریر کر کے ہوئے بیان کیا۔

کر گزشتہ بارہ مہینوں کے اندر ملکی حکام نے، ۴۴ متبا فواج مند سے امداد طلبہ کی ہے؛

فیصلہ کر لیا۔ کہ ان کی گرفتاری سے پہلے وہ واقعات کی رفتار کا مطالعہ کر لے۔ بہت ممکن ہے کہ گاندھی جی اس بات کے یقین کے بعد کہ ان کی سخر کی بد امنی کی طرف بڑھ رہی ہے، اس بات کو ترجیح دیتے کہ مزید کارروائی ملتوی کر کے ایک مرتبہ پھر از سر نو تمام زمین تیار کی جائے اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے پہلی مارچ کو جو یہ فیصلہ کیا کہ تمام قانون شکنی کے مستقلاً ترک کرنے کا کوئی خیال نہیں ہے، اس کی انہوں نے نہایت بددلی سے تاکید کی ہو، لیکن جوں ہی اس فیصلہ اور اس فیصلہ کے ساتھ مسٹر گاندھی کے اتفاق رائے کی خبر موصول ہوئی، ان کی گرفتاری کے لئے ہدایات جاری کر دی گئیں۔

گاندھی جی پر قانون تعزیرات ہند کے اس جرم کے ماتحت مقدمہ چلایا گیا کہ انہوں نے "برطانوی ہندوستان میں قانوناً قائم شدہ حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے" انہوں نے اقبال جرم کیا اور کہا کہ "میں اس عدالت کے سامنے یہ بات پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتا کہ موجود نظام حکومت کے خلاف نفرت کی تبلیغ میں سہی فطرت ثانیہ بن گئی ہے" جج نے کہا کہ گاندھی جی کے افعال ایسے ہیں کہ خواہ کوئی بھی حکومت ہوتی وہ انہیں ہرگز آزاد نہ چھوڑتی اور یہ کہ "میں اس بات کو فراموش نہیں کرتا کہ آپ نے فسادات کے خلاف مسلسل اظہار خیال کیا ہے اور میں اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار ہوں، کہ آپ نے متعدد بار فسادات کو روکا بھی ہے، لیکن آپ کی سیاسی تعلیم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اور جن کو تعلیم دی جاتی ہے ان کی فطرت کا خیال رکھتے ہوئے، یہ بات میرے اور اک سے باہر ہے، کہ آپ اس بات پر کس طرح یقین کر سکتے ہیں کہ اس کا لازمی نتیجہ فساد نہ ہوگا" بہر حال مہاتما گاندھی کو چھ سال کی سزا دے محض وی گئی، اور جج نے سزا دیتے ہوئے کہا کہ "اگر ہندوستان کے واقعات کی رفتار ایسی ہو جائے جس کی وجہ سے اس میدان میں کمی ہو جائے اور آپ آزاد ہو جائیں تو شاید مجھ سے زیادہ اس سے کوئی خوش نہ ہوگا۔"

گاندھی جی کے میدان سیاست سے ہٹ جانے سے طوفان فسادات میں اضافہ کی جگہ سیاسی بارہما میں اس کے بالکل برعکس علامات ظاہر ہوئیں۔ حکام کی سخت کارروائیوں کی وجہ سے صورت حال بہت کچھ درست ہوئی۔ ان حالات میں صوبجات متحدہ اور بہار کے بعض حصص میں مسلسل اور سخت ترین بے اطمینانی سنگھوں کی بعض جماعتوں میں مخالفت قانون کا جذبہ (اگرچہ اس سلسلہ میں بھی صورت حال بہتر ہو گئی) اور ہندوستان کے سب سے بڑے ریلوے نظام ایٹ انڈیا ریلوے میں عظیم الشان ہڑتال، ایسی چیزیں تھیں، جو بہت تشویش ناک تھیں، لیکن اس کے ساتھ ہی مصری آزادی کے تسلیم کرنے اور ترکی کے ساتھ اطمینان بخش سمجھوتے کے وعدہ سے مسلم جذبات کچھ ساکت نہیں ہوئے اور اس کے ساتھ ہی موسم بہار کی فصل معاشی صورت حال کے بہتر بنانے میں کچھ نہ کچھ مدد و معاون ضرور ہوئی۔

میں اس بات کو اس سے بہتر طریقہ سے ختم نہیں کر سکتا کہ ان الفاظ کو جو ۱۴ فروری ۱۹۲۲ء کو دارالعوام میں معاملات ہند پر مباحثہ کے وقت مسٹر ہائیکو کی زبان سے نکلے، نقل کر دوں۔ برطانوی حکومت کی حیثیت کو بتاتے ہوئے انھوں نے کہا:-

”ہماری حکمت عملی یہ ہے، کہ ہم برطانوی سلطنت کے استحکام کو قائم رکھتے ہوئے اس سلطنت کے اندر کامل خود مختارانہ حکومت کے حصول کے بہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں میرا خیال ہے، کہ مجھے اس حکمت عملی کے متعلق کچھ کہنا چاہیے، کیوں کہ ہندوستان کے موجودہ مجالس مقننہ اس کو اچھی طرح نہیں سمجھی ہیں۔ ملک معظم کی حکومت نے ۱۹۱۹ء میں اپنی حکمت عملی کا اعلان کر دیا تھا، اور بالآخر پارلیمنٹ نے قانون حکومت ہند کو منظور کر کے اس کے مطابق عمل کیا ہے..... یہ صحیح ہے کہ جس وقت یہ قانون منظور کیا گیا تھا، تو اس کا مقصد محض دستوری ارتقا تھا اور اسی لئے اسے حکومت خود اختیاری کی مزید سطحوں کی طرف پہلے قدم

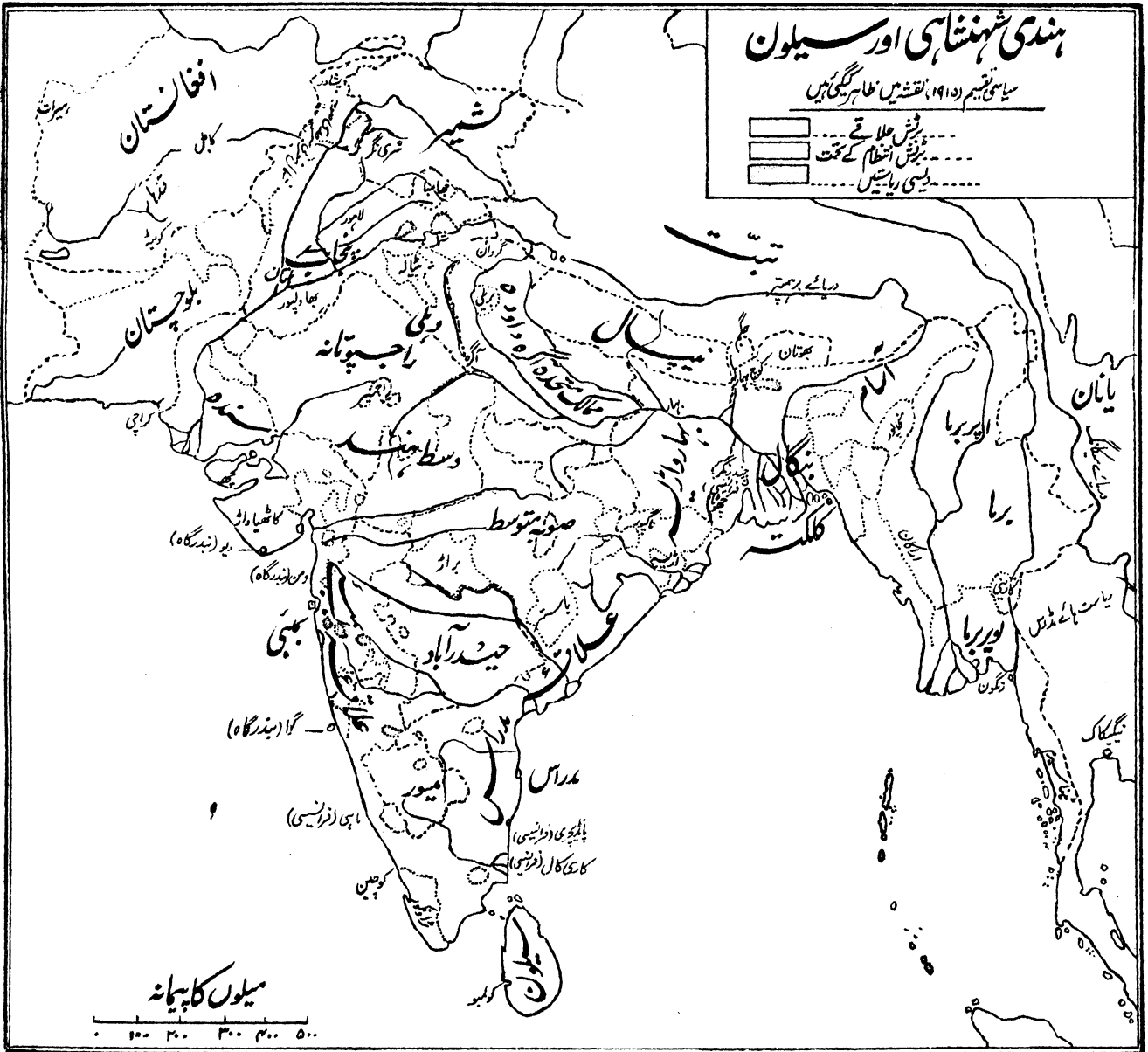
سے تبصرہ کیا گیا تھا؛ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات اسی وقت واضح کر دی گئی تھی، اور اب میں پھر اسے صاف کر دینا چاہتا ہوں، کہ مزید اقساط پارلیمنٹ کے اس اطمینان پر موقوف ہیں، کہ جو پہلی قسط دی گئی ہے اس سے صحیح مصرف لیا گیا ہے، ہمارا میٹریبل قرار پایا ہے.....

”ہمارا یہی خیال تھا، اور ہماری یہی خواہش تھی اور اب بھی ہے، کہ اگر صورت حال بہتر ہوتی گئی، تو قدم آٹھے بڑھانا چاہئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی پارلیمنٹ کا یہ عزم مصمم ہے کہ اگر صورت حال میں ترقی نہیں ہوتی تو کوئی قدم آگے نہ بڑھایا جائے۔ میں اس وقت کسی فیصلہ کا طالب نہیں ہوں، لیکن میرا خیال ہے، کہ اگر میں تمام ہندوستانیوں کو، ان کو بھی جو اصلاً پرنسپل پیرا ہیں، اور ان کو کبھی جو عمل پیرا نہیں ہیں، اپنے اس خیال سے آگاہ کر دوں تو میں حق بجانب ہوں گا کہ میرا عقیدہ ہے کہ جہاں تک اس ایوان کا تعلق ہے، اس میٹریبل سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ ملک معظم کی اعلیٰ ترین حمایت کے ماتحت حکومت خود اختیاری حاصل کرنے کے لئے ان کو نہ صرف انفراداً بلکہ اجتماعاً ان چیزوں کے لئے جو کہ حکومت خود اختیاری کے لئے ضروری ہیں، آمادگی ظاہر کرنا چاہئے۔ یہ وہ باتیں ہیں، جو اس قانون کے منظور ہوتے وقت اس ایوان میں بیان کی جا چکی ہیں، یعنی رائے دہندوں میں سیاسی معاملات کے متعلق تعلیم و دلچسپی پیدا کرنا، مخالفوں کے مقابلہ میں حفاظت و رواداری، اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت۔۔۔ کیونکہ اس میں ان تمام خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو فن حکومت میں مضمر ہیں اور جس صورت سے بھی ہو، ہر قسم کی مماثلت کارروائی کے مقابلہ میں قیام امن کے لئے جو کارروائی بھی ضروری ہو کر ناپڑے گی۔

ہندی شہنشاہی اور سیلون

سیاحتی تقسیم (۱۹۱۵ء) نقشہ میں ظاہر ہو گئی ہیں

- برٹش علاقے
- برٹش انتظام کے تحت
- دیسی ریاستیں



میلوں کا پیمانہ

۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ ۵۰۰

صحننامہ برطانوی ہند کا نظام سیاسی

صحیح	غلط	۱	۲	صحیح	غلط	۱	۲
۲	۳	۲	۱	۲	۳	۲	۱
اختیارات Indianization	ختیارات Indionization	۱۸	۱۲۸	۱۸۵۳	۱۸۵۲۲	۸	۱۳
کئے	کے	حاشیہ	۱۲۲	خزانہ	خرانہ	۱۶	۲۳
علاقہ	حلاقہ	۱۲	۱۲۸	بہودی	بہوی	۲	۲۸
پیدا	یہ پیدا	۱	۱۵۰	جواب دہ	جوب آب دہ	۱	۲۷
کردیں	کہ اس	۳	۱۵۶	۱۹۱۵	۱۱۱۵	۹	۷۲
اصولاً یہ مجلس	اصولاً یہ مجلس	۲۳	۱۵۷	باضابطہ	باضابطہ	۸	۸۷
قومی حیثیت	قومی حیثیت	۵	۱۶۲	نیشنل	نیشنل	۲۲	=
۱۹۲۲ء	۱۹۲۲ء	۱۵	۱۶۲	India	Inia	حاشیہ	۹۲
Axe	Ame	۳۱	۱۶۶	تو گورنر کیلئے	تو گورنر کیلئے	۱۷	۱۰۷
اپنے استحقاق	پنے استحقاق	۱۹	۱۶۷	یہی	یہی	۲	۱۰۹
		۲۱	۱۷۷	نامزدیہ ٹیکنیکی ہو	نامزدگی نہ ٹیکنیکی ہو	۱۹	۱۱۷
				موزالذکر	ہو خزانہ ذکر	۲۵	=
				Whyte	Whye	۱۸	۱۲۲

